تطبیق الآیات (اردو)

قرآن مجید کی آیات میں ظاہری تعارض وتناقض کی بہترین

ودلنشین تشریح وتطبیق مستند ومعتمد قدیم وجدید عربی تفاسیر کی روشنی میں

تصنیف

مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

استاد حدیث وتخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

سلسلہ مطبوعات نمبر 2

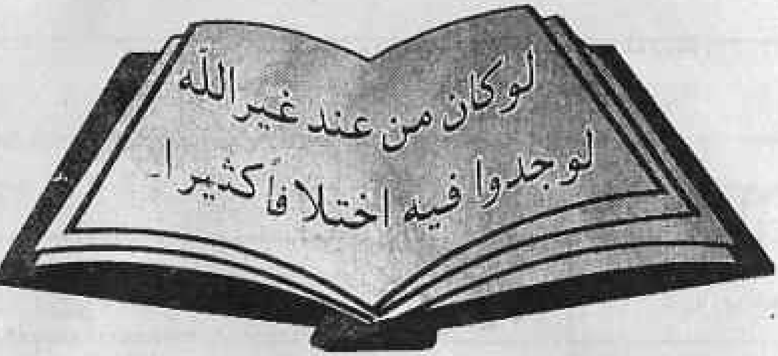

تطبیق الآیات (اردو)

قرآن مجید کی آیات میں ظاہری تعارض وتناقض کی بہترین
دلنشین تشریح وتطبیق مستند ومعتمد قدیم وجدید عربی تفاسیر کی روشنی میں

تصنیف

مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

استاد حدیث و تخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی و متخصص جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ناشر

دار التصنیف: جامعہ عثمانیہ پشاور

سن تالیف
ستمبر 2004ء رجب ۱۴۲۵ھ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

....

نام کتاب..........تطبیق الآیات

تصنیف..........مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی

صفحات..........۳۵۸

کمپوزنگ..........(الکلیم کمپوزنگ) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

تعداد..........ایک ہزار

تاریخ طباعت..........رجب ۱۴۲۵ھ ستمبر ۲۰۰۴ء

پروف ریڈنگ..........مولانا فضل غفور حقانی، مولانا مبشر احمد، مولانا احسان اللہ شاہ

قیمت..........

ناشر..........دارالتصنیف جامعہ عثمانیہ پشاور صدر

ملنے کے پتے

۱. جامعہ عثمانیہ پشاور صدر نوتھیہ روڈ پوسٹ بکس ۱۲۰۹

۲. حافظ کتب خانہ نزد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

۳. مکتبہ فاروقیہ بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۶ کراچی نمبر ۲۵

۴. اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵ پوسٹ کوڈ ۷۴۸۰۰

۵. کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

۶. مکتبۃ المعارف محلہ جنگی پشاور

فہرست تطبیق الآیات

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تقریظ: مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب	۹	تعارض نمبر ۱۳ آیت 57	۳۶
تقریظ: علامہ مولانا مغفور اللہ صاحب	۱۱	تعارض نمبر ۱۴ آیت 56	۳۷
قرآنی آیات میں تعارض اور تطبیق (ذاکر حسن)	۱۲	تعارض نمبر ۱۵ آیت 60	۳۹
سورۃ البقرۃ		تعارض نمبر ۱۶ آیت 87	۴۰
تعارض نمبر ۱ آیت 2	۱۶	تعارض نمبر ۱۷ آیت 102	۴۲
تعارض نمبر ۲ آیت 2	۱۹	تعارض نمبر ۱۸ آیت 114	۴۴
تعارض نمبر ۳ آیت 6	۲۱	تعارض نمبر ۱۹ آیت 114	۴۸
تعارض نمبر ۴ آیت 7	۲۳	تعارض نمبر ۲۰ آیت 118	۴۹
تعارض نمبر ۵ آیت 18	۲۵	تعارض نمبر ۲۱ آیت 143	۵۱
تعارض نمبر ۶ آیت 22	۲۶	تعارض نمبر ۲۲ آیت 170	۵۵
تعارض نمبر ۷ آیت 23	۲۷	تعارض نمبر ۲۳ آیت 174	۵۶
تعارض نمبر ۸ آیت 29	۲۸	تعارض نمبر ۲۴ آیت 184	۵۷
تعارض نمبر ۹ آیت 24	۲۹	تعارض نمبر ۲۵ آیت 185	۵۹
تعارض نمبر ۱۰ آیت 46	۳۱	تعارض نمبر ۲۶ آیت 193	۶۱
تعارض نمبر ۱۱ آیت 47	۳۳	تعارض نمبر ۲۷ آیت 213	۶۲
تعارض نمبر ۱۲ آیت 49	۳۴	تعارض نمبر ۲۸ آیت 221	۶۳

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۲۹ آیت 221	۶۴	تعارض نمبر۴۴ آیت 142	۹۰
تعارض نمبر۳۰ آیت 253	۶۶	تعارض نمبر۴۵ آیت 155	۹۲
تعارض نمبر۳۱ آیت 254	۶۸	تعارض نمبر۴۶ آیت 164	۹۳
تعارض نمبر۳۲ آیت 256	۷۰	تعارض نمبر۴۷ آیت 186	۹۴
تعارض نمبر۳۳ آیت 284	۷۲	**سورۃ النساء**	
سورۃ آل عمران		تعارض نمبر۴۸ آیت 3	۹۵
تعارض نمبر۳۴ آیت 7	۷۴	تعارض نمبر۴۹ آیت 12	۹۷
تعارض نمبر۳۵ آیت 38	۷۶	تعارض نمبر۵۰ آیت 15	۹۸
تعارض نمبر۳۶ آیت 38	۷۸	تعارض نمبر۵۱ آیت 23	۹۹
تعارض نمبر۳۷ آیت 45	۷۹	تعارض نمبر۵۲ آیت 26	۱۰۱
تعارض نمبر۳۸ آیت 55	۸۰	تعارض نمبر۵۳ آیت 32	۱۰۳
تعارض نمبر۳۹ آیت 67	۸۲	تعارض نمبر۵۴ آیت 33	۱۰۴
تعارض نمبر۴۰ آیت 90	۸۴	تعارض نمبر۵۵ آیت 42	۱۰۷
تعارض نمبر۴۱ آیت 102	۸۶	تعارض نمبر۵۶ آیت 69	۱۰۸
تعارض نمبر۴۲ آیت 103	۸۷	تعارض نمبر۵۷ آیت 78	۱۱۰
تعارض نمبر۴۳ آیت 123	۸۹	تعارض نمبر۵۸ آیت 93	۱۱۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۵۹ آیت 95	۱۱۵	تعارض نمبر۷۳ آیت 108	۱۳۹
تعارض نمبر۶۰ آیت 139	۱۱۷	تعارض نمبر۷۴ آیت 108	۱۴۰
سورۃ المائدۃ		تعارض نمبر۷۵ آیت 130	۱۴۱
تعارض نمبر۶۱ آیت 21	۱۱۹	تعارض نمبر۷۶ آیت 131	۱۴۳
تعارض نمبر۶۲ آیت 42	۱۲۱	تعارض نمبر۷۷ آیت 148	۱۴۵
تعارض نمبر۶۳ آیت 94	۱۲۲	تعارض نمبر۷۸ آیت 160	۱۴۹
تعارض نمبر۶۴ آیت 101	۱۲۴	**سورۃ الاعراف**	
تعارض نمبر۶۵ آیت 106	۱۲۵	تعارض نمبر۷۹ آیت 15	۱۵۱
تعارض نمبر۶۶ آیت 109	۱۲۷	تعارض نمبر۸۰ آیت 28	۱۵۴
تعارض نمبر۶۷ آیت 115	۱۳۰	تعارض نمبر۸۱ آیت 51	۱۵۶
تعارض نمبر۶۸ آیت 128	۱۳۱	تعارض نمبر۸۲ آیت 54	۱۵۷
سورۃ الانعام		تعارض نمبر۸۳ آیت 78	۱۵۸
تعارض نمبر۶۹ آیت 25	۱۳۴	تعارض نمبر۸۴ آیت 94	۱۶۰
تعارض نمبر۷۰ آیت 26	۱۳۵	تعارض نمبر۸۵ آیت 107	۱۶۱
تعارض نمبر۷۱ آیت 61	۱۳۶	تعارض نمبر[illegible] آیت 109	۱۶۲
تعارض نمبر۷۲ آیت 103	۱۳۸	تعارض نمبر۸۷ آیت 137	۱۶۴

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۸۸ آیت 157	۱۶۵	**سورۃ ھود**	
تعارض نمبر۸۹ آیت 179	۱۶۷	تعارض نمبر۱۰۱ آیت 15	۱۸۵
سورۃ الانفال		تعارض نمبر۱۰۲ آیت 20	۱۸۷
تعارض نمبر۹۰ آیت 2	۱۶۹	تعارض نمبر۱۰۳ آیت 45	۱۸۸
تعارض نمبر۹۱ آیت 33	۱۷۱	تعارض نمبر۱۰۴ آیت 118	۱۸۹
تعارض نمبر۹۲ آیت 72	۱۷۲	تعارض نمبر۱۰۵ آیت 118	۱۹۰
سورۃ البراءۃ		تعارض نمبر۱۰۶ آیت 119	۱۹۲
تعارض نمبر۹۳ آیت 30	۱۷۳	تعارض نمبر ۱۰۷ آیت 120	۱۹۴
تعارض نمبر۹۴ آیت 41	۱۷۵	**سورۃ یوسف**	
تعارض نمبر۹۵ آیت 43	۱۷۶	تعارض نمبر۱۰۸ آیت 22	۱۹۶
تعارض نمبر۹۶ آیت 101	۱۷۸	تعارض نمبر۱۰۹ آیت 55	۱۹۷
سورۃ یونس		تعارض نمبر۱۱۰ آیت 100	۱۹۸
تعارض نمبر۹۷ آیت 18	۱۷۹	**سورۃ الرعد**	
تعارض نمبر۹۸ آیت 58	۱۸۰	تعارض نمبر۱۱۱ آیت 42	۱۹۹
تعارض نمبر۹۹ آیت 98	۱۸۱	**سورۃ ابراھیم**	
تعارض نمبر۱۰۰ آیت 101	۱۸۳	تعارض نمبر۱۱۲ آیت 9	۲۰۰

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۱۱۳ آیت 17	۲۰۱	تعارض نمبر۱۲۵ آیت 27	۲۱۸
تعارض نمبر۱۱۴ آیت 36	۲۰۲	تعارض نمبر۱۲۶ آیت 29	۲۱۹
تعارض نمبر۱۱۵ آیت 43	۲۰۳	تعارض نمبر۱۲۷ آیت 49	۲۲۰
سورۃ الحجر		تعارض نمبر۱۲۸ آیت 50	۲۲۱
تعارض نمبر۱۱۶ آیت 18	۲۰۳	تعارض نمبر۱۲۹ آیت 52	۲۲۳
سورۃ النحل		تعارض نمبر۱۳۰ آیت 53	۲۲۴
تعارض نمبر۱۱۷ آیت 25	۲۰۴	**سورۃ مریم**	
تعارض نمبر۱۱۸ آیت 36	۲۰۶	تعارض نمبر۱۳۱ آیت 71	۲۲۵
تعارض نمبر۱۱۹ آیت 67	۲۰۹	تعارض نمبر۱۳۲ آیت 85	۲۲۷
تعارض نمبر۱۲۰ آیت 100	۲۱۰	تعارض نمبر۱۳۳ آیت 91	۲۲۹
سورۃ بنی اسرائیل		**سورۃ طٰہٰ**	
تعارض نمبر۱۲۱ آیت 14	۲۱۱	تعارض نمبر۱۳۴ آیت 15	۲۳۰
تعارض نمبر۱۲۲ آیت 15	۲۱۳	تعارض نمبر۱۳۵ آیت 22	۲۳۲
تعارض نمبر۱۲۳ آیت 85	۲۱۵	تعارض نمبر۱۳۶ آیت 27	۲۳۳
سورۃ الکھف		تعارض نمبر۱۳۷ آیت 104	۲۳۴
تعارض نمبر۱۲۴ آیت 20	۲۱۶	تعارض نمبر۱۳۸ آیت 115	۲۳۵

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سورۃ الانبیاء		سورۃ النمل	
تعارض نمبر ۱۳۹ آیت 81	۲۳۶	تعارض نمبر ۱۵۰ آیت 4	۲۵۵
سورۃ المؤمنون		تعارض نمبر ۱۵۱ آیت 83	۲۵۷
تعارض نمبر ۱۴۰ آیت 12	۲۳۸	سورۃ القصص	
تعارض نمبر ۱۴۱ آیت 96	۲۴۰	تعارض نمبر ۱۵۲ آیت 56	۲۵۸
تعارض نمبر ۱۴۲ آیت 101	۲۴۰	تعارض نمبر ۱۵۳ آیت 63	۲۶۰
تعارض نمبر ۱۴۳ آیت 101	۲۴۱	سورۃ العنکبوت	
سورۃ النور		تعارض نمبر ۱۵۴ آیت 24	۲۶۱
تعارض نمبر ۱۴۴ آیت 3	۲۴۳	تعارض نمبر ۱۵۵ آیت 27	۲۶۲
تعارض نمبر ۱۴۵ آیت 24	۲۴۶	سورۃ الروم	
تعارض نمبر ۱۴۶ آیت 26	۲۴۸	تعارض نمبر ۱۵۶ آیت 45	۲۶۳
سورۃ الفرقان		سورۃ الاحزاب	
تعارض نمبر ۱۴۷ آیت 69	۲۵۰	تعارض نمبر ۱۵۷ آیت 6	۲۶۵
تعارض نمبر ۱۴۸ آیت 75	۲۵۲	سورۃ السباء	
سورۃ الشعراء		تعارض نمبر ۱۵۸ آیت 17	۲۶۶
تعارض نمبر ۱۴۹ آیت 145	۲۵۳	تعارض نمبر ۱۵۹ آیت 41	۲۶۸

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سورۃ الفاطر		تعارض نمبر ۱۷۱ آیت 5	۲۸۳
تعارض نمبر ۱۶۰ آیت 3	۲۶۹	تعارض نمبر ۱۷۲ آیت 47	۲۸۴
تعارض نمبر ۱۶۱ آیت 24	۲۷۱	تعارض نمبر ۱۷۳ آیت 49	۲۸۶
سورہ یٰسٓ		سورۃ الشوریٰ	
تعارض نمبر ۱۶۲ آیت 51	۲۷۱	تعارض نمبر ۱۷۴ آیت 45	۲۸۷
تعارض نمبر ۱۶۳ آیت 28	۲۷۳	تعارض نمبر ۱۷۵ آیت 45	۲۸۸
سورۃ صٰفّٰت		سورۃ الزخرف	
تعارض نمبر ۱۶۴ آیت 41	۲۷۴	تعارض نمبر ۱۷۶ آیت	۲۸۹
سورۃ الزمر		سورۃ الدخان	
تعارض نمبر ۱۶۵ آیت 53	۲۷۵	تعارض نمبر ۱۷۷ آیت 49	۲۹۰
تعارض نمبر ۱۶۶ آیت 68	۲۷۶	سورۃ الجاثیۃ	
سورۃ مؤمن		تعارض نمبر ۱۷۸ آیت 28	۲۹۲
تعارض نمبر ۱۶۷ آیت 7	۲۷۷	تعارض نمبر ۱۷۹ آیت 32	۲۹۳
تعارض نمبر ۱۶۸ آیت 68	۲۷۹	تعارض نمبر ۱۸۰ آیت 9	۲۹۴
تعارض نمبر ۱۶۹ آیت 72	۲۷۹	سورۃ محمد	
تعارض نمبر ۱۷۰ آیت 74	۲۸۱	تعارض نمبر ۱۸۱ آیت 36	۲۹۶
سورۃ حٰم السجدۃ		--------	---

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
سورة الحجرات		تعارض نمبر۱۹۲ آیت 35	۳۰۹
تعارض نمبر۱۸۲ آیت 13	۲۹۷	تعارض نمبر۱۹۳ آیت 39	۳۱۰
سورة قٓ		سورة الحديد	
تعارض نمبر۱۸۳ آیت 45	۲۹۹	تعارض نمبر۱۹۴ آیت 4	۳۱۲
سورة الذاريات		تعارض نمبر۱۹۵ آیت 8	۳۱۳
تعارض نمبر۱۸۴ آیت 50	۳۰۰	سورة المجادلة	
تعارض نمبر۱۸۵ آیت 58	۳۰۱	تعارض نمبر۱۹۶ آیت 12	۳۱۵
سورة الطور		سورة الممتحنة	
تعارض نمبر۱۸۶ آیت 9	۳۰۲	تعارض نمبر۱۹۷ آیت 8	۳۱۵
تعارض نمبر۱۸۷ آیت 21	۳۰۳	سورة المنافقون	
سورة النجم		تعارض نمبر۱۹۸ آیت 1	۳۱۸
تعارض نمبر۱۸۸ آیت 43	۳۰۳	سورة المعارج	
تعارض نمبر۱۸۹ آیت 39	۳۰۵	تعارض نمبر۱۹۹ آیت 4	۳۱۹
سورة القمر		تعارض نمبر۲۰۰ آیت 8	۳۲۱
تعارض نمبر۱۹۰ آیت 19	۳۰۷	سورة نوح	
تعارض نمبر۱۹۱ آیت 29	۳۰۸	تعارض نمبر۲۰۱ آیت 27	۳۲۱
سورة الرحمن		سورة المزمل	

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۲۰۲ آیت 9	۳۲۳	تعارض نمبر۲۱۱ آیت 10	۳۳۶
سورة المدثر		سورة الطارق	
تعارض نمبر۲۰۳ آیت 54	۳۲۴	تعارض نمبر۲۱۲ آیت 17	۳۳۷
سورة الدهر		سورة الاعلىٰ	
تعارض نمبر۲۰۴ آیت 21	۳۲۶	تعارض نمبر۲۱۳ آیت 7,6	۳۳۸
تعارض نمبر۲۰۵ آیت 28	۳۲۷	سورة الغاشية	
سورة المرسلات		تعارض نمبر۲۱۴ آیت 6	۳۴۰
تعارض نمبر۲۰۶ آیت 35	۳۲۸	سورة الفجر	
تعارض نمبر۲۰۷ آیت 36	۳۳۰	تعارض نمبر۲۱۵ آیت 22	۳۴۲
سورة النبأ		سورة الشمس	
تعارض نمبر۲۰۸ آیت 23	۳۳۱	تعارض نمبر۲۱۶ آیت 8	۳۴۳
سورة عبس		سورة الليل	
تعارض نمبر۲۰۹ آیت 2	۳۳۳	تعارض نمبر۲۱۷ آیت 12	۳۴۳
سورة التكوير		سورة الضحىٰ	
تعارض نمبر۲۱۰ آیت 19	۳۳۴	تعارض نمبر۲۱۸ آیت 7	۳۴۵
سورة الانشقاق		سورة القدر	

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تعارض نمبر۲۱۹ آیت 1	۳۴۹	تعارض نمبر۲۲۲ آیت 2	۳۵۴
سورۃ الزلزال		سورۃ الکافرون	
تعارض نمبر۲۲۰ آیت نمبر 8,7	۳۵۱	تعارض نمبر۲۲۳ آیت 3	۳۵۵
سورۃ العٰدیٰت		سورۃ الناس	
تعارض نمبر۲۲۱ آیت 7,6	۳۵۲	تعارض نمبر۲۲۴ آیت 4	۳۵۷
سورۃالعصر		----------	

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

حضرت مولانامفتی غلام الرحمن مدظلہ
شیخ القرآن والحدیث رئیس دارالتصنیف' مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی ذاکرحسن نعمانی صاحب کی علوم قرآن پر ایک اور تصنیف' تطبیق الآیات آپ کے ہاتوں میں ہے۔ بحمد اللہ اس سے قبل ''وجوہ التکرار فی القرآن'' علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کر کے ایک خاص مقام حاصل کر چکی ہے۔ یہ قرآن مجید سے آپ کے گہرے تعلق کی دلیل ہے کہ علوم قرآن کے نئے زاویے آپ پر کھل کر تحریری شکل میں قارئین تک پہنچ رہے ہیں۔ یہ قرآن کی خوبی ہے کہ اس سے تعلق جتنا قوی ہوگا اتنے ہی اس کے رموز اور مخفی راز انسان پر کھلتے ہیں۔

قرآن چونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے زمانہ اور حالات کے بدلنے کے باوجود اس کی رعنائیاں اور تروتازگیاں قائم ودائم ہیں اس میں ہر زمانہ کے حالات کی رعایت پائی جاتی ہے اس لئے ہر ہر جگہ اور ہر حالات سے ہم آہنگ اور موافق ہے اس میں ہر دور کے مسائل کا حل موجود ہے یہ ممکن نہیں کہ کسی وقت کے مسائل کا حل اس میں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے وہ زمانوں کے تغیر وتبدیلی اور حالات کے نشیب وفراز سے آگاہ ہیں اس عالم خبیر نے انسان کی فلاح کے لئے جس نسخہ کا انتخاب کیا ہے اس میں یہ امکان نہیں کہ حالات سے ناموافق ہو جس کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا جائے۔

قرآنی آیات کا تضاد وتعارض مفسرین کے ہاں ایک معرکۃ الاراء مسئلہ ہے اگرچہ حقیقت میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں پایا جاتا کیونکہ دو آیات کا آپس میں متعارض

ہونا حالات سے ناواقفی یا عجز کا نتیجہ ہوتا ہے اور رب کائنات میں ایسے اسباب نہیں پائے جاتے لیکن پھر بھی بسا اوقات کوتاہ نظری کے وجہ سے تعارض کا شبہ سامنے آتا ہے علماء کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیر نظر کتاب میں موصوف نے معتمد عربی تفاسیر کا سہارا لیکر متعارض آیات اور ان کا حل یکجا کرنے کے کوشش کی ہے۔ موصوف کی یہ محنت قرآن فہمی میں ممد و معاون رہیگی۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ محنت اپنے دربار میں قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنا ئے۔ آمین۔

غلام الرحمٰن

۱۴۲۵/۶/۴ھ

فضیلة الشیخ مولانا مغفور اللہ صاحب حفظه اللہ

استاذ الحدیث بالجامعة الحقانية

باسمه تعالیٰ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد وآله واصحابه اجمعین.

امابعد فقد قال اللہ تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون. ومن الدلائل الواضحة علی صداقة وعده تبارک وتعالی ان تری فی کل قرن وعصر رجالا یبعثهم اللہ تعالیٰ ویقیمهم لخدمة القرآن الکریم باطوار شتیٰ یحومون حول مباحث القرآن الکریم ینفون عنه تحریف الغالین وتاویل الجاهلین وانتحال المبطلین فنعم مسلکهم ونعم مآلهم. ومنها دفع التعارض بین الآیات باعتبار ظاهر النظر. وان الاخ فی اللہ ذاکر حسن النعمانی المدرس واستاذ الحدیث بجامعة العثمانیه الواقعة فی بشاور صاحب التحقیق والتدقیق والتقریر والتحریر وذو ملکة علمیة وخصال سنیّة بذل جهده حول مبحث دفع التعارض فجمع حقائق ودقائق ونکاتا واسرارا ولطائف ولقد اجاد فیما افاد. وأسئل اللہ تعالیٰ ان یجعل جهده متقبلا ومجهوده نافعا للمسلمین ومن الباقیات الصالحات والصدقات الجاریة له الی یوم الدین. آمین.

ویرحم اللہ عبداً قال آمینا.

العبد الافقر مغفور اللہ خادم الحدیث دار العلوم حقانیه اکوڑہ خٹک

۱۴۲۵/۶/۱۲ھ

قرآنی آیات میں تعارض' تطبیق
اور تعارض کی حقیقت

الحمدلله الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل له عوجاً ونصلی ونسلم علی النبی الامی الذی هدانا الی فهم القرآن بالحق وعلی آله وصحبه اجمعین.

وبعد. قال الله تعالیٰ تبارك وتعالیٰ افلا یتدبرون القرآن ولو كان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً كثیراً.

کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت. (النساء)

قرآن مجید کا خاصہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں بلکہ اس میں اختلاف کا نہ ہونا کلام باری ہونے کی دلیل ہے. اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اپنے وسیع' محیط اور لازوال علم کے مطابق اتارا ہے. انزله بعلمه. (النساء) انسان اصل میں جاہل ہے جتنا علم حاصل کرلے پھر بھی اس کا جہل اس پر حاوی ہوتا ہے اس کا جہل ہر حالت میں اس کے علم سے زیادہ ہوتا ہے علم کے حصول کے ساتھ اس کے جہل میں کمی آتی رہتی ہے. لیکن اس کا علم اس کے جہل سے بڑھتا نہیں. اس لئے انسان کے علم میں بے شمار اختلافات تضادات اور تناقضات پائے جاتے ہیں. قرآن کی آیات میں جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے وہ انسان کے اس ذاتی وصف جہالت کا نتیجہ ہے. اللہ تعالیٰ کے علم میں تو اختلافات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. ارشاد باری ہے وسع كل شیٔ علما. اللہ تعالیٰ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں. قرآن مجید کی آیات کا تعارض دراصل انسان کے ناقص علم کا تعارض ہے جس کا محل کلام الٰہی نہیں بلکہ اس جهول انسان کا ذہن ہے جن آیات میں ایک مفسر تطبیق اور توفیق

پیدا کرتا ہے اس کا محل بھی خود اس کا ذہن ہے اس کے ذہن میں تعارض آیا اور پھر اس کے ذہن میں تطبیق آ گئی. گویا تھوڑی دیر پہلے ذہن میں آیات کے بارے میں جو جہل کی تاریکی تھی اس کی جگہ علم کی روشنی نے لے لی. اور کلام الٰہی کے بارے میں ذہن بالکل صاف ہو گیا. جن حضرات کا علم وتقویٰ وسیع اور زیادہ ہو ان کو آیات میں تعارض محسوس نہیں ہوتا. مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض محسوس نہیں ہوتا. ہر نص اپنے محل اور محمل پر چسپاں نظر آتی ہے. بڑے بڑے مفسرین جو اپنی تفاسیر میں تطبیق بیان کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بعد والوں کے اذہان میں تعارض پیدا ہو اور ناقص علم کی وجہ سے تطبیق کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو مشکل میں پھنس جائیں گے اس لئے مفسرین امت نے یہ خدمت بدرجہ اتم کی ہے. ان کی تفاسیر دیکھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہے.

ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیت ولو كان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً كثیراً سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات میں کسی قسم کا تعارض نہیں. حالانکہ کافی آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے.

علامہ زمخشری نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اختلاف اور تعارض متدبرین (غور کرنے والوں کے نزدیک) نہیں بلکہ غیر متدبرین کے لئے ہے. اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن مجید میں تعارض عدم تدبر یا ناقص تدبر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے. صحیح تدبر والے قرآن مجید میں کسی قسم کا تعارض نہ پائیں گے. اور تطبیق کا راستہ بھی تدبر ہے.

تعارض کی حقیقت : قرآن مجید میں ظاہری تعارض ہے حقیقی تعارض نہیں. حقیقی تعارض کے لئے آٹھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے. اگر ان میں کوئی وحدت فوت ہو جائے تو تناقض نہیں ہوگا.

http://mujahid.xtgem.com

(۱) موضوع کا اتحاد. زید قائم وعمرو لیس بقائم یہاں موضوع کا اختلاف ہے لہذا کوئی تناقض نہیں.

(۲) محمول کا اتحاد. زید قائم وزید لیس بضاحک. کوئی تناقض نہیں. اس لئے کہ محمول مختلف فیہ ہے.

(۳) زمان کا اتحاد. زید نائم لیلا وزید لیس بنائم نہارا. کوئی تناقض نہیں اس لئے کہ زمان کا اختلاف ہے.

(۴) مکان کا اتحاد. زید جالس فی الدار وزید لیس بجالس فی السوق. تناقض اس لئے نہیں کہ مکان کا اختلاف ہے.

(۵) شرط کا اتحاد. کل حیوان انسان بشرط کونہ ناطقا وبعض الحیوان لیس بانسان بشرط کونہ لاناطقا. تناقض نہیں اس لئے کہ شرط مختلف ہے.

(۶) اضافت کا اتحاد. زید اب لعمرو وزید لیس باب. تناقض نہیں اس لئے کہ اضافت مختلف فیہ ہے.

(۷) قوت وفعل کا اتحاد. کل انسان کاتب بالقوۃ وبعض الانسان لیس بکاتب بالفعل. قوت وفعل میں اختلاف ہے لہذا تناقض نہیں.

(۸) جزو وکل کا اتحاد. بعض الزنجی اسود. وکل زنجی لیس باسود. زنجی کا بعض بدن اسود ہے اس لئے کہ دانت سفید ہیں. کل زنجی اسود اس لئے نہیں کہ دانت سفید ہیں. یہاں جزء وکل کا اختلاف ہے لہذا تناقض نہیں. کبھی تمیز کے اختلاف کی وجہ سے بھی تعارض دفع ہو جاتا ہے. مثلاً زید طیب نسبا. زید نسب کے لحاظ سے اچھا ہے وزید لیس بطیب خلقا. اور زید اخلاق کے لحاظ سے اچھا نہیں. دونوں کوئی تعارض نہیں.

تناقض کی حقیقت کو جاننے کے لئے یہ اشعار مفید ہیں.

در تناقض ہشت وحدت شرط دان. وحدت موضوع ومحمول ومکان.
وحدت شرط واضافت جزو کل   قوت وفعل است در اخر زمان.

تناقض کی مذکورہ حقیقت ہی کی روشنی میں مفسرین نے بظاہر متعارض آیات میں تطبیق اور توفیق پیدا کی ہے.

جن تفاسیر سے متعارض آیات کی تطبیق تلاش کی ھے.

ان کے نام یہ ھیں.

۱.الکشاف ۲.طبری ۳.القرطبی ۴.ابن کثیر ۵.روح المعانی ۶.روح البیان ۷.زاد المسیر ۸.بیضاوی ۹.جلالین ۱۰.الصاوی ۱۱.الجمل ۱۲.اضواء البیان ۱۳.تفسیر کبیر ۱۴.معانی القرآن ۱۵.خازن ۱۶.البحر المحیط ۱۷.ثعالبی ۱۸.غرائب القرآن ۱۹.الدر المنثور ۲۰.الدر الثمین ۲۱.ابی السعود ۲۲.مظہری ۲۳.معالم التنزیل ۲۴.بیان القرآن. اس کے علاوہ مسائل الرازی اور تاج القراء الکرمانی کی کتاب البرھان فی توجیہ متشابہ القرآن سے بھی استفادہ کیا گیا ہے. مذکورہ تفاسیر اور کتب سے عربی عبارت بمع حوالہ نقل کی ہے اور ساتھ عبارت کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے. کوشش کی گئی ہے کہ ایک متعارض مقام میں تطبیق کے لئے مختلف اقوال نقل کئے جائیں. جہاں متعدد اقوال نہیں ملے وہاں ایک ہی جواب پر اکتفاء کیا ہے. بعض مقامات پر بندہ نے اپنے ناقص علم کے مطابق تطبیق میں حقیر کوشش بھی کی ہے. بعض معتبر تفاسیر سے اپنی حقیر کاوش کی بعض مقامات میں تائید بھی مل گئی ہے جس کا ذکر کر دیا گیا ہے. فللہ الحمد.

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس طالبعلمانہ حقیر کاوش کو شرف قبولیت بخش کر دونوں جہاں کی بھلائیوں سے مالا مال فرماویں. آمین.

طالب دعا...... ذاکر حسن نعمانی.

http://mujahid.xtgem.com

تعارض نمبرا　　سورۃ البقرۃ

آیت 2

الم ذالك الكتاب ۔ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ ذالك سے اشارہ بعید کی طرف کیا جاتا ہے۔لیکن دیگر آیات میں قرآن کی طرف اشارہ ہذا کے ساتھ ہے۔جس کا مطلب ہے کہ قریب ہے۔

فرمان باری ہے۔ ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم ۔یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جوسب سے سیدھی ہے(بنی اسرائیل آیت ۹) ایک اور ارشاد ہے ان هذا القرآن يقص على بنى اسرائيل یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو(سورۃ النمل آیت ٧٦) قرآن مجید کو کبھی بعید اور کبھی قریب کہنا تناقض ہے۔

تطبیق: امام قرطبی فرماتے ہیں قيل المعنىٰ هذا لكتاب و ذالك قد تستعمل فى الاشارة الى حاضر وان كان موضوعا للاشارة الى غائب كما قال الله فى الاخبار عن نفسه جل و عز ذالك عالم الغيب والشهادة العزيز الرحيم ۔(قرطبی ج اص ١٥٧)۔

ذالك کیساتھ اگرچہ اشارہ غائب اور دور کی طرف ہوتا ہے لیکن کبھی اس کا استعمال حاضر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے خبر ذالك کیساتھ دی ہے حالانکہ وہ بعید اور غائب نہیں بلکہ ہر جگہ موجود ہے۔یہاں ذالك کا استعمال هذا کی جگہ ہوا ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی طرف اشارہ هذا اور ذالك دونوں کیساتھ صحیح ہے۔ذالك بعید کی طرف ہے ذالک سے قبل الم گزر چکا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

فرماتے ہیں۔وقعت الاشارة الى اسم بعد ماسبق التكلم به ۔کلام میں اس طرح ہوتا ہے يحدث الرجل بحديث ثم يقول و ذالك مما لا شك فيه آدمی ایک بات کرتا ہے پھر اس کی طرف اشارہ ذالك کے ساتھ کرتا ہے۔اس کے بعد قرآن مجید سے مثال دی ہے لا فارض ولا بكر عوان بين ذالك (البقرہ ٦٨) ذالك سے گزشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہے ان کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ جہاں ہذا ہے وہاں قریب مراد ہے۔جہاں ذالك ہے وہاں بعید مراد ہے۔ (الکشاف ج اص ٣٢) امام فراء فرماتے ہیں۔یہاں ذالك کی صحت کے لئے دو وجہیں ہیں اور ہذا کے لئے ایک وجہ یہ ہے ہذہ الحروف یا احمد ذالك الكتاب الذى وعدتك ان اوحيه اليك ۔ اے محمدؐ یہ حروف اسی کتاب کے ہیں جن کے نزول کا آپؐ کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔یہاں صرف ذالك آیگا۔کیونکہ بعید کی طرف اشارہ ہے دوسری وجہ جو بیان فرماتے ہیں اس میں ذالك اور هذا دونوں کے ساتھ اشارہ صحیح ہے۔پہلے ایک کلام گزر جائے تو اس کیطرف اشارہ کرنے کے لئے هذا اور ذالك دونوں لائے جاتے ہیں۔ الا ترى انك تقول قد قدم فلان فيقول السامع قد بلغنا ذالك و قد بلغنا هذالخبر. هذا اس لئے صحیح ہے کہ قد قرب من جوابه۔خبر سامع کے جواب کے قریب ہے۔ فصار كالحاضر الذى تشير اليه ۔گویا خبر جس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس کے سامنے حاضر ہے۔ ذالك کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ متکلم نے جو خبر دی گزر چکی اور گزری ہوئی چیز غائب ہوتی ہے اور غائب کی طرف بعد کی وجہ سے ذالك سے اشارہ کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں لا نقضائه والمنقضىٰ غائب۔اس تشریح کے بعد قرآن مجید سے دونوں کی صحت کی مثالیں دی ہیں۔واذكر عبادنا ابراهيم سے كل من الاخيار تک ذکر کے

http://mujahid.xtgem.com

بعد فرمایا۔ **هذا ذكر** ۔اسم اشارہ قریب لائے **ذالك** کی مثال **وجاء ت سكرة الموت بالحق . ذالك ماكنت منه تحيد** ۔گذشتہ آیت کے مضمون کی طرف **ذالك** سے اشارہ ہوا۔(معانی القرآن ج ا ص ۱۰)۔

امام رازی نے بڑی عمدہ اور نفیس بحث کی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے۔ہم مانتے ہیں کہ **ذالك الكتاب** میں مشارالیہ حاضر ہے۔لیکن یہ نہیں مانتے کہ **ذالك** سے اشارہ صرف بعید کے لئے ہوتا ہے۔اس لئے کہ **ذالك** اور **هذا** دونوں اسماء اشارات ہیں اور دونوں کی اصل "ذا" ہے۔ھا تنبیہ کے لئے ہے۔جب کوئی چیز سامنے موجود ہو تو اس کی طرف **هذا** کہہ کر مخاطب کو متنبہ کیا جاتا ہے۔کہ گویا تو اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔کبھی "ذا" کیساتھ خطاب کے لئے کاف اشارہ میں اور تاکید کے لئے لام ذکر کر دیتے ہیں تا کہ مخاطب کو خوب تنبیہ ہو کہ مشارالیہ آپ سے دور ہے ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں میں اصل وضع کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔قریب اور بعید کا فرق عرفاً آیا ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں۔ **واذا ثبت هذا فنقول انانحمله هذا على مقتضى الوضع اللغوى لا على المقتضى الوضع العرفى و حينئذ لا يفيد البعد** ۔(تفسیر کبیر ج 2 ص 13) یہاں ہم **ذالك** سے **وضع لغوی** مراد لیتے ہیں۔**وضع عرفی** مراد نہیں لیتے۔اور **وضع لغوی** میں قریب اور بعید کا کوئی فرق نہیں ہوتا لہذا **ذالك** میں بعید کا معنی نکالنا صحیح نہیں۔۱۲

جب وضع لغوی کے اعتبار سے قریب اور بعید کا فرق ختم ہو گیا تو تعارض بھی باقی نہ رہا۔

تعارض نمبر۲ — سورۃ البقرۃ

آیت 2

لاریب فيه جس میں کوئی شبہ نہیں۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کوئی شک نہیں سچی کتاب ہے۔لیکن **وان كنتم فى ريب مما نزلنا** اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی (بقرۃ 23) سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں کفار کا شبہ وانکار تھا۔لیکن **لاریب فيه** سے بالکل نفی کر دی ہے۔ایک مقام میں شک کی نفی ہے،دوسری جگہ شک کا اثبات ہے۔

تطبیق:۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن فرماتے ہیں۔کسی کلام میں اشتباہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔یا تو خود اس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو یا سننے والے کے فہم میں خلل ہو۔اول صورت میں محل ریب یہ کلام ہے اور دوسری صورت میں محل ریب حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے کلام بالکل حق ہے۔گو اس کو اپنی ناسمجھی سے وہ کلام محل ریب معلوم ہو سو اس آیت میں ریب کی صورت اول کی نفی فرمائی ہے۔تو اب یہ شبہ کہ کلام اللہ کے کلام الٰہی اور حق ہونے میں تو سب کفار کو ریب وانکار تھا پھر اس نفی کے کیا معنی بالکل جاتا رہا ہی صورت ثانی اس کو آگے چل کر فرما دیا گیا **وان كنتم فى ريب** ۔(تفسیر عثمانی ص3)۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔**وقال بعضهم هذا خبر و معناه النهى اى لا ترتابوا فيه**۔ بعض کہتے ہیں یہ خبر ہے اور نہی کے معنی میں ہے اس کا مطلب ہے کہ اس میں شک نہ کرو (تفسیر ابن کثیر ج ا ص 39) تعارض اس وقت بنتا تھا جب صرف خبر ہو اور نہی نہ ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ **لاریب فیه معناه انه لو ضوحه و سطوع برهانه بحیث لا یرتاب العاقل بعد النظر الصحیح فی کونه وحیا بالغا حدا الاعجاز لا ان احدا یرتاب فیه الا تری الی قوله وان کنتم فی ریب۔**

قرآن مجید اپنی وضاحت اور صاف براھین کیساتھ ایسا مزین ہے کہ کوئی عقل مند صحیح غور و فکر کے بعد اس کے وحی اور معجز ہونے میں انکار نہیں کرسکتا۔ ایک اور توجیہ بھی بیان کی ہے۔

لاریب فیه للمتقین - پرہیزگاروں کے لئے اس میں شک نہیں (بیضاوی ج ا ص 40) کفار اگر شک کریں تو فرق نہیں پڑتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں یہود کہا کرتے تھے کہ حضورؐ پر جو کچھ نازل ہوتا ہے وہ وحی کے مشابہ نہیں **وان کنتم فی ریب** میں کلمہ ان توبیخ کے لئے ہے تو کیسے شک کرتے ہو یہ علی سبیل الفرض ہے۔ کیونکہ ازالہ شک اس مقام میں موجود ہے (روح المعانی ج ا ص 192) قرآن فی نفسہ لاریب ہے۔ عقل سلیم کو استعمال میں لا کر قرائن و دلائل میں غور کیا جائے تو شک کافور ہو جائیگا لیکن کفار نے ایسا نہ کیا۔ تو ان کے شک کو کالعدم قرار دے کر شک کی بالکل نفی کردی۔ محاورہ میں بھی سچے کلام کو سچا قرار دیا جاتا ہے اور مخاطب کے شک کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **نجماً نجماً بحسب الوقائع و هذا موجب لریبهم قیاساً علی کلام الشعرا وقولهم لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة۔**

قرآن مجید حسب موقع تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کو تردد ہوا کہ یکدم کیوں نازل نہیں ہوا۔ (مظہری ج ا ص 27)۔

نزلنا تنزیل سے ہے تنزیل کا معنی آہستہ آہستہ یعنی تدریجی نزول ہے۔ اس لحاظ سے

مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید میں شک نہ تھا بلکہ اس کے تدریجی نزول کے بارے میں شبہ تھا۔ اسلئے **لاریب فیه** سے تعارض نہیں بنتا۔

احقر کے نزدیک **لاریب فیه** کی جو خبر دی ہے یہ دعویٰ ہے۔ کہ قرآن مجید شک و شبہ سے پاک کتاب ہے اور **وان کنتم فی ریب مما نزلنا**۔ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ کہ اس میں اثبات ریب نہیں۔ بلکہ دعویٰ کو مبرہن کرنے کے لئے **علی سبیل الفرض** کہا کہ اگر تمھارا شک ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورۃ بنالاؤ۔ لیکن اس سے تو ساری دنیا عاجز تھی اور اب بھی عاجز ہے۔ ان کے عجز کے بعد بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید واقعی لاریب کتاب ہے۔ لیکن ان کا انکار محض عناداً تھا۔ ورنہ ان کو اس پر ایمان لانا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے عجز کو چھپانے کے لئے قرآن مجید پر اعتراضات شروع کردیے کہ اگر اللہ کی کتاب ہوتی تو اس میں مچھر اور مکھی کی مثالیں نہ ہوتیں۔

لاریب کو اگر دعویٰ مان لیں اور **ان کنتم فی ریب** کو دلیل تو دونوں میں تعارض کا اشکال باقی نہیں رہتا۔ امام رازی فرماتے ہیں۔ **لا ریب فیه عندالله ورسوله والمومنین**۔ اس کتاب میں اللہ، رسول اور مومنین کے نزدیک ریب نہیں (مسائل الرازی واجوبتھا ص 3)۔

تعارض نمبر ۳ — سورۃ البقرۃ

آیت 6

ان الذین کفروا سواءٌ علیهم أ انذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون ۔ بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ

http://mujahid.xtgem.com

ایمان نہ لائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لئے ایمان معدوم ہے۔ لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے **ومن هؤلاء من يومن به** اوران لوگوں میں بعض ایسے ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (سورۃ العنکبوت آیت 47)۔

ایک اور ارشاد ہے **كذالك كنتم من قبل فمن الله عليكم**۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ایمان لائیں گے، تو ایمان لانا اور نہ لانے میں کھلا تناقض ہے۔

تطبیق :۔ بظاہر آیت میں عموم ہے لیکن اس میں تخصیص ہے۔ **ختم الله على قلوبهم** سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ مہر تمام کفار کے دلوں پر نہیں لگائی بلکہ صرف وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر کی حالت میں مرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔ علامہ شنقیطی فرماتے ہیں۔ **بان المعنى لايومنون مادام الطبع على قلوبهم واسماعهم والغشاوة على ابصارهم فان زال الله عنهم ذالك بفضله امنوا** (اضواء البیان ج10) جب تک ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگی ہو آنکھوں پر پردہ ہو تو ایمان نہ لائیں گے جب اللہ کے فضل سے ان اشیاء کا ازالہ ہو جائے تو پھر ایمان لے آئیں گے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں **هى عامة و معناها الخصوص فيمن حقت عليه كلمة العذاب سبق فى علم الله انه يموت على كفره** (قرطبی ج ا ص 184)۔

آیت عام ہے لیکن مراد وہ خاص لوگ ہیں جن کے بارے میں عذاب مقدر ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ ان کی موت کفر کی حالت میں واقع ہوگی۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں **يجوز ان يكون للعهد وان يراد بهم ناس باعيانهم كابى لهب وابى جهل والوليد بن المغيره و اضرابهم**۔ (الکشاف ج ا ص 48) جائز ہے کہ اس

سے خاص افراد مثل ابو جہل، ابی لہب اور ولید بن مغیرہ مراد لیئے جائیں۔ امام رازی فرماتے ہیں **لانزاع فى انه ليس المراد منها هذا الظاهر**۔ یعنی اس میں جھگڑا نہیں کہ آیت ظاہر پر محمول نہیں ہے فرماتے ہیں۔ **ان الله قد يتكلم بالعام ويكون مراده الخاص**۔ کبیر (ج2 ص 39) اللہ تعالیٰ کبھی عام کلام ذکر کر کے خاص مراد لیتے ہیں۔

تعارض نمبر۴ سورۃ البقرۃ

آیت 7

ختم الله على قلوبهم بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر جب ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگ گئی اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے تو کفر پر مجبور ہو گئے۔ لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کفر پر مجبور نہ تھے بلکہ ان کا کفر اختیاری تھا۔ ارشاد ہے **فاستحبو العمى على الهدى** سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا (سورۃ حم السجدۃ آیت 17) **ومن شاء فليكفر** اور جس کا جی چاہے کافر رہے (سورۃ الکہف آیت 29) **اوليك الذين اشترو الضلالة بالهدى** یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے (سورۃ البقرۃ آیت 16)۔

تطبیق :۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے حق و باطل کا خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جو انسان اللہ کی بتائی ہوئی ہدایات پر چلنا چھوڑ دے اور اپنی فطری استعداد ضائع کر دے تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر اس کے ہدایت کے قبول کرنے کے راستے مسدود کر دیتا ہے۔ ختم اللہ سے ان کفار کی کفر پر مجبوری معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنا عذاب بیان کیا ہے۔ کیونکہ مہر لگانا اللہ کا عذاب ہے اور اس عذاب کے نزول کی وجہ دیگر

http://mujahid.xtgem.com

مقامات پر بیان کی ہے **بل طبع الله علیها بکفرهم** بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے (سورۃ النساء آیت 155)۔

ذالك بانهم اٰمنو ثم کفروا فطبع علی قلوبهم یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی (المنافقون آیت 3) **فلما ازاغوا ازاغ الله قلوبهم** پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا (سورۃ الصف آیت 5) ختم اللہ میں صرف عقاب کا ذکر ہے اور اس کی وجہ مذکورہ آیات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداً ان پر مہر نہیں لگائی کہ ان کو مجبور سمجھا جائے۔ بلکہ کفار خود کہا کرتے تھے **وقالوا فی قلوبنا أکنة مما تدعونا الیه وفی اذاننا وقر** اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں (حم السجدۃ آیت 5) ابن کثیر فرماتے ہیں۔ **انما ختم علی قلوبهم وحال بینهم و بین الهدیٰ جزاً وفاقاً علی تمادیهم فی الباطل و ترکهم الحق** (ابن کثیر ج اص 81) اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی اور ان کو ہدایت نہ دی اسلئے کہ ان کو باطل میں گھسنے اور حق کو چھوڑنے کی پوری جزا دے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **ولان الامة مجمعة علی ان الله تعالیٰ قد وصف نفسه بالختم والطبع علی قلوب الکافرین مجازاة لکفرهم** (قرطبی ج اص 187) امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں پر ختم اور طبع کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی کہ یہ ان کے کفر کی جزا ہے۔ امام قرطبی نے ایک اور بڑی کام کی بات کہی ہے۔ **بین سبحانه فی هذه آلایته المانع لهم من الایمان بقوله ختم الله** ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار کے ایمان [illegible] نے کی وجہ بیان کی ہے۔ ایمان کیوں نہیں لاتے اسلئے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اور مہر کیوں لگی اس کی وجہ اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ختم اور طبع ابتداً بلا کسی وجہ کے ہوئی۔

تعارض نمبر ۵ — سورۃ البقرۃ

آیت 18

صم بکم عمی بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین نہ سنتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ بولنے کی طاقت رکھتے ہیں حالانکہ بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قوتیں ان میں موجود ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ولو شاء الله لذهب بسمعهم وابصارهم** ۔ اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں (البقرۃ 20) **وان یقولوا تسمع لقولهم** اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی بات سن لیں (سورۃ المنافقون آیت 4) **فاذا ذهب الخوف سلقوکم بالسنة حداد** پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے (الاحزاب 19) ان آیتوں میں ان قوتوں کا اثبات ہے اور پہلی آیت میں ان قوتوں کی نفی ہے۔ لہذا ایک دوسرے کی معارض ہوئیں۔

تطبیق :۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں **کانت حواسهم سلیمة ولکن لما سدوا عن الاصاغة الی الحق مسامعهم وابوا ان ینطقوا به السنتهم وان ینظروا ویتبصروا بعیونهم جعلوا کانما انتفت مشاعرهم وانتقضت بناها التی بنیت للاحساس و الادراك** (الکشاف ج اص 76) ان کے حواس صحیح تھے لیکن جب کانوں کو حق سننے سے بند کیا زبانوں نے اقرار حق سے انکار کیا اور آنکھوں

http://mujahid.xtgem.com

نے حق دیکھنا چھوڑ دیا۔ تو گویا احساس وادراک والے قویٰ کو توڑ کر ختم کر دیا۔ تینوں قوتیں بے کار اور شل ہو کر رہ گئیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ مطلب نہیں کہ ان کی یہ تینوں قوتیں سلب ہو گئی تھیں بلکہ ایک خاص جہت کی وجہ سے ان قوتوں کی نفی کی گئی ہے۔ **فلان اصم من الخنا**۔ فلاں برے کلام کے سننے سے بہرہ ہے۔ حالانکہ حقیقتاً بہرہ نہیں۔ قتادہ کا قول نقل کیا ہے۔ **صم عن استماع الحق بکم عن التکلم به عمی عن الابصار له**۔ (قرطبی ج ا ص 214, 215) حق سننے سے بہرے، حق پر تکلم سے گونگے اور حق کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔

تعارض نمبر ۶ — سورۃ البقرۃ

آیت 22

وانزل من السماء ماءً اور اتارا آسمان سے پانی۔ دیگر آیات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے لیکن بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے **وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً** اور اتارا نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی کا ریلا (آیت 14) لہٰذا ان آیات میں تعارض ہوا۔

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں **والمراد من السماء جهة العلو او السحاب**۔ آسمان سے اوپر کی جہت یا بادل مراد ہیں (ج ا ص 302) بادل اور آسمان دونوں ایک ہیں۔ بادل چونکہ بلندی پر ہوتے ہیں اس لئے سحاب پر سماء کا اطلاق صحیح ہے بارش حقیقت میں بادل سے ہوتی ہے چونکہ بادل بلندی پر ہوتے ہیں اسلئے کبھی بارش کی نسبت آسمان کی طرف مجازاً ہوتی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں **وعلی هذا یراد بالنزول نشؤه**

من اسباب سماویة وتاثیرات اثیریة فهی مبدأ مجازی له۔ بارش برسنے کے اسباب اور اثیری تاثیرات آسمان میں ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے آسمان بارش کے لئے مجازاً مبدا ہے۔ تفسیر خازن میں ہے **وانزل من السمآء** یعنی السحاب آسمان سے پانی نازل کیا یعنی بادل سے (ج ا ص 33) ایک جواب یہ بھی ہے کہ دونوں کی طرف نسبت صحیح ہے بارش آسمان سے ہوتی ہے بادل اس کے لئے چھلنی ہے۔ جس سے چھن کر پانی زمین پر گرتا ہے۔ اگر بادل کا واسطہ نہ ہوتا تو بارش کی موٹی دھاروں سے زمینی مخلوق کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ (صاوی)۔

تعارض نمبر ۷ — سورۃ البقرۃ

آیت 23

فأتوا بسورة من مثله لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کفار اور مشرکین کو قرآن کے مثل ایک سورت لانے کا چیلنج دیا ہے۔ لیکن سورۃ القصص سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب کا چیلنج دیا ہے۔ **قل فأتو ابکتاب من عند الله** سورۃ الاسراء سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مثل کا چیلنج ہے، **قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یا توا بمثل هذا القرآن** سورۃ ھود سے معلوم ہوتا ہے کہ دس سورتوں کا چیلنج ہے **قل فاتوا بعشر سور من مثله** (آیت 13)۔

تطبیق: ان مختلف قسموں کے چیلنجوں میں کوئی اختلاف اور تعارض نہیں۔ اسلئے کہ یہ اختلاف زمان اور مکان پر محمول ہے ابن کثیر کے مطابق یہ تمام آیات مکی ہیں۔ پھر ان کو مدینہ میں بھی چیلنج دیا گیا۔ اسی طرح یہ چیلنج کئی مرتبہ دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ **وقد**

http://mujahid.xtgem.com

تحداهم بهذا فی مكة والمدينة مرات عديدة یعنی ان کو یہ چیلنج مکہ اور مدینہ میں کئی مرتبہ دیا گیا ہے (ج ا ص 104) دوسرا جواب یہ ہے کہ اول پورے قرآن کا چیلنج دیا جب اس سے عاجز بن گئے تو پھر دس سورتیں بنانے کا چیلنج دیا جب اس سے بھی عاجز ہو گئے تو صرف ایک سورت بنانے کا چیلنج دیا لیکن بالآخر مکمل طور پر عاجز بن جانے کے بعد قرآن مجید پر اعتراضات شروع کر دیئے۔ کمزور مناظر، مناظرہ میں جب جواب دینے سے عاجز ہو جاتا ہے تو پھر اپنے خصم پر اعتراضات کی بوچھاڑ سے اپنی سبکی رفع کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

تعارض نمبر ۸ — سورۃ البقرۃ

آیت 29

هو الذی خلق لكم ما فی الارض جميعا ثم استوى الى السماء وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف **قل أ انكم لتكفرون بالذی خلق الارض**۔ آپ فرمایئے کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں **ثم استوى الى السماء**۔ پھر آسمان کی طرف قصد کیا (حم السجدۃ آیت 11) ثم تراخی فی الزمان کے لئے ہے۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اول زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو۔ لیکن سورۃ النزعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے پیدا کیا ہے۔ فرمایا **أ انتم اشد خلقا ام السماء بناها**۔ بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا اللہ نے اس کو بنایا۔ (آیت 27) پھر فرمایا **والارض**

بعد ذالك دحها۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (آیت 30) آسمان کی پیدائش کے بعد زمین کو بچھایا۔

تطبیق:۔ حکیم الامت مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔ اول زمین کا مادہ بنایا اور ہنوز اس کی ہیئت موجودہ نہ بنی تھی کہ اس حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو سورۃ دخان میں تھا۔ اس کے بعد زمین کی ہیئت موجودہ پھیلا دی گئی پھر اس پر پہاڑ درخت پیدا کئے گئے۔ پھر اس مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ (بیان القرآن ج ا ص 17) علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **لان جرم الارض تقدم خلقه خلق السماء و اما دحوها فمتأخر** (الکشاف ج ا ص 124) مادہ زمین تخلیق آسمان سے قبل ہوا اور زمین کا بچھانا بعد میں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **قال ابن عباس خلق الله الارض باقواتها من غير ان دحوها قبل السماء ثم استوى الى السماء فسواهن سبع سمٰوٰت ثم دحی الارض بعد ذالك**۔ (مظہری ج ا ص 45) ابن عباس فرماتے ہیں۔ اول زمین کو اپنی خوراکوں کے ساتھ بغیر بچھائے پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کر کے سات آسمان بنائے اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

ابن کثیر میں ہے۔ **بان الارض خلقت قبل السماء وان الارض دحيت بعد خلق السماء** (ابن کثیر ج ا ص 119)

تعارض نمبر ۹ — سورۃ البقرۃ

آیت 34

واذ قلنا للملائكة اسجدوا لادم اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ میں

http://mujahid.xtgem.com

گر جاؤ آدم کے سامنے۔ اس آیت میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم۔ حالانکہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا ناجائز ہے۔ ارشاد ہے **واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون** ۔ اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے۔ (سورۃ حم السجدۃ آیت ۳۷) معلوم ہوا سجدہ صرف اللہ کا حق ہے۔

تطبیق:۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی۔ سجدہ عبادت کسی شریعت میں اور کسی وقت جائز نہیں رہا ہے۔ جبکہ سجدہ تعظیمی گذشتہ بعض شریعتوں میں جائز تھا۔ جیسے ہم باہم ملاقات کے وقت علیک سلیک کرتے ہیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں **السجود للہ تعالیٰ علی سبیل العبادۃ ولغیرہ علی وجہ التکرمۃ کما سجدت الملائکۃ لادم وابو یوسف واخوتہ لہ** ۔ عبادت کا سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے اور غیر اللہ کے لئے صرف تعظیمی تھا۔ جیسے فرشتوں نے آدم کے سامنے اور یوسف علیہ السلام کے باپ اور اس کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے کیا۔ (الکشاف ج ا ص126) علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **والمسجود لہ فی الحقیقۃ ھو اللہ تعالیٰ و آدم اما قبلۃ أو سبب**۔ مسجود لہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے۔ آدم علیہ السلام مسجود الیہ تھے جیسے قبلہ (روح المعانی ج ا ص228) اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسجود لہ ہے جن کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے ایک مسجود الیہ ہے جس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ جیسے قبلہ ہمارا مسجود الیہ اور اللہ مسجود لہ ہے۔ ہمارا منہ صرف قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت میں سجدہ اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ اس موضوع پر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب "قبلہ نما" قابل دید و قابل داد ہے امام رازی فرماتے ہیں۔ **اجمع المسلمون علی ان ذالک السجود لیس عبادۃ لان سجود العبادۃ لغیر اللہ کفر**

واللہ لا یحکم بالکفر۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ عبادت کے سجدے نہ تھے۔ کیونکہ غیر اللہ کا سجدہ عبادت کے طور پر کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتے۔ فرماتے ہیں۔ **ان ذالک السجود کان للہ و آدم علیہ السلام کان کالقبلۃ**۔ فرشتوں کے یہ سجدے اللہ کے لئے تھے اور آدم علیہ السلام بمنزلہ قبلہ کے تھے۔ ایک اور قول نقل کرتے ہیں۔ **ان السجدۃ کانت لادم علیہ السلام تعظیماً لہ وتحیۃ لہ کالسلام منھم علیہ وقد کانت الامم السالفۃ تفعل ذالک کما یحی المسلمون بعضھم بعضاً بالسلام** ۔ فرشتوں کا آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بطور تعظیم تھا۔ جس طرح فرشتے آدم علیہ السلام کو سلام کیا کرتے تھے۔ گذشتہ امتوں میں سجدہ تعظیمی کا رواج تھا۔ جیسے مسلمان ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج 2 ص 212)۔

تعارض نمبر ۱۰ سورۃ البقرۃ

آیت 46

الذین یظنون انھم ملقوا ربھم جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ظن امور آخرت میں مفید ہے۔ لیکن بعض آیات میں صاف مذکور ہے کہ ظن مفید نہیں ارشاد ہے۔ **ان الظن لا یغنی من الحق شیأ** ۔ اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی (سورۃ یونس آیت 36) ظن کے مفید ہونے اور مفید نہ ہونے میں تعارض ہے۔

تطبیق:۔ سب سے اول تو یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قرآن مجید محاورہ عرب

http://mujahid.xtgem.com

کے مطابق نازل ہوا ہے کہ کون سا لفظ کن کن معنوں میں کہاں کہاں اور کب استعمال ہوتا ہے بعد کے ماہرین علوم وفنون نے علوم کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے کچھ اصطلاحات وضع کیں ہیں۔ ان اصطلاحات کی روشنی میں اگر قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کی گئی تو یہ تحقیق نہیں بلکہ ایک تحریفی کاوش ہوگی۔ ظن کا اصل معنی رجحان احد الطرفین ہے یعنی جانب راجح۔ اب اگر اسی ایک معنی کو لیکر قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ظن آیا ہے اس کی تشریح وتفسیر بیان کرنا شروع کردیں تو مشکل اور الجھن میں پڑ جائیں گے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں

الظن اسم لما یحصل عن امارة ومتی قویت أدت الی العلم ومتی ضعفت جداً لم یتجاوز حد التوهم (مفردات الفاظ القرآن ص317) خاص نشانیوں سے جو چیز معلوم ہو اس کو ظن کہتے ہیں۔ ان نشانیوں میں جب قوت آجائے تو یقین کا معنی بن جاتا ہے۔ جب یہ نشانیاں انتہائی کمزور ہوں تو ظن توہم کے معنی سے تجاوز نہیں کرتا۔ اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ظن کے تین معنی ہوئے (۱) جانب راجح (۲) یقین (۳) توھم (اٹکل) اس کے بعد امام راغب نے یہ بتایا ہے کہ کون سا معنی کب اور کہاں مراد لیا جائے۔ اب بات آسان ہوگئی۔ **الذین یظنون انهم ملقوا** میں ظن بمعنی یقین ہے۔ اور ان الظن لایغنی میں ظن بمعنی توھم اور اٹکل ہے۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔ **سمین الحلبی** فرماتے ہیں **ان الظن ھھنا** بمعنی الیقین یہاں ظن بمعنی یقین ہے۔ آگے لکھتے ہیں **فاستعمل الظن استعمال الیقین مجازاً** ۔ ظن یقین کے معنی میں مجازاً استعمال ہوا (الدر المصون ج اص 332) ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **والظن ھھنا فی قول الجمهور بمعنی الیقین و منه قوله تعالیٰ انی ظننت انی ملاقٍ حسابیه** ۔ میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب (سورۃ الحاقۃ آیت

20) (زاد المسیر ج اص 76) علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **فی مصحف عبدالله یعلمون** عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں **یظنون** کی جگہ یعلمون ہے۔ پھر فرماتے ہیں **ولذلك فسر یظنون بیتیقنون** (الکشاف ج اص 134) اسی لئے مفسرین یظنون کی تفسیر کبھی یقین کے ساتھ کرتے ہیں۔

تعارض نمبر ۱۱ — سورۃ البقرۃ

آیت 47

وانی فضلتکم علی العلمین اور اس کو کہ میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی تھی۔ اس آیت سے بنی اسرائیل کی تمام دنیا کے انسانوں پر افضلیت معلوم ہوتی ہے لیکن امت محمدیہ تمام بنی آدم میں افضل ہے۔ اور بہترین امت ہے اس امت کی فضیلت اس آیت میں ہے۔ **کنتم خیر امة اخرجت للناس** تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے (سورۃ آل عمران آیت 110) دونوں آیتوں میں تعارض ہوا۔

تطبیق:۔ امت محمدیہ بنی آدم میں افضل ہے۔ بنی اسرائیل کی فضیلت تمام جہان والوں پر ان کے زمانہ میں تھی۔ ان کے زمانہ میں جتنے بنی آدم بستے تھے ان سب میں افضل بنی اسرائیل تھے۔ تمام مفسرین نے یہی لکھا ہے۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں ای عالمی زمانهم۔ (بیضاوی ص53) ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **یعنی علی عالمی زمانهم قال ابن عباس وابو العالیه و مجاهد وابن زید، قال ابن قتیبه وهو من العام الذی ارید به الخاص** ۔ یہ عام ہے جس سے خاص ارادہ کیا گیا ہے (زاد المسیر ج

http://mujahid.xtgem.com

ص76) ذکر تو تمام جہان والوں کا ہے لیکن مراد صرف ان کے زمانہ کے لوگ ہیں۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **علی العالمین علی الجم الغفیر من الناس** ۔ عالمین سے مراد لوگوں کی کثرت ہے۔ یعنی بہت سے لوگوں میں افضل ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت محمدیہ سے بھی افضل ہیں۔ محاورہ نقل کرتے ہیں۔ **رائیت عالما من الناس، یراد الکثرة** جب ایک آدمی کہے میں نے لوگوں میں سے ایک عالم دیکھا اس کا یہی مطلب ہے کہ بہت سے لوگ دیکھے۔ زمخشری نے جو معنی بیان کیا ہے کہ عالمین سے مراد بہت لوگ ہیں۔ اس کی تائید میں ایک آیت پیش کی ہے **ونجینه ولوطا الی الارض التی بارکنا فیها للعلمین**۔ اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا جہاں والوں کے واسطے برکت رکھی ہے۔ (سورۃ الانبیاء آیت) اس میں بھی عالمین سے مراد بہت سے لوگ ہیں ورنہ ظاہر بات ہے کہ تمام دنیا والوں کے لئے وہ سرزمین کیسے برکت والی ہو سکتی ہے۔

تعارض نمبر ۱۲ — سورۃ البقرۃ

آیت 49

واذ نجینٰکم من اٰل فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناء کم ویستحیون نساء کم۔ اور جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری سخت آزاری میں گلے کاٹتے تھے تمہاری اولاد ذکور کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو۔

اس آیت میں بیٹیوں کے ذبح کرنے اور بیٹیوں کو یوں ہی چھوڑ دینے کو عذاب کہا۔ حالانکہ

بیٹیاں عطا کرنا یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اللہ کی طرف سے ہبہ اور عطیہ ہے فرعون نے بیٹیوں کو ذبح نہیں کیا جب بیٹیوں سے کچھ تعرض نہ کیا تو اس کو عذاب کیسے کہا گیا۔ ارشاد باری ہے **یھب لمن یشاء اناثا** جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے (سورۃ الشوریٰ آیت 49)

تطبیق:۔ اس آیت میں بیٹیوں کو نسا، کہا گیا۔ یہ مآل کے اعتبار سے ہے کیونکہ بچی بعد میں زندہ رہنے کے بعد عورت بن جاتی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے **وعبر عنهم باسم النساء بالمال** (قرطبی ج ا ص385) بے شک بیٹیاں اللہ کا عطیہ ہیں۔ لیکن فرعون کا ان سے تعرض نہ کرنا اس لئے نہ تھا کہ یہ عطیہ خداوندی ہیں بلکہ ان کو یوں ہی چھوڑنا ان کی تذلیل کے لئے تھا کہ بڑی ہونے کے بعد ان سے خدمت لی جائے گی۔ اسلئے یہ ایک قسم کا عذاب ہوا۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **انما استبقوا نساهم للاستذلال والخدمة** (زادالمسیر ج ا ص78)۔

جلالین کے حاشیہ میں ہے۔ **وقیل الاستحیا للاسترقاق** ۔ ان کو لونڈیاں بنانے کے لئے چھوڑ دیتا تھا۔ یہ بھی عذاب ہے استحیاء کا استرقاق معنی لینا لغت عرب وعجم میں نہیں **هکذا قال ابن جریر طبری**۔ (ص9) علامہ آلوسی نے ایک قول نقل کیا ہے **قیل یفتشون فی حیا ئھن ینظرون هل بهن حمل و الحیاء الفرج لا نه یستحی من کشفه** (روح المعانی ج ا ص254) ان کا حمل معلوم کرنے کے لئے شرمگاہوں کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ حیاء فرج کو کہتے ہیں۔ کیونکہ آدمی اپنی شرمگاہ کھولنے سے شرماتا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض نمبر ۱۳ سورۃ البقرۃ

آیت 57

وانزلنا علیکم المن والسلوٰی اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں۔
اس آیت میں دو قسم کے طعاموں کا ذکر ہے۔ لیکن بعد کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قسم کا طعام تھا۔ ارشاد باری ہے **لن نصبر علی طعام واحد** ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر بھی نہ رہیں گے۔ جلالین میں ہے کہ طعام واحد سے مراد من وسلوٰی ہے (سورۃ بقرہ آیت 61)

تطبیق:۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **یراد بالوحدة نفی التبدل والاختلاف** جب کسی دستر خوان پر مختلف قسم کے کھانے ہوں اور ان مختلف اقسام پر دوام ہو۔ ان میں تبدیلی وغیرہ نہ آتی ہو تو ان کی اقسام سے تعبیر طعام واحد کیساتھ کی جاتی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے **ویجوزان یریدوا انهاضرب واحد لانها معاً من طعام اهل التلذذ والتترف ونحن قوم فلا حة** (الکشاف ج ا ص 145) یہ ایک قسم کا کھانا تو مالدار لوگوں کا ہے ہم تو زمیندار قسم کے لوگ ہیں ہمیں یہ ایک خوراک نہیں چاہیئے۔
احقر کے ذہن میں ایک توجیہ یہ ہے کہ من یعنی ترنجبین میٹھی اور شیرین چیز ہے جو بارش کی طرح آسمان سے برستی تھی یا تو اس کو پینے کے طور پر استعمال کرتے تھے جیسے ہمارے ہاں خوراک کے بعد کوک اور سیون اپ استعمال کرتے ہیں یا ترنجبین کو بطور میٹھے ڈش کے خوراک کے ساتھ استعمال کرتے تھے جیسے ہمارے کھانوں میں زردہ ہوتا ہے یا آخر میں فرنی وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ میٹھی ڈش اور جوس کو عرفاً کھانے کے تابع سمجھا جاتا ہے۔

اس کو مستقل طعام نہیں سمجھا جاتا شاید اس لئے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی کو ایک طعام کہا۔ سلوٰی اصل اور مستقل خوراک تھی اور من اس کے تابع روح المعانی میں اس توجیہ کی تائید کی **الحمد لله علی ذالك** ۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں **لان المن کان شرابا أو شیأ یتحلون به فلم یعدوه طعام آخر** من یا تو پینے کے لئے تھا۔ یا کوئی میٹھی چیز جس کو الگ طعام نہ سمجھا ایک توجیہ یہ بھی کی ہے **وعن وهب انه الخبز الرقاق**۔ وھب سے منقول ہے کہ من سے مراد چپاتی ہے اس توجیہ کی بنا پر بٹیر سالن ھوا اور من روٹی تو دونوں ایک کھانا بن گئے فرماتے ہیں **وقیل المراد به جمیع مامن الله تعالی به علیهم فی التیه وجاء هم عفواً بلا تعب** ۔ من سے مراد ہر وہ احسان ہے جو اللہ نے ان پر وادی تیہ میں کیا۔ اور ان کے پاس بلا مشقت مفت آتا تھا ایک اور توجیہ بھی کی ہے۔ **وقیل انهم یطبخو نها معاً فیصیر طعاماً واحد ا**۔ من اور سلوٰی دونوں کو ایک ساتھ پکاتے تھے۔ اسی طرح ایک خوراک بن جاتی (روح المعانی ج ا ص 263) امام رازی فرماتے ہیں۔ **فان قیل کیف قال (لن نصبر علی طعام واحد) وطعامهم کان المن والسلوٰی وهما طعامان.**
قلنا المراد أنه دائم غیر متبدل وان کان نوعین ۔ اگرچہ کھانے کی دو چیزیں تھیں لیکن ان پر دوام کی وجہ سے ایک کھانے کا اطلاق کیا (مسائل الرازی واجوبتها ص 5)

تعارض نمبر ۱۴ سورۃ البقرۃ

آیت 56

ثم بعثنکم من بعد موتکم ۔ پھر ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مرنے کے بعد

http://mujahid.xtgem.com

فقال لهم الله موتوا ثم احیاهم سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا مر جاؤ پھر ان کو جلا دیا۔ (آیت 243) ان آیات سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی انسان زندہ ہو سکتا ہے۔ جن آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ وقوع قیامت سے قبل مردہ زندہ نہ ہوگا اس کے منافی ہے۔ ان آیات سے بھی تعارض ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں موت ایک مرتبہ آئے گی۔ ارشاد ہے۔ لایذوقون فیها الموت الا الموتة الاولیٰ۔ اور وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ نہ چکھیں گے (سورۃ الدخان آیت 56) ایک مرتبہ آئے گی لیکن پہلی دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ان کو دنیا میں دو دو مرتبہ موت آئی۔ کیونکہ ایک مرتبہ مارنے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا پھر طبعی موت مرے۔

تطبیق :۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ یہ حیات ثانیہ ان آیات کے منافی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیا میں آنا نہیں ہوتا کیونکہ ان آیات میں نفی عادت مقصود ہے اور یہ حیات بطور خرق عادت کے احیاناً ہوئی ہے لہذا کوئی تعارض نہیں۔ (بیان القرآن ص 145) ان کی موت عذاب کی تھی اجل والی نہ تھی۔ اگر اجل والی ہوتی تو اللہ ان کو دوبارہ زندہ نہ کرتے ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ ان موتهم بالعقوبة لم یفن اعمارهم ان کی موت نے ان کی عمروں کو ختم نہیں کیا تھا۔ وکان احیائهم آية من آيات نبيهم و آیات الانبیاء نوادر لایقاس علیها۔ ان کا زندہ ہونا ان کے نبی کا معجزہ تھا۔ جو نوادرات سے ہوتا ہے۔ اس پر قانون کا قیاس صحیح نہیں (زاد المسیر ج ۱ ص 289) علامہ آلوسی فرماتے ہیں لان ذالك لم يكن عن استيفاء الآجال كما قال مجاهد وانما هو موت العقوبته فكانه ليس يموت یہ اجل والی موت نہ تھی ایک عذاب تھا جو موت کی شکل میں آیا۔ اسلئے گویا وہ مرے ہی نہیں تھے۔ ایضا هو

من خوارق العادات فلا يرد نقضا ان کا زندہ ہونا امر خارق ہے لہذا کوئی تعارض نہیں (روح المعانی ج 2 ص 161)۔

تعارض نمبر ۱۵ سورۃ البقرۃ

آیت 60

فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا پس فوراً اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے فانبجست منه اثنتا عشرة عينا پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (سورۃ الاعراف آیت 160) انفجار میں تیزی اور زیادتی ہوتی ہے انجاس میں کمی اور آہستگی ہوتی ہے دونوں میں منافاۃ ہے۔

تطبیق :۔ امام راغب فرماتے ہیں۔ لكن الانبجاس اكثر ما يقال فيما يخرج من شيى ضيق والانفجار يستعمل فيه و فيما يخرج من شی واسع و لذلك قال عزو جل فانبجست منه اثنتا عشرة عينا وقال فی موضع آخر فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا۔ انجاس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی شی تنگ مخرج سے نکلے انفجار بھی کبھی انجاس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ انفجار اس کو کہتے ہیں جب وسیع مخرج سے نکلے قرآن مجید میں انفجار اور انجاس ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ (مفردات القرآن ص 37) علامہ زمخشری فرماتے ہیں فانبجست فانفجرت والمعنیٰ واحد دونوں کا ایک معنی ہے (الکشاف ج 2 ص 169) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ قال اکثر المفسرین انفجرت وانبجست بمعنیٰ واحد۔ اکثر مفسرین کے نزدیک دونوں کا معنی ایک ہے۔ (مظہری

http://mujahid.xtgem.com

ج اص 75) امام قرطبی فرماتے ہیں۔ والابنجاس اضیق من الانفجار لانہ یکون ابنجاساً ثم یصیر انفجاراً۔ ابتدا میں انبجاس تھا پھر انفجار بن گیا (قرطبی ج اص 419) ابتداء میں چشمے سے نکلتے ہوئے پانی کم تھا پھر زیادہ ہو گیا علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ وعلی فرض المغائرۃ لا تعارض لاختلاف الاحوال اگر انفجار اور انبجاس کے معنی میں فرق مان لیں تو پھر بھی تعارض نہیں کیونکہ مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔ (روح المعانی ج اص 271) یعنی بعض حالت میں پانی کم اور بعض میں زیادہ تھا۔ جس کی وجہ سے پانی میں تیزی اور آہستگی پیدا ہوتی تھی۔

تعارض نمبر۱۶ سورۃ البقرۃ

آیت 87

ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون سو بعضوں کو تو تم نے جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ قل فلم تقتلون انبیاء اللہ پھر کیوں تم قتل کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو (سورۃ البقرۃ آیت 91) ان آیات اور اس طرح دیگر آیات میں انبیاء کرام کے قتل، ایذاؤں اور تکالیف کا ذکر ہے۔ جن سے انبیاء کرام کی مغلوبیت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعض آیات میں بالکل تصریح ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ انبیاء کرام کی مدد کریں گے اور یہ مقدس طبقہ ہمیشہ دنیا و آخرت میں غالب رہے گا۔ ارشادی باری ہے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (سورۃ المجادلۃ آیت 21) ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے سے مقرر

ہو چکا ہے کہ بے شک وہی غالب کئے جائیں گے۔ (سورۃ الصفت آیت 172) انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیٰوۃ الدنیا اور ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں (سورۃ المؤمن آیت 51)

تطبیق:۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ اس کا یہ مقدس گروہ اور ان کے متبعین ہمیشہ دنیا و آخرت میں غالب رہیں گے۔ غلبہ کبھی حجت اور دلیل کے لحاظ سے ہوتا ہے اس لحاظ سے تو انبیاء کرام ہمیشہ غالب رہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ حجت بازی کرنا اور غالب آنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ان کیساتھ اللہ کی تائید و نصرت ہوتی ارشاد باری ہے۔ قل فللہ الحجۃ البالغۃ تو کہہ دے بس اللہ کا الزام پورا ہے۔

غلبہ کی دوسری قسم مادی طاقت ہے انبیاء کرام مادی طاقت کے لحاظ سے بھی کبھی غالب ہوتے ہیں۔ اس کو غلبہ بالسیف کہتے ہیں۔ کبھی دنیا میں یہ مقدس گروہ اس مادی طاقت کے لحاظ سے بظاہر مغلوب نظر آتا ہے۔ لیکن انجام کار کامیاب یہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ۔ ان کے مخالفین کو اس دنیا میں طرح طرح کے عذاب سے ہلاک کر کے انتقام لے لیتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مقدس گروہ غالب ہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ لاغلبن انا ورسلی بالحجۃ والسیف او باحدھما (الکشاف ج4 ص496) غلبہ حجت اور تلوار کے لحاظ سے ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ انا لننصر رسلنا میں علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔ یغلبھم فی الدارین جمیعاً بالحجۃ والظفر علی مخالفیھم وان غلبوا فی الدنیا فی بعض الاحایین امتحاناً من اللہ فالعاقبۃ لھم۔ (الکشاف ج4 ص172) مخالفین کے مقابلہ میں ان کو دونوں جہاں میں غالب کریں گے۔ اگرچہ دنیا میں بعض اوقات امتحاناً مغلوب

http://mujahid.xtgem.com

ہو جائیں لیکن انجام کے لحاظ سے پھر بھی یہ مقدس گروہ غالب ہوگا۔ انهم لهم المنصورون کی تفسیر میں فرماتے ہیں ولا یلزم انهزامهم فی بعض المشاهد وماجری علیهم من القتل فان الغلبة کانت لهم ولمن بعدهم فی العاقبة (الکشاف ج 4 ص 67) اس مقدس گروہ کے بعض جنگوں میں قتل ہونے یا شکست کھانے سے یہ کہنا درست نہیں کہ مغلوب ہوئے۔ کیونکہ انجام کار غالب یہ گروہ رہا ہے۔

امام قرطبی انا لننصر رسلنا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ماقتل قوم نبیاً او قوماً من دعاة الحق من المؤمنین الا بعث الله عزوجل من ینتقم لهم فصاروا منصورین فیها وان قتلوا (قرطبی ج 15 ص 322) کسی قوم نے جب بھی کسی نبی کو یا کسی مسلمان مبلغ کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لینے کے لئے ضرور بندوبست کیا۔ جس کی وجہ سے یہ مقدس گروہ کامیاب و منصور رہا اگرچہ خود بھی قتل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، قوم صالح اور قوم لوط کو طرح طرح کے عذاب سے ہلاک کیا۔

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں۔ رسولوں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وہ قسم ہے جن کو قتال کا حکم تھا ان کے ساتھ نصرت کا وعدہ تھا اور ان کی مدد کی۔ ایک وہ قسم ہے جن کو قتال سے روکا گیا تھا اور صبر کا حکم دیا تھا۔ یہ قتل ہوئے تاکہ مزید بلند درجات حاصل کرسکیں۔ (اضواء البیان ج 10 ص 24)۔

تعارض نمبر ۱۷ سورۃ البقرۃ

آیت 102

ولقد علموا لمن اشتراه ما له فی الآخرة من خلاق ط ولبئس ما

شروا به انفسهم ط لو کانوا یعلمون ۔ اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک بری ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں کاش ان کو عقل ہوتی۔

آیت کے اول اور آخر میں منافاۃ ہے کیونکہ شروع میں ہے کہ جانتے ہیں اثبات علم ہے اور آیت کے آخر میں ہے کہ کاش وہ جانتے یعنی نہیں جانتے علم کی نفی ہے۔ نفی اور اثبات میں کھلا تعارض ہے۔

تطبیق :۔ حاشیۃ الصاوی جلالین میں ہے۔ لو کانوا یعلمون لا منافاة بینه و بین قوله ولقد علموا لانهم علموا انهم لیس لهم نصیب فی الآخرة ولکن لم یعلموا انهم لایفتلون من العذاب الدائم۔ (ج ا ص 50) کوئی منافاۃ نہیں۔ یہ تو جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ آخرت کے دائمی عذاب سے جان نہیں چھوٹے گی۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ لو کانو یعلمون ان ثواب الله خیر مماهم فیه وقد علموا لکنه جهلهم لترک العمل بالعلم۔ کاش وہ یہ جانتے کہ ان کے لئے اللہ کا ثواب بہتر ہے اور وہ اس بات کو جانتے تھے۔ لیکن اس ثواب کی کمائی کیلئے عمل نہیں کرتے تھے تو ترک عمل کی وجہ سے ان کی طرف جہل کی نسبت کی گئی (الکشاف ج ا ص 86)

غیر عامل پر جاہل کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ حاشیہ بیضاوی میں ہے۔ والمراد بالعلم الاول العلم الاجمالی بثبوت عذاب من غیر تعین والمنفی العلم بنصوص العذاب ۔ جو علم ان کے لئے ثابت ہے وہ اجمالی طور پر عذاب کے ثبوت کے بارے میں ہے لیکن اس کی تعیین نہیں اور منفی علم سے مراد ان کا عذاب والی نصوص سے بے خبر

http://mujahid.xtgem.com

ہوتا ہے۔ (ج اص 71)

الشیخ محمد مخلوف فرماتے ہیں۔ لو کانوا یعلمون علماً ینفع کاش ان کو علم نافع کا علم ہوتا۔ (تفسیر الثعالبی ج اص 94) جو علم تھا وہ نافع نہ تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ لکنهم علموا شیأً وجهلوا شیأ آخر علموا انهم لیس لهم فی الآخرة خلاق و لکنهم جهلوا مقدار مافاتهم من منافع الآخرة وما حصل لهم من مضارها وعقو باتها ۔ منفی ایک علم ہے اور مثبت دوسرا علم ہے۔ مثبت علم یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور منفی علم یہ ہے ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آخرت کا کتنا نفع کھویا اور کتنا نقصان اور عذاب پایا۔ (تفسیر کبیر ج 3 ص 222)۔

تعارض نمبر ۱۸ سورۃ البقرۃ

آیت 114

ومن اظلم ممن منع مسجد الله اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مساجد میں ومن اظلم ممن کتم شهادةً اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہوچکی اس کو اللہ کی طرف سے (سورۃ البقرۃ آیت 140) ومن اظلم ممن افتریٰ علی الله کذبا سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے (سورہ ھود آیت 18) ومن اظلم ممن ذکر بآیات ربه فاعرض عنها اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے (سورۃ الکھف آیت 57) فمن اظلم ممن کذب بآیات الله ۔ سو اس

شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاوے (سورۃ الانعام آیت 158)۔

ان آیات کا آپس میں اس طرح تعارض ہے کہ پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے روکتا ہے۔ دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ بڑا ظالم وہ ہے جو ایسی گواہی چھپائے جو اللہ کی طرف سے ثابت ہوچکی ہے بقیہ آیتوں کو اس پر قیاس کرو۔ اس طرح ان آیات کا تعارض اس آیت سے بھی ہے۔ ان الشرك لظلم عظیم بے شک شریک بنانا بھاری بے انصافی ہے۔ (سورۃ لقمٰن آیت 13)

تطبیق :۔ ان آیات میں ظلم کی مختلف انواع کا ذکر ہے۔ ایک نوع ظلم کی رکاوٹ ہے۔ دوسروں کے دیندار بننے میں رکاوٹ بننا۔ دوسری نوع گواہی چھپانا۔ تیسری نوع دین سے اعراض اور منہ پھیرنا۔ چوتھی نوع افتریٰ کی ہے۔ پانچویں نوع تکذیب ہے۔ دین میں رکاوٹ بننے والے سب ظالم ہیں لیکن مساجد سے روکنے والا سب سے بڑا ظالم ہے۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر انسان صرف اللہ تعالیٰ کیساتھ رابطہ کے لئے جاتا ہے۔ اللہ اور بندہ کے مابین رکاوٹ بننے والا یقیناً بڑا ظالم ہے۔ دوسری نوع ظلم کی گواہی چھپانا ہے گواہی چھپانا ظلم ہے لیکن ایسی گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے نزدیک ثابت ہو پھر بھی اس کو چھپائے بڑا ظلم ہے۔ مثلاً اھل کتاب کے علماء کے نزدیک اللہ کی طرف سے حضور کی نبوت ثابت تھی۔ اور وہ اس کو جانتے بھی تھے پھر بھی آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دیتے تھے۔ تیسری نوع ظلم کی اعراض ہے اچھی اور نیک باتوں سے منہ موڑنا ظلم ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ جیسے کریم رحیم اور رؤف کی طرف سے نصیحت کی جائے اور پھر بھی اعراض کرتا ہے بڑا ظالم ہے۔ بمقابلہ اس شخص کے جو کسی عام داعی کی نصیحت سے اعراض کرتا ہے۔ چوتھی نوع

http://mujahid.xtgem.com

افترئی کی ہے کسی پر جھوٹ باندھنا۔ عام لوگوں پر افترئی پھر علماء پر افترئی، صحابہ کرام پر افترئی، انبیاء کرام پر افترئی اور اللہ تعالیٰ پر افترئی۔ یہ سب افترئی کی قسمیں ہیں۔ موٹی عقل والا بھی جانتا ہے کہ کسی عالم پر افترئی سے لوگ کتنے ڈرتے ہیں اور پھر نبیؐ پر افترئی سے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر افترئی اللہ کی پاک ذات پر ہے مفترئی علی اللہ یقیناً بڑا ظالم ہے۔ پانچویں نوع تکذیب ہے کسی کو یہ کہنا کہ تو جھوٹ بولتا ہے سب سے بڑی تکذیب اللہ کی آیات کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات وحی ہیں اور کائنات میں وحی سے سچی اور یقینی شے کوئی بھی نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ حاشیہ الصاوی علی الجلالین میں ہے۔ **واجیب بان ھولاء الموجودین فی الآیات ظلمھم زائد عن غیر ھم** ۔(ج ا ص 53) ان آیات میں جن کو بڑا ظالم کہا ہے یہ بمقابلہ ان گناہ گاروں کے ہے جو ان کے علاوہ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے ظلم میں زیادہ ہیں۔ بلکہ یہ سب مساوی درجہ کے ظالم ہیں علامہ آلوسی نے بھی یہی جواب ایک مثال بیان کر کے دیا ہے فرماتے ہیں۔ **فالا ولیٰ ان یجاب بان ذالک لا یدل علی نفی التسویۃ فی الاظلمیۃ وقصادیٰ ما یفھم من الآیات اظلمیۃ اولئک المذکورین فیھا ممن عداھم کما انک اذا قلت لا احدا فقہ من زید، عمرو، و خالد** ۔ یعنی ان آیات میں مذکورہ آدمیوں کی آپس میں اظلمیت کی نفی نہیں۔ بلکہ یہ مذکورین دیگر گناگاروں سے بڑے ظالم ہیں۔ جب تو کہے کہ زید، عمرو اور خالد سے کوئی بڑا فقیہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آپس میں ایک دوسرے سے بڑے فقیہ ہیں۔ بلکہ زید، عمرو اور خالد بقیہ تمام لوگوں سے فقہ میں بڑھ کر ہیں۔

علامہ آلوسی نے ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ فرماتے ہیں **وان جعلت ذالک الکلام**

مخرجاً مخرج المبالغة فی التهدید والزجر مع قطع النظر عن نفی المساواة او الزیادة فی نفس الامر کما قیل به محکماالعرف ۔ عرفاً اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ ان مذکورین کی تہدید اور زجر ہے قطع نظر اس سے کہ ان میں بڑا ظالم کون ہے اور چھوٹا کون ہے۔ (روح المعانی ج ا ص 363)۔ ان سب آیات کا ان الشرک لظلم عظیم سے بھی تعارض ہے۔ اس کا جواب امام رازی نے دیا ہے **انہ عام دخلہ التخصیص فلا یقدح فیہ** ۔ **من اظلم ممن منع** وغیرہ میں عموم ہے اور شرک کو ظلم عظیم کہنا اس سے تخصیص ہے۔ ان آیات کے عموم سے خاص کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج4 ص 11)

امام نیشاپوری فرماتے ہیں۔ **ومن اظلم الذی فی قوۃ لیس احد اظلم لیس علی عمومہ لان الشرک اعظم من ھذا لفعل ان الشرک لظلم عظیم** ۔ آیت کا معنیٰ ہے مسجد سے روکنے والے سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ لیکن اس میں عموم نہیں کہ ہر ظالم سے بڑھ جائے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور شرک کا فعل اس کے فعل سے بہت بڑا ہے۔

(غرائب القرآن حاشیہ تفسیر طبری ج ا ص 374)

مولانا محمد نعیم دیوبندی فرماتے ہیں اظلمیت کی تخصیص بلحاظ سبقت ہو یعنی سب سے پہلے ہونے کی وجہ سے بعد والوں پر فائق ہو (۲) ابن حبان اس توجیہ کو صواب کہتے ہیں کہ ان نصوص میں اظلمیت کی نفی کی جا رہی ہے اس سے ظالمیت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ مقید کی نفی سے مطلق کی نفی لازم نہیں آیا کرتی اور جب ظالمیت کی نفی نہ ہوئی تو تناقض بھی لازم نہیں آیا۔ کیونکہ اظلمیت میں برابری ثابت ہوئی اور جب برابری ہوگئی تو کوئی کسی سے بڑھا ہوا نہ رہا۔ بلکہ سب برابر ہو گئے گویا اظلمیت انسان کی طرح کلی متواطی ہوگئی جو مساوی طور پر

http://mujahid.xtgem.com

مکذب، مفتری، مانع وغیرہ سب پر صادق آئے گی۔ اب نہ ان سب کی اظلمیت میں مساوات پر کوئی اشکال رہا اور نہ ایک کا دوسرے سے باہم اظلم ہونا لازم آیا چنانچہ کہا جاتا ہے لا احد اظلم منھم حاصل یہ کہ تفضیل کی نفی سے مساوات کی نفی نہیں ہوتی۔ (۳) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔ (کمالین ج5 ص۴۴۴)۔

تعارض نمبر۱۹ سورۃ البقرۃ

آیت114

اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين ان لوگوں کو تو کبھی بھی بے ہیبت ہو کر ان میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں ارشاد ہے **فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا**۔ سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام پاس نہ لانے پاویں۔ (سورۃ التوبہ آیت ۲۸)

تطبیق:۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب و دخول بطور توطن واستیلاء کے لئے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ (بیان القرآن ج4 ص105)۔

مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **ونهي المشركين ان يقربوه راجع الى نهي المسلمين عن تمكينهم منه**۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کو روکو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو غلبہ حاصل کرنے کا موقع نہ دو۔ فرماتے ہیں **وقيل ان يمنعوا من تولى للمسجد الحرام والقيام بمصالحه ويعزلوا**

عن ذالك ۔ مسجد حرام کی سرپرستی سے ان کو باز رکھنا ہے (الکشاف ج۲ ص261) علامہ آلوسی فرماتے ہیں **والنهي محمول على التنزيه اوالدخول للحرمه بقصدالحج** ۔ یہ نہی تنزیہی ہے یا مشرکین کو بغرض ادائیگی حج مسجد حرام سے روکو۔ (روح المعانی ج ا ص364) امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **وقال الشافعیؒ آلايته عامة فى سائر المشركين خاصة فى المسجدالحرام ولايمنعون فى دخول غيره** ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت کا حکم تمام مشرکین کے لئے مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے۔ مسجد حرام کے علاوہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں (قرطبی ج 8 ص 105) الا خائفین سے جو مسجد میں داخلہ کا جواز معلوم ہوتا ہے یہ حکم نہیں بلکہ خبر ہے۔ الا خائفین خبر ہے کہ یہ لوگ مسجد میں خوف وحراس کی حالت میں داخل ہوں گے ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **انه اخبار عن احوالهم بعد ذالك** ، یہ ان کے احوال کی خبر ہے (زادالمسیر ج ا ص134) علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **الاخائفين على حال التهيب وارتعادالفرائص من المومنين ان يبطشوا بهم** ۔ مسجد میں مسلمانوں کی گرفت کے خوف کی وجہ سے کپکپی کی حالت میں داخل ہوتے ہیں۔ (الکشاف ج ا ص179) اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے داخلہ کی طرف خبر دی گئی ہے۔

تعارض نمبر۲۰ سورۃ البقرۃ

آیت118

قد بينا الآيات لقوم يوقنون ہم نے تو بہت سی دلیلیں بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین چاہتے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیان خاص یقین والوں کے لئے ہے حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان عام ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں ارشاد ہے **کذالک یبین اللہ ایاتہ للناس لعلهم یتقون** ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں (سورۃ البقرۃ آیت 87)۔

ایک اور ارشاد ہے۔ **هذا بیان للناس** یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے (سورۃ ال عمران آیت 138) معلوم ہوا کہ بیان تمام انسانوں کے لئے ہے۔

تطبیق :۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے بیان کیا ہے یعنی دلائل وغیرہ سب کے سامنے کھول کھول کر بیان کئے ہیں۔ لیکن بیان کا فائدہ یقین رکھنے والوں کو ہوتا ہے اسلئے ان کا ذکر بطور خاص ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ کسی سے بیان نہیں ہوا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **خصهم لان منفعة الآیات راجعة الیهم** ۔ یقین والوں کا بطور خاص ذکر اس لئے ہوا کہ بیان دلائل کا نفع ان کی طرف لوٹتا ہے۔ (مظہری ج ا ص 120)

ابن جریر طبری فرماتے ہیں۔ **وخص الله بذالك القوم الذین یوقنون لانهم اهل التثبت فی الامور والطالبون معرفة حقائق الاشیاء علی یقین وصحة** (تفسیر طبری ج ا ص 408) یقین والوں کو بیان کے ساتھ اس لئے خاص کیا کہ یہ لوگ امور میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اشیاء کی حقیقت جاننے کے لئے ان میں صحیح یقین والی طلب ہوتی ہے۔

تعارض نمبر ٢١ سورۃ البقرۃ

آیت 143

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقیبه اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹا جاتا ہے۔ **و لنبلونکم حتی نعلم المجهدین منکم والصبرین ونبلو اخبارکم** اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں جو تم میں لڑائی کرنے والے ہیں اور قائم رہنے والے اور تحقیق کرلیں تمہاری خبریں۔ (سورۃ محمد آیت 31)۔

اس قسم کی اور بھی آیات ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم نہیں تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ما کان اور ما یکون کا علم ہے وہ علیم بذات الصدور ہے اس کا علم انتہائی وسیع ہے۔ ارشاد ربانی ہے **قالت من انباك هذا قال نبانی العلیم الخبیر** بولی تجھ کو کسی نے بتلا دی یہ کہا مجھ کو بتایا اس خبر والے واقف نے (سورۃ التحریم آیت 3) **ان الله قد احاط بکل شی علماً** (سورۃ الطلاق آیت 12) **کان الله بکل شی علیماً**۔

تطبیق :۔ قرآن مجید میں **لنعلم ، حتی نعلم، لما یعلم الله لنبلونکم الا لنعلم** وغیرہ استقبال کے صیغے آئے ہیں۔ ان سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ **عیاذاً با الله** اللہ تعالیٰ کو بعد میں علم ہوا۔ اس مشکل گتھی کو مفسرین نے بطریق احسن سلجھایا ہے علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **لنعلمه علما یتعلق به الجزاء**۔ اس کے بارے میں وہ علم

http://mujahid.xtgem.com

جان لیں جس کے ساتھ جزاء کا تعلق ہے۔تحویل قبلہ کے وقت جو آدمی اتباع رسول کرے گا یا نہیں کرے گا۔تو اس وقت ان کے فعل کے ساتھ اللہ کا علم متعلق ہو جائیگا۔**وھو ان یعلمه موجوداً حاصلاً** دوسرا قول **ولیعلم رسول والمؤمنون**۔رسول اور مومنین جان لیں سوال پیدا ہوا کہ رسول اور مومنین کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں کی۔اس کا جواب دیا **وانما اسند علمهم الی ذاته لانهم خواصه واهل الزلفی عنده**۔ان کے علم کی نسبت اپنی ذات تک طرف اس لئے کی کہ یہ لوگ اس کے مقربین اور خواص ہیں تیسرا قول **لنمیز التابع من الناکص**۔تاکہ تابع اور پیچھے ہٹنے والوں کو جدا کر دیں۔تمیز کی جگہ علم کو لائے اسلئے کہ علم کے ساتھ تمیز حاصل ہوتی ہے۔تمیز مسبب ہے اور علم سبب۔سبب کی جگہ مسبب کا ذکر ہوا۔مجازاً ایسا ہوتا ہے (الکشاف ج اص 200) ابن الجوزی فرماتے ہیں۔**ان العلم راجع الی المخاطبین والمعنی لتعلموا انتم قاله الفراء**۔فرا کہتا ہے کہ مخاطبین کا علم مراد ہے کہ تم جان لو (زاد المسیر ج اص 155) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔**ان الام للتعلیل لبیان الغایة وصیغة المضارع بمعنی الماضی فالمعنیٰ الا لما علمنا من یتبع الرسول ممن ینقلب**۔لنعلم میں لام علت کے لئے ہے اللہ تعالیٰ اپنی غرض بیان نہیں کرتے اور مضارع بمعنی ماضی ہے۔معنی یہ ہوگا اس لئے کہ میں پہلے سے جانتا ہوں کہ کون رسول کی اتباع کرے گا اور کون منہ موڑے گا۔قاضی صاحب شیخ منصور ماتریدی کی تحقیق نقل کرتے ہیں۔**لنعلم کائناً موجوداً ماقد علمنا انه یکون ویوجد فالله سبحانه عالم فی الازل بکل ما اراد وجوده انه یوجد فی الوقت الذی شاء وجوده فیها**۔(مظہری ج اص 141)۔

اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں جو چیز موجود ہے اور جس وقت اس کے ظہور کا ارادہ کریں اس وقت وہ موجود ہو جاتی ہے اس طرح تغیر اللہ کے علم میں نہیں بلکہ معلوم میں آتا ہے۔امام رازی نے بھی بہت توجیہات کی ہیں فرماتے ہیں۔**نعاملکم معاملة المختبر الذی کانه لا یعلم**۔ہم تمہارے ساتھ اس امتحان لینے والے کی طرح معاملہ کریں گے جو نہیں جانتا۔(کبیر ج4 ص 117) اللہ کو علم تو ہے لیکن یہاں معاملہ امتحان لینے والے بے خبر کی طرح کریں گے۔

اس مشکل مسئلہ میں شیخ الھند محمود حسن کی تحقیق قابل داد ہے۔بلکہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے ان کی تحقیق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ کو ما کان اور ما یکون کا علم ہے اس کے علم میں تقدیم، تاخیر نہیں۔تمام اشیاء اس کے لئے بمنزلہ شی واحد ہیں اللہ کے علم میں ماضی، حال اور استقبال نکالنا غلط ہے۔ہاں خود زمانوں میں تقدم و تاخر ہے اس لئے تین زمانے بنتے ہیں۔اشیاء کے وقوع میں بھی تقدم و تاخر ہے کوئی واقعہ ماضی میں ہوا ہے کوئی آئندہ واقع ہوگا۔اس کا حاصل دو چیزیں ہوئی۔ایک اللہ کا علم اور ایک حالات و واقعات کا تقدم و تاخر۔جب اللہ اپنے علم کے لحاظ سے کلام کرتا ہے تو ہمیشہ ماضی اور حال کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔مضارع کا صیغہ استعمال نہیں کرتا۔کبھی واقعات کے تقدم و تاخر کا لحاظ ہوتا ہے تو ماضی کے واقعہ کے لئے ماضی کا صیغہ حال کے واقعہ کے لئے حال کا صیغہ اور استقبالی واقعہ کے لئے مضارع کا صیغہ لاتے ہیں آئندہ واقعات کے لئے ماضی کا صیغہ لاتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے۔کہ سب کچھ اس کے علم کے احاطہ میں ہے جیسے **ونادی اصحب الجنة** جنت والے وقوع قیامت کے بعد جنت میں ندا کریں گے۔یہ استقبالی واقعہ ہے لیکن اس کے لئے ماضی کا صیغہ لائے۔کونکہ علم الٰہی میں سب کچھ موجود ہے۔جہاں اللہ

http://mujahid.xtgem.com

استقبال کا صیغہ لاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا علم بعد میں آیا۔ بلکہ اس میں ان واقعات کے تقدیم و تاخیر کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بعد میں پیش آئے گا۔ واقعہ بعد میں پیش آتا ہے اور اس کا علم قدیم پہلے سے اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ واقعہ بعد میں رونما ہونے والا ہوتا ہے اسلئے اس کے لئے استقبالی صیغہ ذکر کرتے ہیں۔ جیسے لنعلم میں ہے۔

دوسری تحقیق کا حاصل :۔ علم کی دو قسمیں ہیں بالواسطہ اور بلاواسطہ آگ کا علم دھویں کے واسطہ سے بالواسطہ علم ہے اور دھویں کا علم بلاواسطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم دونوں طرح پر ہے۔ بلاواسطہ اور بالواسطہ یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں اگرچہ علم بواسطہ کسی چیز کا اس کے علم بلاواسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کا دھیان بھی نہیں گزرتا۔ ایک آدمی جب کسی نارنگی کی طرف دیکھے تو نارنگی کا سرخ رنگ بواسطہ نارنگی ہے لیکن نارنگی اور اس کے رنگ کا علم ایک ساتھ ہے۔ اس میں زمانے کے لحاظ سے کوئی تقدم یا تاخر نہیں اللہ تعالیٰ کے دونوں علم قدیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں صیغہ استقبال کا ذکر فرماتے ہیں تو وہاں علم بالواسطہ مراد ہوتا ہے اسلئے کہ مخاطب بنی آدم ہیں اگر ایسے موقع پر اللہ ماضی کا صیغہ ذکر کر کے اپنے علم بلاواسطہ کا اظہار کریں تو بنی آدمی پر الزام پورا نہ ہوتا مثلاً اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ قبلہ کے بارے میں کون رسول کا اتباع کرے گا کون نہیں کرے گا۔ قبلہ واسطہ ہوا اور فرمان بردار اور نافرمان کا علم بواسطہ قبلہ ہوا۔ بنی آدم کو ان فرمان برداروں اور نافرمانوں کا علم بلاواسطہ قبلہ بالکل ناممکن تھا۔ اسلئے اللہ نے واسطہ قبلہ کا ذکر کر دیا۔ جہاں ایسی مصلحت نہ ہو وہاں صیغہ ماضی اور علم بلاواسطہ کا ذکر ہوتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ بنی آدم کو سمجھانے کے لئے اللہ اپنے علم بالواسطہ کا ذکر کرتے ہیں تا کہ مخاطبین اس کو اللہ کی جانب سے حجت جان کر سمجھ لیں یہ مطلب نہیں کہ

اللہ کو بلاواسطہ علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسلئے اللہ کے علم میں حدوث کا شبہ صحیح نہیں اللہ تعالیٰ صرف مخاطبین کی رعایت کی وجہ سے علم بالواسطہ کا اظہار کرتے ہیں اس میں زمانوں کے تقدم اور تاخر کا اعتبار نہیں ہوتا تا کہ اللہ کے علم میں عیاذاً باللہ حدوث کا شبہ پیدا ہو۔ واللعلم عنداللہ۔

تعارض نمبر ۲۲   سورۃ البقرۃ

آیت 170

او لو کان اباؤھم لا یعقلون شیاً ولا یھتدون کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار میں بالکل سمجھ بوجھ نہیں جبکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عقل اور سمجھ تھی۔ ارشاد باری ہے **وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل وکانوا مستبصرین** اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا تھا اور ان کو راہ سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ ہوشیار تھے۔ (سورۃ العنکبوت آیت 38) ہوشیار میں کیسے سمجھ نہیں ہوتی۔

تطبیق :۔ دین اور آخرت کے لحاظ سے ان میں سمجھ نہ تھی۔ دنیاوی اعتبار سے سیانے تھے قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **ای لا یعقلون شیاً فی امر الدین لانھم کانوا یعقلون امر الدنیا**۔ دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے کیونکہ دنیا کے بارے میں سمجھ رکھتے تھے۔ (مظہری ج ا ص 166) ابو جعفر طبری فرماتے ہیں **لا یعقلون شیاء من دین اللہ وفرائضہ وامرہ ونھیہ** (تفسیر طبری ج2 ص 47)۔

علامہ آلوسی **یعلمون ظاھرا من الحیاۃ الدنیا** کی تفسیر میں ابن عباس کا قول نقل

http://mujahid.xtgem.com

کرتے ہیں یعلمون منافعها ومضارها ومتی یزرعون ومتی یحصدون وکیف یجمعون وکیف یبنون ۔(روح المعانی ج 21 ص 21) کفار صرف دنیا کے منافع اور مضرتیں جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کاشت کب کریں گے کٹائی کب ہوگی جمع کب کریں گے اور آبادی کیسے کریں گے۔

تعارض نمبر ۲۳ سورۃ البقرۃ

آیت 174

ولا یکلمهم الله یوم القیامة اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ قیامت میں کلام کریں گے۔

اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائیں گے کلام کی نفی ہے لیکن دوسری آیت سے کلام کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔ **قال اخسؤا فیها ولا تکلمون** ارشاد ہوگا کہ اس میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے باتیں نہ کرو (سورۃ المؤمنون آیت 108) معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ کلام ہوگا۔

تطبیق :۔ کسی سے بات کرنے کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی پیار و محبت اور نرمی سے گفتگو کی جاتی ہے کبھی کسی کو ڈانٹنے کے لئے اس سے کلام کیا جاتا ہے خاص کر جب مخاطب پر غصہ نکالنا ہو۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **ولا یکلمهم الله یوم القیامة ای کلام رحمة کما قال الحسن فلا ینا فی سواله ایاهم** ان سے نرمی کے کلام کی نفی ہے اب اگر ان کے ڈانٹنے کے لئے سوال کیا جائے تو کلام کرنے اور نہ کرنے میں کوئی منافاۃ نہیں۔

ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ **وقیل لا یکلمهم اصلاً لمزید [illegible] جل جلاله علیهم والسوال بواسط الملائکة** ۔اللہ تعالیٰ انتہائی غصہ کی [illegible] ان کے ساتھ

کسی قسم کا کلام نہیں فرمائیں گے نہ نرمی کا اور نہ غصہ والا کلام۔ جہاں کلام کا اثبات ہے وہ بواسطہ فرشتوں کے ہے (روح المعانی ج 2 ص 44)۔

جلالین کے حاشیہ صاوی میں ہے **قوله ولا یکلمهم الله ای کلام رضا بل یکلمهم کلام غضب** (ج ا ص 78) رضامندی کا کلام نہیں فرمائیں گے اور غصہ کا کلام فرمائیں گے۔

دونوں آیتوں کے مابین تعارض کو دور کرنے کے لئے ایک یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ **ولا یکلمهم الله** میں کلام کی نفی نہیں بلکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے غصہ سے عبارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کفار سے انتہائی ناراض ہوں گے غصہ اور ناراضگی کا اظہار دو صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ جس سے آدمی ناراض ہو کبھی اس سے قطع تعلق کر کے بات چیت تک گوارا نہیں کی جاتی کبھی گفتگو کے ذریعہ مخاطب پر غصہ کی حالت میں دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے۔ **ولا یکلمهم الله** میں غصہ اور ناراضگی کی پہلی قسم ہے اور **قال اخسؤ فیها** میں غصہ کی دوسری قسم ہے علامہ زمخشری کی توجیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ **وقیل نفی الکلام عبارة عن غضبه علیهم کمن غضب علی صاحبه فصرمه و قطع کلامه** (الکشاف ج ا ص 108)۔

تعارض نمبر ۲۴ سورۃ البقرۃ

آیت 184

وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو

http://mujahid.xtgem.com

روزہ رکھ سکتا ہے اس کو روزہ رکھنے یا فدیہ دینے کا اختیار ہے لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قادر علی الصوم کے لئے روزہ متعین ہے ارشاد باری ہے۔ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۵)۔

تطبیق :- یہ حکم ابتداء میں تھا پھر باقی نہ رہا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں فذهب اکثرهم ان الآیة منسوخة ۔ اکثر کے نزدیک آیت منسوخ ہے اور ناسخ فمن شهد منکم الشهر ہے۔ (مظہری ج ا ص ۱۹۱)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ یطیقونه میں ایک قرآت یطیقونه ہے۔ یتکلفونه علی جهد منهم وعسر وهم الشیوخ والعجائز وحکم هؤلاء الافطار والفدیة وهو علی هذا الوجه ثابت غیر منسوخ ۔تکلیف کیساتھ روزہ رکھنے والے جیسے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ان کے لئے افطار اور فدیہ ہے اس بنا پر آیت منسوخ نہ ہوگی (الکشاف ج ا ص 227)۔

جلالین میں ہے۔لایطیقونه لکبر اور مرض لا یرجیٰ برأه ۔ لا مقدر ہے۔ جن میں بڑھاپے یا ایسے مرض کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو جس سے اچھا ہونے کی امید نہ ہو۔ (ص 26)۔

عبدالرحمٰن ابن محمد بن مخلوف فرماتے ہیں والآیة عند مالك انما هی فیمن یدرکه رمضان ثان و علیه صوم من المتقدم فقد كان یطیق فی تلك المدة الصوم فترکه ۔امام مالک کے نزدیک فدیہ کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے۔جس نے گذشتہ رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں اور دوسرا رمضان آجائے۔اور گذشتہ مدت میں

روزہ رکھنے کی قوت اس میں موجود تھی۔ تو ایسے شخص کے لئے روزہ یا فدیہ کا اختیار ہے۔ (تفسیر الثعالبی ج ا ص 137)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ ان الآیة نزلت فی الشیخ الکبیر الهرم و العجوزة الکبیرة الهرمة ۔آیت انتہائی بوڑھے اور بوڑھی کے بارے میں اتری ہے۔ایک اور توجیہ بھی کی ہے۔وجاز ان کون الهمزة للسلب کانه سلب طاقته بان کلف نفسه المجهود فسلب طاقته عند تمامه ۔باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کے لئے ہو۔جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو۔یطیقونه کا ترجمہ ہوگا۔جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں۔ اب لا مقدر کرنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ باب افعال کی ایک خاصیت کی وجہ سے یہ ترجمہ ہوگا۔ان تمام صورتوں میں آیت محکم رہے گی۔شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں۔ فدیہ سے مراد صدقہ فطر ہے۔یطیقونه کی مذکر ضمیر فدیہ کی طرف بمعنی طعام کے راجع ہے۔ آیت کا مطلب ہوگا جو لوگ صدقہ فطر دینے پر قادر ہیں ان پر مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔آیت میں روزہ کی طاقت اور عدم طاقت کی بحث نہیں۔فدیہ طعام مسکین سے جب صدقہ فطر مراد لیا تو سرے سے تعارض ہی واقع نہ ہوگا۔

تعارض نمبر ۲۵ سورۃ البقرۃ

آیت 185

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن اس آیت میں نزول قرآن کی نسبت رمضان کی طرف ہے۔انا انزلناه فی لیلة القدر ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں (سورۃ القدر آیت ۱)۔

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت میں نسبت شب قدر کی طرف ہے۔ایک جگہ ارشاد فرمایا۔**انا انزلناہ فی لیلۃٍ مبٰرکۃٍ** ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں (سورۃ الدخان آیت ۳)۔

نزول کی نسبت رمضان، شب قدر اور لیلۃ مبارکہ کی طرف ہوئی۔ بظاہر تینوں نسبتوں میں تعارض ہے۔

تطبیق :۔ قرآن مجید کے نزول کی نسبت رمضان، شب قدر اور لیلہ مبارکہ تینوں کی طرف صحیح ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے رمضان میں اتارا اور یہ شب قدر کی رات تھی اور شب قدر رمضان میں ہے۔اور لیلہ مبارکہ سے بھی شب قدر ہی مراد ہے۔ آسمان دنیا سے زمین کی طرف بھی اس کا نزول شب قدر میں شروع ہوا۔لہذا تینوں کی طرف نسبت صحیح ہے۔علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔**ای ابتدا فیہ انزالہ وکان ذالک لیلۃ القدر** (روح المعانی ج ۲ ص ۶۱)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **عن ابن عباس قال نزل القرآن فی شھر رمضان وفی لیلۃ القدر فی لیلۃ مبارکۃ**۔قرآن مجید رمضان، شب قدر اور لیلہ مبارکہ میں نازل ہوا۔فرماتے ہیں۔ **واللیلۃ المبارکۃ لیلۃ القدر**۔لیلہ مبارکہ لیلۃ القدر ہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شب قدر صرف رمضان میں ہے۔اسلئے امام قرطبی فرماتے ہیں۔**وفی ھذا دلیل علی ان لیلۃ القدر انما تکون فی رمضان لا فی غیرہ**۔(قرطبی ج ۲ ص ۲۹۷)۔

اس میں اسی بات کی دلیل ہے کہ شب قدر صرف رمضان میں ہوتی ہے۔

تعارض نمبر ۲۶ سورۃ البقرۃ

آیت 193

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ نہ رہے۔اس آیت میں مطلقاً قتال کا حکم ہے۔زمان ومکان کی کوئی قید نہیں۔اسی طرح ایک اور ارشاد ہے۔**فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** تو ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو۔(سورۃ التوبۃ آیت ۵) ایک آیت سے حکم مذکورہ آیتوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ارشاد باری ہے۔ **یسئلونک عن الشھر الحرام قتالٍ فیہ، قل قتال فیہ کبیر**۔ لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے۔(سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اشہر حرم میں قتال منع ہے۔

تطبیق :۔امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **فالجمھور علی نسخھا واما قتال المشرکین فی الاشھر الحرم مباح** ۔ عدم قتال اشہر حرم میں جمہور کے نزدیک منسوخ ہے۔حرمت کے مہینوں میں قتال مباح ہے۔(قرطبی ج ۳ ص ۴۳)۔

امام رازی فرماتے ہیں۔**فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وھذہ الآیۃ ناسخۃ لتحریم القتال فی الشھر الحرام** ۔اشہر حرم میں تحریم قتال کا حکم منسوخ ہے (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۳)۔ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **ھذہ الآیۃ منسوخۃ بقولہ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وبقولہ قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر**۔(زاد المسیر ج ۱ ص 237)۔

http://mujahid.xtgem.com

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ اگر کفار کی طرف سے ابتداء قتال ہو تو اشہر حرم میں قتال مباح ہے۔ اگر مسلمان ابتداً ان حرمت کے مہینوں میں قتال شروع کریں تو حرام ہے۔ فرماتے ہیں۔ **لا نها تدل على اباحة القتال فى الاشهر الحرم ان كانت البداية فى القتال من الكفار**۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مہینوں میں اگر کفار قتال میں پہل کریں تو قتال ان سے مباح ہے۔ آگے لکھتے ہیں **فبقى البداية بالقتال فى الاشهر محرماً**۔ حرمت والے مہینوں میں ابتداً قتال حرام ہی رہے گا۔ (مظہری ج ص 263)۔

تعارض نمبر ۲۷ — سورۃ البقرۃ

آیت 213

كان الناس امةً واحدةً سب آدمی ایک ہی طریق پر تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کا ایک ہی دین تھا۔ لیکن ایک آیت میں اس کے خلاف حکم معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **هو الذى خلقكم فمنكم كافر و منكم مومن** ۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور کوئی تم میں ایمان والا (سورۃ التغابن آیت ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب لوگ ایک دین پر نہ تھے۔

تطبیق :۔ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں سب لوگ ایک ہی دین حق پر قائم تھے۔ مرور زمانہ کے ساتھ اختلافات پیدا ہوئے۔ جس کی وجہ سے دو فرقوں میں بٹ گئے مومن اور کافر۔ اس اختلاف کی وجہ سے ارسال رسل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کی تائید اس آیت سے معلوم ہوتی ہے **ولكن اختلفوا فمنهم من أمن ومنهم من كفر** لیکن وہ لوگ

باہم مختلف ہوئے سو ان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۳)

امام رازی فرماتے ہیں۔ **هو الذى خلقكم فمنكم كافر و منكم مومن**۔ یہ تقدیر کا قصہ ہے۔ **قال ابن عباس انه تعالىٰ خلق بنى أدم مومناً وكافراً ثم يعيدهم يوم القيامة كما خلقهم مؤمناً و كافراً** ۔ یہ تقدیر ہے اور **كان الناس امة واحدة** یہ تدبیر ہے۔ (تفسیر کبیر ج 30 ص 21)۔

تعارض نمبر ۲۸ — سورۃ البقرۃ

آیت 221

ولا تنكحوا المشركين حتى يومنوا ا۔ اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا ولی اس کا نکاح کرائے گا عورت خود اپنا نکاح کسی کے ساتھ نہیں کرا سکتی لیکن آیت **حتىٰ تنكح زوجاً غيره** ۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند سے نکاح کرے (آیت ۲۳۰) سے معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ دونوں میں تعارض ہے۔

تطبیق :۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔ اپنے اختیار کی **اى عرفاً فلا يصح الاحتجاج بالاية على اشتراط الولى فى نكاح النساء مطلقا**۔ (بیان القرآن ج ا ص 127 حاشیہ نمبر 2) عرفاً یہ بات کہی گئی ہے کہ عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو۔ کیونکہ عرف عام ہے کہ ہر جگہ ولی ہی عورت کو نکاح میں دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کا اختیار نہیں اور خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔

دراصل اس آیت میں خطاب اولیاء حکام اور تمام مسلمانوں سے ہے کہ خیال رکھنا کہ کہیں

http://mujahid.xtgem.com

کوئی عورت کسی غیر مسلم کے نکاح میں نہ چلی جائے۔ اگر کسی عورت نے ایسا کیا یا کسی عورت کے ولی نے ایسا کیا تو تمام مسلمانوں کا فریضہ بنتا ہے کہ ان کو اس سے روکیں اور دونوں کے مابین جدائی قائم کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کا اپنا اختیار نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں **والخطاب الی الاولیاء او الی الحکام**۔ خطاب اولیاء سے ہے یا حکام سے۔ (مظہری ج ا ص 277) علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ **واستدل بھا علی اعتبار الولی فی النکاح مطلقاً وھو خلاف مذھبنا وفی دلالۃ الآیۃ علی ذالک خفاء لان المراد النھی عن ایقاع ھذا الفعل والتمکین منہ وکل المسلمین اولیاء فی ذالک** (روح المعانی ج 2 ص 120)۔

یعنی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ نکاح ولی کرائے گا جو ہمارے مذہب (احناف) کے خلاف ہے۔ اس آیت سے یہ مطلب لینا واضح نہیں بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کا یہ فعل غیر مسلم کے ساتھ نہ ہونے دیا جائے۔ اس بارے میں سارے مسلمان عورت کے اولیاء کے زمرہ میں آتے ہیں۔ یعنی ہر مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر کوئی عورت یا عورت کا ولی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا سد باب کرے۔

تعارض نمبر ۲۹ سورۃ البقرۃ

آیت 221

ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن ؕ اور نکاح مت کرو کافر عورتوں سے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر عورتوں کیساتھ مطلقاً نکاح منع ہے۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کافر عورتوں کیساتھ نکاح جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والمحصنٰت من الذین اوتو الکتاب من قبلکم اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے۔ (المائدۃ آیت ۵)۔

تطبیق:۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **وھذہ الآیۃ منسوخۃ فی حق الکتابیات لقولہ والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وھن مشرکات حیث یعبدون عزیراً و مسیحا**۔ یہ آیت اھل کتاب کی عورتوں کے بارے میں منسوخ ہے۔ حالانکہ اھل کتاب کی عورتیں بھی شرک کرتی ہیں کیونکہ عزیر اور مسیح کی عبادت کرتے ہیں۔ (مظہری ج ا ص 276) ابن الجوزی فرماتے ہیں یہ آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ بلکہ اس کے عموم سے کتابیہ عورت سورۃ المائدہ کی دلیل سے خارج ہے۔ **فھذہ خصصت عموم تلک من غیر نسخ وعلی ھذا عامۃ الفقھاء** (زاد المسیر ج ا ص 222) امام قرطبی نے بعض علماء کی رائے نقل کی ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں اور اس کے لئے دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ **واما الآیتان فلا تعارض بینھما فان ظاھر لفظ الشرک لا یتناول اھل الکتاب لقولہ مایود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین (۲) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین**۔ آیتوں میں تعارض نہیں کیونکہ لفظ شرک اھل کتاب کو شامل نہیں۔ اسلئے کہ مذکورہ آیتوں میں مشرک اھل کتاب کے مقابل میں آیا ہے۔ مشرک اور اہل کتاب کو حرف عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ اسلئے **ولاتنکحوا المشرکات** میں اہل کتاب کی عورت داخل نہیں۔ بلکہ مشرکہ سے وہ عورت مراد ہوگی جو اہل کتاب نہ ہو۔ اس بنا پر کتابیہ عورت۔ اس آیت کے عموم میں سرے سے داخل ہی نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

دوسری دلیل یہ ہے کہ تعارض اس وقت ہوتا جب مشرکات کے مفہوم میں کتابیہ عورت کو داخل مانا جائے۔ اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ لفظ **مشرک** کو عام کر کے کتابیہ اور غیر کتابیہ کو اس کا مصداق ٹھہرایا جائے تو غیر کتابیہ جیسے بت پرست تو لفظ مشرک کا اصل مصداق ہے۔ اور کتابیہ کو احتمال کے طور پر اس میں داخل مانا جائے گا۔ تو کتابیہ عوت کے ساتھ نکاح کی حرمت **ولا تنکحوا المشرکات** میں احتمالی طور پر ہوئی اور **والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب** میں کتابیہ کیساتھ نکاح کا جائز ہونا صریح نص ہے۔ لہذا احتمال نص کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **فلا تعارض بین المحتمل و بین مالا یحتمل**۔ محتمل اور غیر محتمل میں تعارض نہیں ہوتا۔ (تفسیر القرطبی ج ۳ ص 9,68)۔

تعارض نمبر ۳۰ سورۃ البقرۃ

آیت 253

منهم من کلم الله بعض ان میں وہ ہیں جن سے اللہ ہم کلام ہوئے۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو سامنے کر کے اس کیساتھ مشافہۃ کلام فرمایا ہے۔ درمیان میں کسی قسم کا واسطہ نہ تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ کسی بشر (انبیاء) سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) بلا واسطہ پردے کے پیچھے سے، کان سنیں اور آنکھیں دیدار نہ کریں۔ یہ قسم **من ورآی حجاب** سے معلوم ہوتی ہے۔

(۲) بواسطہ فرشتہ اس کی دو صورتیں ہیں۔ فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ نبیؐ کے قلب پر نزول کرتا ہے اس کا ذکر **الا وحیا** میں ہے۔

(۳) بواسطہ فرشتہ جبکہ فرشتہ متجسد ہو کر نبیؐ کے سامنے آجائے۔ اس کا ذکر **او یرسل رسولا** میں ہے۔

ارشاد باری ہے۔ **وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآئی حجاب او یرسل رسولا**۔ اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا۔ (سورۃ الشوریٰ آیت 51) اس آیت میں مذکورہ اقسام وحی کا ذکر ہے۔

تطبیق:- **کلم الله** میں سب واسطوں کی نفی نہیں۔ بلکہ صرف فرشتہ کے واسطے کی نفی ہے۔ **کلم الله** میں وحی کی اس قسم کا ذکر ہے۔ جو **من ورآئی حجاب** سے معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کوئی تعارض نہیں جلال الدین المحلی فرماتے ہیں۔ **من ورائی حجاب بان یسمعه کلامه ولا یراه کما وقع لموسیٰ علیه السلام**۔ پردے کے پیچھے سے ایسا ہوتا ہے کہ کلام سنے اور دیکھنے نہ پائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

اس دور میں اس کی بہترین مثالیں ٹیلی فون اور وائرلیس ہے۔ دو آدمی آپس میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو دیکھتے نہیں۔ اگرچہ اللہ تو دیکھتا ہے۔ لیکن بشر کی طرف سے دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اندھے آدمی کیساتھ جب کوئی کلام کرتا ہے تو بینا اس کو دیکھتا ہے اور نابینا اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں کوئی آنکھ ایسی نہیں جس میں اتنی تاب ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے۔ آخرت کا معاملہ الگ ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **بان کلمه من غیر سفیر**۔ اللہ نے بلا واسطہ سفیر کلام کیا۔ **وهو من ورآئی الحجاب فیسمع صوته ولا یری شخصه وذالك کما کلم موسیٰ**۔ پردہ کے پیچھے سے کلام کا یہ معنی ہے کہ آواز سنے اور اس کی ذات کو نہ دیکھ سکے۔

http://mujahid.xtgem.com

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی گو بلا واسطہ فرشتہ کے ہو مگر بے حجاب نہ تھی۔ (بیان القرآن ج ص)۔

تعارض نمبر ۳۱ — سورۃ البقرۃ

آیت 254

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة اے ایمان والو خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس سے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش ہوگی۔

اس آیت میں دوستی اور سفارش کی نفی ہے۔ حالانکہ سفارش اور دوستی کا ثبوت بھی ہے۔

ارشاد باری ہے۔ **من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه** ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵)۔

اس میں سفارش کا اثبات ہے اسی طرح ایک آیت میں دوستی کا اثبات ہے۔ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** ۔ تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائینگے بغیر خدا سے ڈرنے والوں کے (سورۃ الزخرف آیت ۶۷)۔ متقین کے مابین دوستی قائم رہے گی۔

تطبیق :۔ نہ مطلقاً دوستی کا اثبات ہے نہ نفی اسی طرح مطلقاً سفارش کی نفی ہے نہ اثبات۔ شفاعت بلا اذن کی نفی ہے۔ اور سفارش بالاذن کا ثبوت ہے۔ اس طرح عام دوستی کی نفی

ہے اور خاص دوستی کا اثبات ہے صرف مومنین کے مابین دوستی قائم ہوگی۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ بعض طریقے تو خود نہ ہونگے۔ جیسے بیع اور بعض عام نہ ہوں گے جیسے دوستی بعضے اختیاری نہ ہوں گے جیسے شفاعت (بیان القرآن ج ا ص 150)۔ تفسیر الصاوی میں ہے۔ **قوله بغیر اذنه اشار بذالك الی ان الآیة مطلقة فتحمل علی المقید وهی قوله تعالی من ذاالذی یشفع عنده الا باذنه** ۔ پہلی آیت مطلق ہے جو مقید پر محمول ہے۔ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین (ج ا ص ۱۱۹) یعنی شفاعت بالاذن کا اثبات ہے۔ اس آیت میں بیع ۔ دوستی اور شفاعت کی نفی ہے کفار کا ذکر ہے اس لئے فرمایا **والکافرون هم الظالمون** ۔ اور کافر ہی لوگ ظلم کرتے ہیں۔ اسلئے تینوں کی نفی کفار سے ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **قیل انما نفی هذه الاشیاء لانه غنی عن الکافرین. وهذه الاشیاء لا تنفعهم** ۔ ان کی نفی کفار سے اس لئے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کفار سے بے پرواہ ہیں اور یہ اشیاء کفار کو نفع نہ دیں گی۔ (زاد المسیر ج ا ص 302) کفار کہیں گے **فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم** ۔ سو نہ کوئی ہماری سفارش ہے اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (سورۃ الشعراء آیت ۱۰۱)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **ان نفی تلك الاشیاء بالنسبة الیھم** ۔ کفار سے ان اشیاء کی نفی ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۵) ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں۔ **والمتقون بینھم فی ذالك الیوم خلة** ۔ اس دن متقین کے مابین دوستی قائم رہے گی۔ (البحر المحیط ج ۲ ص 276)۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض نمبر ۳۲ سورۃ البقرۃ

آیت 256

لا اکراہ فی الدین دین میں زبردستی نہیں۔

س آیت سے معلوم ہوا کہ دین میں زبردستی نہیں۔ لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں زبردستی اور جبر ہے۔ ارشاد ربانی ہے، **ورفعنا فوقکم والطور** اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا (سورۃ البقرۃ آیت ۶۳) پہاڑ کا معلق کرنا اکراہ ہے۔ ارشاد ہے **واذ نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلۃ** اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان پر معلق کر دیا ارشاد ہے۔ **وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ** اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ نہ رہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳) اس قسم کی آیات اور قتال کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں جبر اور اکراہ ہے۔

تطبیق :۔ شیخ الھند مولانا محمود حسن فرماتے ہیں۔ اکراہ در بارہ قبول دین ہرگز نہیں دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کئے ہوئے تھے۔ ان پر پہاڑ معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لئے تھا۔ نہ کہ قبول دین کے لئے (تفسیر عثمانی ص ۱۳) اس کی مثال تو بیمار بچے کی طرح ہے کہ جس کو والدین شفقتاً کڑوی دوا زبردستی پلاتے ہیں کیونکہ اس میں بچے کی شفاء ہوتی ہے۔ بچہ طبعاً کڑوی دوا پینا نہیں چاہتا غور کیا جائے تو تمام شرعی احکامات خلاف طبع ہیں۔ طبیعت اسلام پر چلنے کو آمادہ نہیں ہوتی۔ لیکن شریعت کو اللہ کا حکم سمجھ کر اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آدمی شریعت کا اتنا پابند ہو جائے کہ مقتضائے شریعت مقتضائے

طبیعت بن جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کا ملفوظ کہیں نظر سے گزرا ہے کہ امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے ہیں امام رازی فرماتے ہیں **والمعنی ان اخذ المیثاق کان متقدماً فلما نقضوہ با لامتناع عن قبول الکتاب رفع علیھم الجبل** بنی اسرائیل سے پہلے قبول کتاب کے لئے عہد لیا گیا۔ جب نقض عہد کیا تو پہاڑ کو ان پر معلق کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۷)۔

امام رازی اور شیخ الھند کی توجیہ کا حاصل ایک ہی ہے علامہ آلوسی نے ابن جریر سے بروایت ابن عباس ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ حضورؐ کے پاس بنی سالم بن عوف کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ میرے دو بیٹے ہیں ان کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ نصرانیت پر ڈٹے ہوئے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی **لا اکراہ فی الدین** (روح المعانی ج ۳ ص ۱۳) اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر نہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان ہوتے ہوئے اگر کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اللہ تعالیٰ نے بہ مقتضاء حکمت و مصلحت سزائیں مقرر کی ہیں۔ جن کو جبر کہنا صحیح نہیں۔ پولیس اور فوج وغیرہ میں زبردستی کسی کو بھرتی نہیں کیا جاتا لیکن بھرتی ہونے کے بعد قواعد اور ضوابط کی خلاف ورزی پر مختلف قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں ایسی سزاؤں کو کوئی بھی ظلم یا جبر نہیں کہتا۔ البتہ آیات قتال کے ساتھ **لا اکراہ فی الدین** کا تعارض معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں آیات قتال کی وجہ سے **لا اکراہ فی الدین** منسوخ ہے۔ شیخ اسماعیل حقی بروسی فرماتے ہیں۔ **واما قولہ لا اکراہ فی الدین وامثالہ فمنسوخ بالقتال** (روح البیان ج ۱ ص ۱۵۴) علامہ آلوسی فرماتے ہیں **واما قولہ لا اکراہ فی الدین وقول سبحانہ أفانت تکرہ الناس حتی یکون مومنین فقد کان قبل الامر بالقتال ثم نسخ**

http://mujahid.xtgem.com

بہ۔ دین میں عدم جبر کا حکم ابتداء میں تھا۔ آیت قتال سے منسوخ ہوگیا۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۳) لیکن قاضی ثناء اللہ پانی پتی ان آیات میں تعارض کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ جہاد اور قتال اس لئے نہیں ہوتا کہ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے بلکہ جہاد تو صرف دفع فساد کے لئے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں **والامر بالقتال والجهاد ليس لاجل الاكراه على الدين بل لدفع الفساد من الارض** ۔ (مظہری ج ۱ ص ۳۶۳) اگر جہاد کا مقصد کفار کا قتل ہوتا تو اسلام میں جزیہ کا حکم کیوں دیا ۔ اور غلام بنانے کا حکم کیوں دیا ابھی تک جو خون کا پیاسہ تھا اس کو جان بخشی سے نواز کر اچھے سلوک کا حقدار کیوں ٹھرایا معلوم ہوا جہاد کا مقصد نہ کفار کا قتل ہے نہ ان کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا ہے بلکہ جہاد کا واحد مقصد دفع فساد اور کفار کے زور کو توڑ کر شوکت اسلام کا اظہار ہے۔

تعارض نمبر ۳۳ سورۃ البقرۃ

آیت 284

وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں ہر قسم کے خیالات اور وسوسوں کے پیدا ہونے پر مؤاخذہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام بڑی تشویش میں پڑ گئے تھے حالانکہ غیر اختیار وسوسہ انسان روک نہیں سکتا۔ لیکن آیت **لا یکلف الله نفسا الا وسعها** اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اختیاری وساوس پر پکڑ نہیں۔

کیونکہ انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔

تطبیق :۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ **فنسختها الآيته التى بعدها لا يكلف الله نفسا الا وسعها** ۔ (ابن کثیر ج ۱ ص ۶۰۲) یہ آیت بعد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔

امام قرطبی نے ایک قول نقل کیا ہے **انما محكمة مخصوصة وهى فى معنى الشهادة التى نهى عن كتمها** (قرطبی ج ۳ ص ۴۲۱) آیت منسوخ نہیں بلکہ ایک خاص معنی کے ساتھ مخصوص ہے اس سے مراد دل میں اس شہادۃ کا چھپانا ہے جس کے چھپانے سے منع فرمایا ہے۔

سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں اور نہ اپنے عموم پر ہے بلکہ اس میں امور قلبیہ اختیاریہ مراد ہیں۔ غیر اختیاری امور اور برے برے وسوسوں کا دل میں بلا اختیار آنا مراد نہیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **ولا يدخل فى مالا يخفيه الانسان الوساوس وحديث النفس لان ذالك مماليس فى وسعه الخلومنه ولكن ما اعتقده وعزم عليه** ۔ (الکشاف ج ۱ ص ۳۳۰)

امور قلبیہ میں دلی وساوس اور حدیث النفس مراد نہیں اس سے تو کوئی دل بھی خالی نہیں اسلئے کہ انسانی طاقت سے باہر ہیں۔ بلکہ وہ قلبی امور اور خیالات مراد ہیں جن کو انسان جما کر عقیدہ بنالے یا ان کا پختہ عزم کرلے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی یہی لکھا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض نمبر ۳۴ سورۃ ال عمران

آیت 7

هو الذى انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات وہ ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو جس میں ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ اشتباہ مراد سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اصلی مدار ہیں کتاب کا اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض آیات محکم ہیں بعض متشابہ۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن محکم ہے متشابہ نہیں ہے ارشاد باری ہے۔ **الـر كتاب احكمت اياته**۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔ (سورہ ہود آیت 1) ایک آیت سے اس کے برعکس حکم معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ سارا قرآن متشابہ ہے ارشاد ہے **الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثانى**۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے (سورۃ الزمر آیت ۲۳)۔

تطبیق:۔ اول محکم اور متشابہ کا معنی جاننا ضروری ہے مفسرین نے کئی اقوال ذکر کئے ہیں۔ زیادہ مناسب معنی وہ ہے جس کو علامہ آلوسی نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ **وذهب ساداتنا الحنفية الى ان المحكم الواضح الدلالة الظاهر الذى لا يحتمل النسخ والمتشابه الخفى الذى لا يدرك معناه عقلاً ولا نقلاً** (روح المعانی ج ۳ ص ۸۲) ہمارے احناف کے نزدیک محکم واضح الدلالۃ کو کہتے ہیں اور ایسا واضح جس میں نسخ کا احتمال نہ ہو۔ متشابہ ایسا خفی معنی جس کا ادراک نہ عقل سے ہو سکے نہ نقل سے۔ اللہ

کے سوا اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ جیسے حروف مقطعات وغیرہ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **وانما التشابه فى هذه الآية من باب الاحتمال والا شتباه من قوله ان البقر تشابه علينا اى التبس علينا اى يحتمل انواع كثيرة من البقر والمراد بالمحكم ما يقابل هذا وهو مالا التباس فيه ولا يحتمل الا وجها واحدا** (قرطبی ج ۴ ص ۱۰) ال عمران کی آیت میں **تشابه** سے مراد احتمالات ہیں۔ جیسے **ان البقر تشابه علينا بقره** کے بارے میں اشتباہ میں پڑ گئے مختلف انواع کے بقرہ کا احتمال ہے اور محکم اس کے مقابل کو کہتے ہیں جس میں اشتباہ نہ ہو صرف ایک احتمال ہو لیکن سورہ ہود میں جو ہے احکمت آیاتہ اور سورہ الزمر میں **كتابا متشابها**۔ ان آیات میں محکم اور متشابہ کا مذکورہ معنی نہیں بلکہ محکم کا معنی یہ ہے **اى فى النظم والوصف وانه حق من عند الله معنى كتاباً متشابها اى يشبه بعضه بعضاً ويصدق بعضه بعضاً**۔ محکم ہے نظم اور مضبوطی میں اور اللہ کی طرف سے حق ہے اور کتابا متشابہا کا معنی ہے کہ قرآن مجید کا بعض حصہ بعض کے مشابہ ہے اور بعض بعض پر صادق آتا ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **فقد يطلق المحكم بمعنى المتقن النظم والمتشابه على ما يشبه بعضه بعضاً فى البلاغة وهما بهذا المعنى يطلقان على جميع القرآن وعلى ذالك خرج قوله الراحكمت آياته وقوله سبحانه كتابا متشابها مثانى** محکم کا معنی مضبوط نظم ہے۔ اور متشابہ کا معنی بعض کلام بعض کے ساتھ بلاغت میں مشابہ ہے محکم اور متشابہ اپنے ان معانی کے ساتھ پورے قرآن پر صادق آتے ہیں جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں۔ محکمات کا معنی واضح الدلالۃ اور **متشابهات**

http://mujahid.xtgem.com

لا یفهم معانیها کا وائل السور ۔ متشابہ وہ ہے جس کا معنی معلوم نہ ہو۔ جیسے اوائل السور یعنی حروف مقطعات۔ وجعله کله محکما فی قوله احکمت آیاته بمعنی انه لیس فیه عیب یعنی احکمت آیاته میں محکم کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی عیب نہیں۔ ومتشابها فی قوله کتابا متشابها بمعنی افه یشبه بعضه بعضا فی الحسن والصدق کتاباً متشابها میں متشابھا سے مراد یہ ہے کہ بعض کلام بعض کا حسن اور سچائی میں مشابہ ہے (جلالین ص ۴۶) اس تشریح کے ساتھ تعارض ختم ہو جاتا ہے قاضی بیضاوی فرماتے ہیں احکمت عبارتها بان حفظت من الاحتمال والاشتباه ۔ ال عمران میں محکمات کا معنی یہ ہے جس کی عبارت احتمالات اور اشتباہات سے محفوظ ہو آگے فرماتے ہیں واما قوله الر کتاب احکمت آیاته فمعناه انها حفظت من فساد المعنی و رکاکة اللفظ وقوله کتابامتشابها فمعناه انه یشبه بعضه بعضاً فی الصحة المعنی وجزالة اللفظ (بیضاوی ص ۱۲۹) سورہ هود میں محکم کا معنی فساد معنی اور رکاکت لفظ سے حفاظت ہے سورہ الزمر میں متشابہ سے مراد بعض کلام کا بعض کے ساتھ معنی کی صحت اور فصاحت میں مشابہ ہونا ہے۔

تعارض نمبر ۳۵ سورۃ ال عمران

آیت 38

هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لی من لدنك ذرية طيبة اس موقع پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے اولاد اچھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام کو اللہ کی قدرت کاملہ پر یقین

تھا۔ اس لئے بڑھاپے میں اولاد طلب کی کسی قسم کا شک نہیں تھا۔ لیکن بعد کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شک تھا۔ ارشاد ہے، قال رب انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامرأتی عاقر زکریاؑ نے عرض کی کہ اے میرے پرودگار میرا لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا اور میری بی بی بچہ جننے کے قابل نہیں (سورۃ ال عمران آیت 40)

تطبیق: ۔علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ انی یکون لی غلام استبعاداً من حیث العادة کما قالت مریم۔ عادۃ یہ بات بعید ہے کہ بانجھ عورت اور انتہائی بوڑھے کی اولاد نہیں ہوتی یہ جملہ بطور شک کے نہیں کہا۔ (الکشاف ج ا ص ۳۶۰) ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ من ای وجه یکون لی الولد ایکون بازالة العقر عن زوجتی ورد شبابی ام یاتی ونحن علی حالنا فکان ذالك علی سبیل الاستعلام لا علی وجه الشك ۔ولد کس کیفیت کے ساتھ پیدا ہوگا آیا میری بیوی کا بانجھ پن ختم ہوگا اور میری جوانی لوٹ آئے گی یا ہم دونوں اسی حالت میں ہونگے صرف کیفیت معلوم کرنے کے لئے کہا تھا نہ کہ شک کے لئے (زاد المسیر ج ا ص ۳۸۴)۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں استبعاداً من حیث العادة او استعظاماً و تعجباً اور استفهاما عن کیفیة حدوثه ۔بطور انکار نہیں بلکہ عادت کے طور پر یہ جملہ کہا۔ یا اس عطاء ولد کو بہت بڑا جانا اور تعجب کیا۔ یا کیفیت دریافت کرنے کے لئے کہا۔ (بیضاوی ج ا ص 137)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ قیل الرب ههنا جبرئیل ای قال لجبرئیل رب ای یا سیدی ان یکون لی غلام یعنی الولد وهذ قول الکلبی رب سے مراد جبرئیل ہے۔ حضرت جبرئیل سے کہا کہ میرے لڑکا کس طرح ہوگا۔ (تفسیر القرطبی ج ۴ ص

http://mujahid.xtgem.com

۷۹) علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ ذکریا علیہ السلام نے انتہائی شوق کی وجہ سے یہ جملہ کہا۔ تاکہ اس کے بارے میں سن کر لذت وسرور حاصل کرے۔

تعارض نمبر ۳۶ سورۃ ال عمران

آیت 38

ھنالك دعا زكريا ربه اس موقع پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکریا علیہ السلام نے وارث کے لئے دعا اس لئے کی کہ بی بی مریم کے خوارق کو دیکھا تھا۔ لیکن سورۃ مریم میں اس دعا کی وجہ اور ہے فرمایا پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی اور اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور بیوی بانجھ ہے۔ **فهب لي من لدنك وليا** سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک وارث دیجیے (آیت 5)۔

تطبیق :۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور ال عمران میں اس دعا کا باعث ظہور خوارق مریم علیہا السلام ہونا باعث مذکور فی ھذا المقام کے منافی نہیں اصل رغبت اس سے ہوئی ہو اور اظہار اس کے سبب ہوا ہو (بیان ج ۷ ص ۳) یعنی دعا کی رغبت کی وجوہات سورۃ مریم میں ہیں اور دعا کا اظہار خوارق مریم کو دیکھ کر کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس دعا کا باعث خوارق مریم کا دیکھنا تھا اور سورۃ مریم میں جو امور مذکور ہیں یہ باعث دعا نہیں بلکہ یہ وارث کے لئے دعا مانگنے کا مقدمہ ہے۔ باعث کا ذکر ال عمران میں کردیا سورہ مریم میں صرف مقدمہ ذکر کردیا۔ باعث پر اکتفاء سورۃ ال عمران میں ہوا اور مقدمہ پر اکتفاء سورۃ مریم میں ہوا۔ مختلف مقامات پر قرآن میں اسی طرح اکتفاء

ہوتا رہتا ہے۔

علامہ آلوسی نے جو لکھا ہے اس سے تقریباً یہی معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں **وعدم ذكره ههنا للتعويل على ما ذكر هنالك كما ان عدم ذكر مقدمة الدعاء هنالك للاكتفاء بذكرها ههنا والاكتفاء بماذكر فى موطن عما ترك فى موطن آخر من السنن التنزيلية** ۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۹۰)۔ یا ایک چیز کے اسباب متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔

تعارض نمبر ۳۷ سورۃ ال عمران

آیت 45

واذ قالت الملائكة يمريم ان الله يبشرك اور جب کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بی بی مریم کے پاس فرشتے آئے تھے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل آئے تھے ارشاد ہے **فارسلنا اليها روحنا** پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا (سورۃ مریم آیت ۱۷) روح سے مراد حضرت جبرائیل ہیں۔

تطبیق :۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں **والمراد من الملائكة رئيسهم جبرئيل عليه السلام** ۔ ملائکہ سے مراد حضرت جبرائیل ہیں (روح المعانی ج ۳ ص ۱۵۴) مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں یہاں بھی ملائکہ سے صرف حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ان کے جمع کے لفظ سے تعبیر باعتبار معنی جنسی کے ہے جیسے محاورہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء یہ کہتے ہیں۔ خواہ ایک ہی عالم سے سنا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت جبرئیل کے

http://mujahid.xtgem.com

ساتھ اور فرشتے بھی ہوں اور انھوں نے بھی خواہ تفصیلاً خواہ تصدیق بشارت جبرئیل کر کے اجمالاً یہ بشارت دی ہو۔(بیان القرآن ج ۲ ص ۱۹)۔

تعارض نمبر ۳۸ . سورۃ ال عمران

آیت 55

اذ قال الله يعيسىٰ انى متوفيك ورافعك الى جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور میں تم کو اپنی طرف اٹھالیتا ہوں۔ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ لیکن امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وہ آسمانوں میں زندہ ہیں قرب قیامت کو تشریف لاویں گے۔ ارشاد ہے **وما قتلوہ يقيناً بل رفعه الله اليه** اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے (سورۃ النساء ۱۵۸) معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔

تطبیق :۔ اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے لفظ توفی کی تحقیق ضروری ہے۔ عام طور پر ظاہر بین لوگ اس سے صرف موت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ موت اسکا اصل معنی نہیں یہ الگ بات ہے کہ توفی موت کے معنی میں مستعمل ہے۔ امام راغب الاصفہانی وفی کے مادہ میں اس کا معنی بیان کرتے ہیں۔ **الذی بلغ التمام يقال درهم وافٍ** کسی چیز کا پورا اور تمام ہونا یعنی پورا پورا۔ فرماتے ہیں۔ **وقد عبر عن الموت والنوم بالتوفی لفظ توفی** کبھی موت اور نیند کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ گویا اس کے تین معانی ہوئے۔

(۱) پورا قبض کرنا۔ (۲) موت۔ (۳) نیند۔ دوسری تحقیق اس آیت میں حرف واؤ

کے بارہ میں ہے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ **متوفيك ورافعك** ۔توفی اور رفع میں حرف واؤ ترتیب کے لئے نہیں بلکہ جمع کے لئے ہے یعنی دونوں معاملے آپ کے ساتھ پیش آئے ان میں ترتیب ضروری نہیں۔ امام قرطبی فرماتے ہیں **لان الواؤ لا توجب الرتبة** ۔واؤ ترتیب کے لئے نہیں۔ علامہ شنقیطی نے اضواء البیان میں بڑی تحقیق کیساتھ ثابت کیا ہے کہ واؤ صرف جمع کے لئے آتا ہے اب آیت کی تفسیر ملاحظہ فرماویں۔ امام فراء فرماتے ہیں۔ **يقال ان هذا مقدم ومؤخر والمعنىٰ فيه انى رافعك الى ومطهرك من الذين كفروا ومتوفيك بعد انزالى اياك فى الدنيا** ۔یعنی توفی اور رفع میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تجھے اپنی طرف اٹھا کر کفار سے پاک کردوں گا اور دنیا میں نازل کرنے کے بعد تجھ کو وفات دوں گا۔ یا آیت میں تقدیم و تاخیر نہیں۔ **فيكون معنى متوفيك قابضك كما تقول توفيت مال من فلان قبضته من فلان فيكون توفى على اخذه ورفعهٖ اليه من غير موت** ۔متوفی کا معنی تجھے قبض کروں گا جیسے کہتے ہیں میں نے فلاں سے درھم لے لئے توفی موت کا معنی میں نہیں ہوگا بلکہ قبض اور لینے کے معنی میں ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ تجھے قبض کر کے بغیر موت کے اپنی طرف اٹھالوں گا۔(معانی القرآن ج ا ص ۲۱۹)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **وقيل متوفيك قابضك من الارض وقيل مميتك فى وقتك بعد النزول من السماء ورافعك الآن. وقيل متوفى نفسك بالنوم من قوله والتى لم تمت فى منامها وارفعك وانت نائم حتى لايلحقك خوف و تستيقظ وانت فى السماء اٰمن مقرب** تجھے زمین سے اٹھالوں گا۔ یا تجھے آسمان سے نازل ہونے کے بعد موت دوں گا اور اب تجھے اٹھالوں گا یا

http://mujahid.xtgem.com

تجھے نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھاؤں گا تا کہ تو گھبرا نہ جائے اور جب تو بیدار ہو جائے تو اپنے آپ کو مامون اور مقرب پائے گا۔ (الکشاف ج ا ص ۶۶،۶۷ ۳)۔

تعارض نمبر ۳۹ سورۃ ال عمران

آیت 67

ماکان ابراهیم یهودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی شرک کیا ہی نہیں لیکن بعض آیات سے حکم اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ارشاد ہے۔ **رأی کو کباً قال هذا ربی** ۔انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے (سورۃ الانعام آیت ۷۶)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کیا ہے۔

تطبیق :۔حضرت ابراھیم علیہ السلام مناظر تھے ناظر نہ تھے۔ یہ قوم کیساتھ مناظرہ تھا۔ مناظرہ میں مقابل کو مات دینے کے لئے اس قسم کی باتیں علی سبیل الفرض کی جاتی ہیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **هذا ربی قول من ینصف خصمه مع علمه بانه مبطل فیحکی قوله کما هو غیر متعصب لمذهبه لان ذالك ادعیٰ الی الحق وانجیٰ من الشغب** ۔مناظرہ میں منصف مزاج مقابل کو باطل پر جانتے ہوئے اس کے مذہب کے موافق قول نقل کرتا ہے کیونکہ اس طرح حق کی طرف بلانا آسان ہے اور شور شغب سے بچنا بھی ہے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۴۰)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں **او بحزف همزة الاستفهام یعنی أهذا ربی همزه استفهام** محذوف ہے معنی یہ ہے کہ کیا یہ میرا رب ہے یہ اقرار نہیں تھا (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۲۵۸)۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں **انه قال ذالك استدراجاً للحجة** ۔حضرت ابراہیم نے **هذا ربی** ان پر حجت قائم کرنے کے لئے کہا (زادالمسیر ج ۳ ص ۴۷) امام قرطبی فرماتے ہیں **انه قال هذا ربی علی قولکم لانهم کانوا یعبدون الاصنام والشمس والقمر ونظیر هذا قوله تعالیٰ این شرکائی وهو جل و علا واحد لاشریك له والمعنیٰ این شرکای علی قولکم هذا ربی** کفار کے قول کے مطابق کہا۔ کیونکہ وہ بتوں اور شمس وقمر کی عبادت کرتے تھے۔ اس کی نظیر این شرکائی ہے۔ اللہ فرمائیں گے میرے شریک کہاں ہیں۔ حالانکہ وہ واحد لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کفار کے زعم کے مطابق ہے (تفسیر القرطبی ج ۷ ص ۲۶)۔

بعض کو اللہ تعالیٰ کے اس قول **لئن لم یهدنی ربی** اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا سے شبہ ہوا کہ حضرت ابراہیم مناظر نہ تھے بلکہ ناظر تھے اور **هذا ربی** اول ان کے زعم میں تھا۔ لیکن اکثر محققین مفسرین اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی زندگی کے ہر زمانہ میں معصوم ہوتے ہیں **لئن لم یهدنی** تو حضرت ابراہیم نے انکسار کے طور پر کہا ہے۔ ہدایت کو اللہ کا فضل اور کرم جانا۔ اس کو اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھا۔ **لئن لم یهدنی** کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ہدایت پر نہ تھے۔ ایک موقعہ پر یہ بھی کہا ہے **واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام** اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے (سورہ ابراہیم آیت ۳۵) حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا **وما ابرئ نفسی** اور میں

http://mujahid.xtgem.com

اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا (سورۃ یوسف آیت ۵۳) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یوسف علیہ السلام نے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ بلکہ اس جرم سے محفوظ و مامون رہنے کو اللہ کا فضل سمجھا۔ قاضی بیضاوی **لئن لم یهدنی** کی تفسیر میں فرماتے ہیں **ارشاداً لقومه و تنبیهاً لهم** ۔یہ جملہ قوم کو تنبیہ اور سمجھانے کے لئے کہا (بیضاوی ج ا ص ۲۶۰) اس لئے نہیں کہا کہ عیاذاً باللہ خود ہدایت پر نہ تھے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ **قال ذالك شكراً لنعمة الهداية من الله تعالىٰ كما قال رسول الله لولا الله ما اهتدينا ولا نصدقنا** ۔حضرت ابراہیم نے **لئن لم یهدنی** اللہ تعالیٰ کی نعمت ہدایت کے شکریہ کے طور پر کہا۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا اگر اللہ نہ ہوتے تو ہمیں ہدایت اور تصدیق نہ ملتی (مظہری ج ۳ ص ۲۶۱) اس بات کی ایک اور دلیل کے حضرت ابراہیم مناظر تھے ناظر نہ تھے یہ آیت ہے **وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم علىٰ قومه** ط (سورۃ الانعام آیت ۸۳) اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی حضرت ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابل۔ حجت اور دلیل مناظرہ میں پیش کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تعارض نمبر ۴۰ — سورۃ ال عمران

آیت 90

ان الذين كفروا بعد ايمانهم ثم ازدادوا كفراً لن تقبل توبتهم ۔بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں ان کی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد جب کفر میں بڑھتا جائے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی حالانکہ مرتد کی توبہ قبول ہوتی ہے ارشاد ہے **الا الذين تابوا من بعد ذالك**

واصلحوا فان الله غفور الرحيم ۔ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اس کے بعد اور اپنے کو سواریں سو بے شک خدا تعالیٰ بخش دینے والے رحمت کرنے والے ہیں۔ (ال عمران آیت ۸۹) ارشاد باری ہے **وهو الذي يقبل التوبة عن عباده ويعفوا عن السيات** اور وہ ایسا ہی ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ تمام گناہ معاف کردیتا ہے (سورۃ الشوریٰ آیت ۲۵) ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد مقبول التوبہ ہے۔

تطبیق:۔ مفسرین نے **لن تقبل توبتهم** کی کئی توجیہات بیان کی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد مقبول التوبہ ہے اور آیات میں تعارض نہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

(۱) **ان هذه التوبة لم تكن عن الكفر وانما هي عن ذنوب كانوا يفعلونها معه فتابوا عنها مع اصرارهم على الكفر فردت عليهم ذالك**۔ ان کی توبہ کفر سے نہ تھی بلکہ کفر کے ہوتے ہوئے جو گناہ کرتے تھے۔ تو اس سے توبہ کرتے تھے تو کافر رہتے ہوئے گناہوں کی توبہ مقبول نہیں۔

(۲) **لانهم لا يتوبون الا عند حضور الموت والمعائنة وعند ذالك لا تقبل توبة الكافر** ان کی یہ توبہ موت کے وقت تھی اور موت کے غرغرے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

(۳) **عن ابن عباس لانها لم تكن عن قلب وانما كانت نفاقاً** ان کی توبہ دل سے نہیں تھی بلکہ توبہ میں بھی نفاق تھا۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۸) علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **جعلت عبارة عن الموت على الكفر لان الذى لا تقبل توبته من الكفار هو الذى يموت على الكفر كانه قيل ان اليهود والمرتدين الذين فعلوا ما فعلوا مائتون على الكفر داخلون في جملة من لا تقبل توبتهم**۔

http://mujahid.xtgem.com

یہ کنایہ ان کی موت علی الکفر سے جس کی توبہ قبول نہ ہوئی یہ وہی کافر ہے جو کفر پر مرا گویا یوں کہا گیا کہ وہ یہود اور مرتدین کفر کرنے کے بعد کفر کی حالت میں مرے تو ان لوگوں سے ہوگئے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (الکشاف ج ا ص ۳۸۲)۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں **لانهم لایتوبون اولا یتوبون الا اذا اشفوا علی الهلاك** یا تو توبہ نہیں کرتے یا اس وقت توبہ کرتے ہیں کہ موت کو سامنے دیکھ لیں۔

فکنی عن عدم توبتهم بعد م قبولها عدم توبہ عدم قبول سے کنایہ ہے (بیضاوی ج ا ص ۱۴۵) امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **لن تقبل توبتهم مشکل لقوله وهو الذی یقبل التوبة عن عباده ویعفوا عن السیئات**۔ ان دونوں آیتوں کا تکراؤ ہے جواب دیتے ہیں۔ **المعنیٰ لن تقبل توبتهم عند الموت** ۔ موت کے منظر کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (۲) **التی کانوا علیها قبل ان یکفروا لان الکفر قداحبطها**۔ کفر کی حالت سے قبل جو توبہ کی تھی وہ مقبول نہیں کیونکہ بعد میں اس توبہ پر کفر طاری ہوا۔ لہذا کفر نے اس توبہ کو ختم کر دیا۔ (۳) **اذا تابوا من کفر هم الی کفر آخر وانما تقبل توبتهم اذا تابوا الی الاسلام**۔ وہ توبہ قبول نہیں جو ایک کفر سے دوسرے کفر کی طرف ہو اگر کفر سے اسلام کی طرف ہو تو وہ قبول ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۴ ص ۱۳۱،۱۳۰)۔

تعارض نمبر ۴۱ سورۃ ال عمران

آیت 102

یایها الذین اٰمنوا اتقوا الله حق تقاته اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو

ڈرنے کا حق اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوب ڈرو۔ لیکن سورۃ التغابن میں حکم اس کے خلاف ہے۔ **فاتقوا الله ما استطعتم** تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (آیت 16) یعنی جتنا ہو سکے۔

تطبیق:۔ ابن کثیر فرماتے ہیں **ان هذه الآیة منسوخة بقوله فاتقو الله ما استطعتم**۔ حق تقاتہ منسوخ ہے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ منسوخ نہیں فرماتے ہیں۔ **ولکن حق تقاته ان یجاهدوا فی سبیله حق جهاده ولا تاخذهم فی الله لومة لائم ویقوموا بالقسط ولو علی انفسهم و ابائهم وابنائهم** (ابن کثیر ج ۲ ص ۸۳) حق تقاتہ کا معنی یہ ہے کہ کسی کی ملامت کی پروا کیے بغیر اس کے راستہ میں جہاد کا حق ادا کرنا اور انصاف پر قائم رہنا اگرچہ خود اپنے آپ یا والد اور بیٹوں کے خلاف حکم کرنا پڑے۔ علامہ زمخشری نے ایسا معنی بیان کیا ہے کہ دونوں آیتوں کا مفہوم اس میں آ گیا۔ **یرید بالغوا فی التقوی حتی لا تترکوا من المستطاع منها شیا**۔ (الکشاف ج ا ص ۳۹۴) تقوی میں اتنی کوشش کرو کہ اپنی طاقت جواب دے دے۔

تعارض نمبر ۴۲ سورۃ ال عمران

آیت 103

وکنتم ~~علی~~ شفا حفرة من النار فانقذکم منها اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔ اس آیت کے مخاطبین انصار یا کفار ہیں جو اہل فترۃ تھے۔ ان کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پاس ابھی تک نبی نہیں آیا تھا [illegible] سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں مر جاتے تو سیدھا دوزخ کے عذاب

http://mujahid.xtgem.com

میں جاتے حالانکہ اھل فترۃ کو سزا دینا اس آیت کے منافی ہے۔ **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** ۔ اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 15) دیگر آیات سے بھی یہ مضمون معلوم ہوتا ہے۔

تطبیق:۔ اس آیت کے مخاطبین فترۃ کے زمانہ سے نکل چکے تھے۔ کیونکہ حضور کی نبوت دلائل کے ساتھ ان کے سامنے آ گئی تھی۔ ایسی حالت میں اللہ تعالی نے ان پر احسان کیا کہ ان کو ایمان کی توفیق دی ورنہ سیدھا جہنم رسید ہو رہے تھے۔ علامہ شنقیطی فرماتے ہیں۔ **انہ برسالۃ محمد لم یبق عذر لا حد فکل من لم یومن بہ فلیس بینہ وبین النار الا ان یموت** (اضواء البیان ج ۱۰ ص ۶۷) حضور کی رسالت کے بارے میں کسی کے ساتھ عذر نہ تھا۔ پس جو بھی ایمان نہ لاتا تو اس کے اور آگ کے مابین صرف موت حائل تھی۔ آگ میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں **وکنتم مشفین علی ان تقعوا فی نار جھنم لما کنتم علیہ من الکفر** اور تم آگ میں گرنے کے قریب تھے کیونکہ کفر پر قائم تھے۔ (الکشاف ج ۱ ص ۳۹۵)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **قال المھدوی وھذا تمثیل یراد بہ خروجھم من الکفر الی الایمان مھدوی** کہتے ہیں کہ یہ ان کے کفر سے نکل کر ایمان کی طرف آنے کی ایک مثال ہے۔ (تفسیر القرطبی ج ۴ ص ۱۶۵)۔ یہ صرف مثال ہے کہ کیسے اللہ نے کرم کیا کہ تم کو ایمان کی روشنی سے منور کر دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ فترۃ کے زمانے میں وفات پا کر عذاب میں مبتلا ہوئے۔

تعارض نمبر ۴۳ سورۃ ال عمران

آیت 123

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالی نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے۔ اذلۃ ذلیل کی جمع ہے۔ اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ذلیل تھے حالانکہ مسلمان معزز تھے۔ ارشاد بانی ہے۔ **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین** اور اللہ ہی کی عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی (سورۃ المنافقون آیت 8)۔

تطبیق:۔ اس آیت میں ذلت سے مراد بے سروسامانی ہے۔ مسلمان کمزور تھے۔ جیسے حق تعالی کا ارشاد ہے **واذکروا اذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ** اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں سو اللہ تعالی نے تم کو رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی (سورۃ الانفال آیت 26) اس لحاظ سے عزت اور ذلت جمع ہو سکتی ہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں **ما کان بھم من ضعف الحال وقلۃ السلاح والمال والمرکوب**۔ مسلمانوں کیساتھ مال اسلحہ اور سواری کی کمی تھی (الکشاف ج ۱ ص ۴۱۱) ابن الجوزی فرماتے ہیں **وانتم اذلۃ ای لقلۃ العدد والعدد**۔ گنتی اور مال کے لحاظ سے کمزور تھے (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۵۰) علامہ آلوسی فرماتے ہیں **والمراد بھا عدم العزۃ لا الذل المعروف** ذلت کا معنی بے سروسامانی ہے۔ لفظ ذلت سے عام طور پر جو سمجھا جاتا ہے جو معزز

http://mujahid.xtgem.com

کے مقابلہ میں ہے وہ مراد نہیں۔ مزید فرماتے ہیں۔ **وقیل لا مانع من ان یراد المعنی المعروف ویکون المراد وانتم اذلة فی اعین غیر کم وان کنتم اعزة فی انفسکم** ۔ اگر ذلت کا مشہور معنیٰ لیا جائے تو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اغیار کی نظروں میں تم ذلیل ہوا گرچہ تم اپنی جگہ معزز ہو۔ (روح المعانی ج ۴ص ۴۴،۴۳) آج بھی معزز مسلمان کو بعض لوگ ذلیل سمجھتے ہیں۔

امام راغب فرماتے ہیں۔ **والذل متی کان من جهة الانسان نفسه لنفسه فمحمود نحوقوله تعالیٰ اذلة علی المؤمنین، ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة** ۔ (مفردات القرآن ص ۱۸۱)۔ ذلت اگر انسان پر خود اس کی ذات کی طرف سے ہوتو محمود ہے۔ آیت میں یہی محمود ذلت مراد ہے۔

تعارض نمبر ۴۴ — سورۃ ال عمران

آیت 142

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جاهدوا منکم ویعلم الصٰبرین ۔ ہاں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گئے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت کا داخلہ اس وقت ملے گا جب امتحان اور مشقت میں ڈالا جائے۔ بلا مشقت داخلہ نہیں ملے گا۔ حالانکہ بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا مشقت جنت ملے گی۔ ارشاد ہے۔ **ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفرومادون ذالك لمن یشاء**۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان

کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے (سورۃ النساء آیت 48)۔

تطبیق:۔ کچھ نہ کچھ مشقت تو ہر آدمی برداشت کر رہا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اول ہی چلا جائے اور درجات عالیہ پر بھی پہنچ جاوے سو یہ بدون مشقت کے نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے اور باقی نفس دخول بعض مؤمنین کے لئے محض فضل وکرم سے بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا **یغفرلمن یشاء** سے اہل حق نے سمجھا ہے۔ (بیان القرآن ج ۲ص ۶۰)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **والمعنی ام حسبتم یا من انهزم یوم احد انه تدخلوا الجنة کما دخل الذین قتلوا و صبروا علی ألم الجراح والقتل** ۔ اے وہ لوگو جنہوں نے احد میں شکست کھائی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں ان لوگوں کی طرح داخل ہو جاؤ گے جو قتل ہوئے اور زخم اور قتل کی تکالیف پر صبر کیا (قرطبی ج ۴ ص ۲۲۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ **ام حسبتم** میں خطاب سب سے نہیں بلکہ صرف منہزمین احد کے لئے ہے اس لئے **ویغفر مادون ذالك** کیساتھ منافی ہیں۔

دفع تعارض کے لئے ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مقصود اس قسم کی آیات سے مسلمانوں کی تشجیع ہے۔ کہ ہر قسم کے شدائد اور مصائب آئیں گے ان کو برداشت کر کے ثابت قدم رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ جس پر شدائد نہ آئیں تو جنت میں داخل نہ ہوگا کسی نہ کسی درجے میں ہر شخص مشقت برداشت کر رہا ہے۔ ایمان پر ثابت قدمی اور اعمال صالحہ کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنا ایک مستقل مشقت ہے۔

اس قسم کی ایک آیت سورۃ البقرۃ میں بھی ہے۔ **ام حسبتم ان تد خلوا الجنة ولما**

http://mujahid.xtgem.com

یا تکم مثل الذین خلوا من قبلکم ۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو گے حالانکہ تم کو ھنوز ان لوگوں کا سا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں (آیت 214) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی مسلمان کو بطور آزمائش کوئی حادثہ پیش نہ آئے تو جنت نہیں جائے گا۔

تعارض نمبر ۴۵ سورۃ ال عمران

آیت 155

ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم ۔ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا ہے واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے اور بڑے حلم والے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ حلم والے ہیں۔ اس نے صحابہ کرام کو معاف کر دیا۔ ان کو سزا نہیں دی۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ خندق میں چند صحابہ کرام کی غلطی کی وجہ سے ان کو سزا ملی ہے ارشاد ہے **فاثابکم غما بغم لکیلا تخزنو علی ما فاتکم ولا ما اصابکم** ۔ سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا سبب غم دینے کے تاکہ مغموم نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے (سورۃ ال عمران آیت 153) **فاثابکم** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پاداش ہوئی ہے۔

تطبیق:۔ استاد اگر کسی شاگرد کو کسی غلطی پر سزا دے تو صورتا تو وہ سزا ہوتی ہے لیکن حقیقت میں تادیب اور اصلاح ہوتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ حلیم سے مفہوم ہوتا ہے کہ عقوبت نہیں ہوئی حالانکہ **اثابکم** وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاداش ہوئی جواب یہ ہے کہ عقوبت قہریہ نہیں ہوئی پاداش اصلاحی ہوئی (بیان القرآن ج ۲ ص ۶۶) امام

نیشا پوری فرماتے ہیں **انه عاقبهم بغم الهزيمة ليتمرنوا على تجرع الغموم واحتمال الشدائد** ۔ ان کو شکست کی عقوبت اس لئے دی تاکہ غموں کو ہضم کرنے اور تکالیف برداشت کرنے کی اچھی مشقیں کرلیں۔ (غرائب القرآن ج ۴ ص ۱۰۷ حاشیہ طبری) اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ پاداش ان کے لئے اصلاح تھی۔

تعارض نمبر ۴۶ سورۃ ال عمران

آیت 164

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول ان ہی میں سے۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت صرف مومنین کے لئے باعث رحمت ہے اور صرف ان پر احسان کیا۔ حالانکہ ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری انسانیت اور کائنات کے لئے باعث رحمت ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے احسان تلے دبا ہوا ہے۔ ارشاد ہے۔ **وما ارسلناك الا رحمة للعلمين** اور تجھ کو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)۔

تطبیق:۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **وخص المؤمنين بالذكر لانهم المنتفعون به فالمنته عليهم اعظم** ۔ مؤمنین کا ذکر بطور خاص اسلئے ہوا کہ یہ حضور سے استفادہ کرنے والے ہیں لہذا ان پر حضور کا سب سے زیادہ احسان ہے۔ (قرطبی ج ۴ ص ۲۶۴)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **وتخصيص المؤمنين بالامتنان مع عمومه نعمة البعثة كما يدل عليه قوله تعالى وما ارسلنك الا رحمة للعلمين لمزيد**

http://mujahid.xtgem.com

انتفاعهم على اختلاف الاقوال فيهم بها ونظير ذالك قوله تعالىٰ هدًى للمتقين ۔حضورؐ کی بعثت کی نعمت عام ہے لیکن اس احسان کا ذکر بطور خاص مؤمنین کے لئے اس لئے ہوا کہ انہوں نے زیادہ نفع حاصل کیا۔اس کی نظیر یہ آیت ہے کہ قرآن مجید ڈرنے والوں کے لئے ہدایت (روح المعانی ج ۴ ص ۱۱۳) حالانکہ هدى للناس بھی ہے لیکن ہدایت سے زیادہ مستفید ہونے والے متقی لوگ ہیں۔

تعارض نمبر ۴۷ سورۃ ال عمران

آیت 186

وان تصبروا تتقوا فان ذالك من عزم الامور ۔ اور اگر صبر کرو گے اور پرہیز رکھو گے تو یہ تاکیدی احکام میں سے ہے۔خذا لعفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين ۔سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے (الاعراف ۱۹۹) اس قسم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر وتقویٰ سے کام لو جاہلوں کیساتھ الجھنے کی کوشش نہ کرو۔لیکن قتال کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ وقتال سے پیچھے نہ ہٹو۔ارشاد ہے وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين لله ۔اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جاوے (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳)۔

تطبیق:۔مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو یا مواقع انتقام میں انتقام نہ لو یا مواقع قتال میں قتال نہ کرو بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع ومصالح ہیں اور تقویٰ یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے بچو گو

تدبیر بھی کی جاوے۔پس آیات صبر آیات قتال سے معارض نہیں کہ احتیاج نسخ ہو۔(بیان القرآن ج ۲ ص ۸۲) بعض کا خیال ہے کہ صبر وتقویٰ کا حکم آیات قتال کے نزول سے قبل تھا۔قتال کے حکم سے صبر وتقویٰ کا حکم منسوخ ہوگیا۔لیکن علامہ آلوسی فرماتے ہیں صحیح عدم النسخ وان الامر بماذكر كان من باب المداراة التي لا تنافي الامر القتال ۔صحیح یہ ہے کہ صبر وتقویٰ کا حکم منسوخ نہیں کیونکہ اس کا تعلق مدارات کیساتھ ہے جو قتال کے منافی نہیں (روح المعانی ج ۴ ص ۱۴۸) مدارات کا معنیٰ ہے سرسری برتاؤ یا ظاہرداری۔امام قرطبی فرماتے ہیں والا ظهر انه ليس منسوخ فان الجدال بالاحسن والمداراة ابداً مندوب اليها وكان عليه السلام مع الامر بالقتال يوادع اليهود ويداريهم ويصفح المنافقين وهذا بين اظهر بات یہی ہے کہ صبر وتقویٰ کا حکم منسوخ نہیں کیونکہ اچھے طریقے سے جدال اور سرسری برتاؤ ہمیشہ پسندیدہ فعل رہا ہے اور حضورؐ کو قتال کا حکم بھی تھا اور یہود کیساتھ امانتیں بھی رکھا کرتے تھے اور ان کیساتھ سرسری برتاؤ بھی قائم تھا۔منافقین کو درگزر کرتے تھے۔(قرطبی ج ۴ ص ۳۰۴)۔

تعارض نمبر ۴۸ سورۃ النساء

آیت 3

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة پس اگر تم کو احتمال ہو اس کا کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیبیاں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان میں عدل ممکن ہے۔اختیار سے باہر نہیں۔لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیبیوں میں

http://mujahid.xtgem.com

عدل ناممکن بلکہ محال ہے۔ ارشاد ہے **ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم** اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا جتنا بھی جی چاہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۲۹)۔

تطبیق:۔ ایک عدل محبت میں ہے۔ محبت غیر اختیاری شی ہے اس میں انسان کے کسب کو دخل نہیں۔ کیونکہ طبعی میلان ہے۔ اس لئے بیبیوں کے مابین محبت میں عدل کوئی بھی قائم نہیں رکھ سکتا۔ جس آیت میں عدل کی نفی ہے یہی مراد ہے اور جس آیت سے عدل کا امکان ثابت ہے اس سے مراد اختیاری امور مثلاً ہر بی بی کیساتھ شب باشی کیلئے باری مقرر کرنا مراد ہے۔ علامہ زمخشری **لن تستطیعوا ان تعدلوا** کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **وقیل معناہ ان تعدلوا فی المحبۃ، عدل فی المحبۃ** مراد ہے۔ (الکشاف ج ا ص ۵۷۲)۔ ابن الجوزی **ان لا تعدلوا** کی تفسیر میں لکھتے ہیں **اراد العدل فی القسم بینھن**۔ عدل سے مراد بیبیوں کے مابین شب باشی کے لئے باری مقرر کرنا ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۹) **ان لا تعدلوا کی تفسیر میں ابن الجوزی لکھتے ہیں قال اھل التفسیر لن تطیقوا ان تسووا بینھن فی المحبۃ ھی میل الطبع لان ذالك لیس من کسبکم** اہل تفسیر فرماتے ہیں تم محبت میں مساوات قائم نہیں رکھ سکتے۔ محبت طبعی میلان ہے جس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں۔ (زاد المسیر ۲ ص ۲۰۹)۔

تعارض نمبر ۴۹ — سورۃ النساء

آیت 12

وان کان رجل یورث کللۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسی ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کلالہ کی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلالۃ کی بہن کو کل ترکہ کا نصف ملے گا۔ ارشاد ہے **ان امرا ھلك لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترك**۔ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن بھائی ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۷۶)۔

تطبیق:۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں **اخ او اخت من الام فقط۔ وعلی ذالك عامۃ المفسرین حتی ان بعضھم حکی الاجماع علیہ**۔ سورۃ النساء کی اول آیت میں کلالہ کا بھائی اور بہن من الام مراد ہے۔ ماں شریک جس کو اخیافی کہتے ہیں اس کو سدس (چھٹا) ملے گا۔ بعض نے (من الام) قید پر اجماع نقل کیا ہے سورۃ النساء کی آخری آیت ولہ اخت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ **والمراد بالاخت الاخت من الابوین والاب لان الاخت من الام فرضھا السدس**۔ اخت سے مراد اخت من الاب و الام یا صرف اب سے۔ یعنی اعیانی یا علاتی بہن ہے۔ کیونکہ اخیافی بہن کے لئے سدس ہے۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۲۴۴) ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **ولہ اخ او أخت یعنی**

http://mujahid.xtgem.com

من الام بالا جماع ۔اول آیت میں من الام یعنی اخیافی اجماعاً مراد ہے (زاد المسیر ج۲ص۳۳) ولہ اخت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ یرید من ابیه وامه ایسی بہن جو ماں باپ کے لحاظ سے شریک ہو یعنی اعیانی۔(زاد المسیر ج۲ص۲۶۶)۔

تعارض نمبر ۵۰ سورۃ النساء

آیت 15

والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت ۔اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمھاری بیبیوں میں سے سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کرلو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو۔(آیت ۱۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت زنا کرے تو اس کی سزا موت تک حبس ہے۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کار عورت کی سزا کوڑے ہیں۔ارشادی باری ہے الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منها زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان میں سے ہر ایک کو درے مارو (سورۃ النور آیت ۲)۔

تطبیق :۔علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ وکان ذالک عقو بتهن فی اول الاسلام ثم نسخ بقوله الزانیة والزانی ۔زنا کار عورت کو گھر میں موت تک محبوس رکھنا اسلام کا ابتدائی حکم تھا۔ پھر الزانیة والزانی کیساتھ منسوخ ہو گیا یا یہ حکم منسوخ نہیں ۔فرماتے ہیں۔ ویجوز ان تکون غیر منسوخة بان یترک ذکر الحد لکونه معلوما بالکتاب والسنة ویوصی بامساکهن فی البیوت بعد ان یحدون صیانة

لهن عن مثل ما جری علیهن بسبب الخروج من البیوت والتعرض للرجال او یجعل الله لهن سبیلاً ۔ هو النکاح الذی یستغنین به عن السفاح سورۃ نساء کے اس حکم کو منسوخ نہ کیا جائے جبکہ یوں سمجھا جائے کہ اس آیت میں حد کا ذکر نہیں کیونکہ زنا کار عورت کی حد قرآن وحدیث سے معلوم ہے۔اور ان عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا جائے تا کہ اس جرم سے بچ جائیں جو گھروں سے نکل کر مردوں کے اختلاط کی وجہ سے ہوا۔اور یجعل الله لهن سبیلاً کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک گھروں میں رکھو جب تک ان کے نکاح کا بندوبست نہ ہو جائے نکاح کی وجہ سے زنا سے مستغنی رہیں گی (الکشاف ج۱ص۴۸۷)۔

علامہ زمخشری کی اس دوسری توجیہ عدم نسخ کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں زنا کار عورت کو حد لگانے کا ذکر نہیں بلکہ وہ حکم سورۃ نور میں ہے اس میں صرف یہ حکم ہے کہ ایسی عورتوں کو گھروں میں محبوس رکھو تا کہ دوبارہ زنا کی نوبت نہ آئے یا پھر نکاح کر لیں۔

تعارض نمبر ۵۱ سورۃ النساء

آیت 23

وان تجمعوا بین الاختین اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی دو آزاد بہنوں کو نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔اسی طرح اگر لونڈیاں بھی بہنیں ہوں تو ملک یمین میں نہیں رکھ سکتا۔ اس آیت کے عموم کا مقتضی یہ ہے۔لیکن بعض آیات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک یمین سے دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھ سکتا ہے۔ ارشاد ہے او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر

http://mujahid.xtgem.com

کوئی الزام نہیں (سورۃ المومنون آیت ۶)۔

تطبیق:۔دو بہنوں کو نکاح میں ایک ساتھ رکھنا تو نصاً حرام ہے۔لیکن **ان تجمعوا بین الاختین** کے عموم سے دو بہنوں کا ملک یمین کیساتھ بھی رکھنا حرام ہے۔دو بہنوں کا لونڈیاں بنا کر جمع کرنا دو طریق سے ہے۔ملک اور وطی کے اعتبار سے اس آیت کے عموم سے دونوں لحاظ سے حرمت معلوم ہوتی ہے نہ تو دونوں بہنوں کو اپنی ملک میں رکھ سکتا ہے اور نہ ان کیساتھ جماع کرسکتا ہے۔بعض کے نزدیک دو بہنوں کو اپنی ملک میں رکھ سکتا ہے لیکن جماع نہیں کرسکتا۔یعنی اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو وطی کے لحاظ سے جمع نہیں کرسکتا اس لئے امام قرطبی فرماتے ہیں۔ **مذھب کافۃ العلماء الی انہ لایجوز الجمع بینھما بالملک فی الوطء** سب علماء کے نزدیک ان کا وطی کے لحاظ سے جمع کرنا ناجائز ہے۔پھر فرماتے ہیں **وان جمہور اھل العلم کرھوا ذالک** ۔جمہور اہل علم اس کو مکروہ جانتے ہیں۔(قرطبی ج ۶ ص ۱۱۶) علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **نعم جمعھما فی الوطء بملک یمین ملحق بہ بطریق الدلالۃ لا تحادھما فی لامدار فیحرم عند الجھور**۔ان کا مالک بن کر ان سے وطی کرنا دلالت النص سے حرام ہے ۔آزاد اور لونڈیوں کی حرمت کی علت ایک ہی ہے اسلئے جمہور کے نزدیک یہ حرام ہے۔آگے فرماتے ہیں **فالمرجح التحریم عند المعارضۃ** تعارض کے وقت حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔(روح المعانی ج ۴ ص ۲۶۰) امام رازی فرماتے ہیں کہ دو بہنوں کو ملک یمین میں جمع کرنا جبکہ وطی نہ ہو پھر بھی منع ہے۔علامہ شنقیطی فرماتے ہیں۔ **لو سلمنا المعارضۃ بین الآیتین فالاصل فی الفروج التحریم حتی یدل دلیل لا معارض لہ علی الاباحتہ** اگر آیتوں میں معارضہ تسلیم کریں تو فروج (شرمگاہوں)

میں اصل حرمت ہے۔ان میں حلت کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہوگی جس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو لہذا حرمت برقرار رہے گی۔ایک اور دلیل حرمت کی بیان کی ہے۔ایک آیت کا عموم حرمت کا مقتضی ہے دوسری آیت کا عموم حلت کا مقتضی ہے۔مباح کو چھوڑنا آسان ہے ارتکاب حرام سے (اضواالبیان ج ۱۰ ص ۴۷)۔

تعارض نمبر ۵۲ — سورۃ النساء

آیت 26

یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم اللہ تعالی کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کردے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتائے ایک اور ارشاد ہے **اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ** ۔یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالی نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلئے (سورۃ الانعام آیت ۹۰) ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ شریعتیں ہمارے لئے شریعت ہیں۔لیکن ایک آیت سے اس کے خلاف حکم معلوم ہوتا ہے۔ارشاد ربانی ہے **لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھا جاً** ۔تم میں سے ہر ایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی (سورۃ المائدۃ آیت ۴۸) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر امت کی الگ الگ شریعت ہے۔

تطبیق:۔اصول کے لحاظ سے تمام امتیں مشترک ہیں۔عقیدہ توحید رسالت، قیامت وغیرہ اور فروع میں جدا جدا ہیں۔اصول میں اشتراک کی دلیل یہ ہے **شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا** راہ ڈال دی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو (سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳) اسی آیت میں آگے ارشاد ہے **ان اقیموا الدین ولا**

http://mujahid.xtgem.com

تتفرقوا فيه یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں **والمراد اقامة دين الاسلام الذي هو توحيد الله وطاعته والايمان برسله وكتبه ويوم الجزاء وسائر مايكون باقامته مسلماً ولم يرد الشرائع التي هي مصالح الامم على حسب احوالها فانها مختلفة متفاوتة قال الله لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجاً** اقامت دین سے مراد اسلام ہے جس میں اللہ کی توحید، رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، یوم جزاء اور ان تمام باتوں کا اقرار جس سے آدمی مسلمان بنتا ہے شامل ہیں۔ اقامت دین سے شریعت مراد نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف احوال اور مصلحت کے اعتبار سے ہر امت کو الگ شریعت دی ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجاً** (الکشاف ج ۴ ص ۲۱۵) رہی وہ آیات جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعتیں ہماری شریعت ہیں ان آیات سے یہ مفہوم نکالنا صحیح نہیں۔ ان آیات سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ گذشتہ شریعتوں کی کوئی بات اگر منسوخ نہ ہو اور قرآن و حدیث میں مذکور ہو تو اس پر عمل واجب ہوگا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ **وهذه الآية دليل على ان شرائع من قبلنا مالم يظهر كونها منسوخة في شريعتنا واجب علينا اذا ثبت عندنا بالكتاب والسنة** (مظہری ج ۲ ص ۸۶) ابن الجوزی **ويهديكم سنن** کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **من اهل الحق والباطل لتجتنبوا الباطل وتجيبوا الحق ويهديكم الى الحق** ۔ تمہیں گذشتہ لوگوں میں سے اہل حق اور باطل کے بارے میں بتادیں۔ تاکہ تم باطل سے اجتناب کرو اور حق کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاسکو۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۵۹) یعنی اس آیت میں ان کی شریعت کے اتباع

کا ذکر نہیں بلکہ عبرت کے لئے ان کے احوال پر غور کا ذکر ہے۔

اس لئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ **وليس المراد ان الحكم كان كذالك في الامم السالفة** ۔ یہ مراد نہیں کہ گذشتہ امتوں کے لئے بھی یہی حکم تھا جو تم کو ہوا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۳)۔ علامہ آلوسی ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں۔ جس سے آیات کا تعارض ختم ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ **بان كل آية دلت على عدم الاختلاف محمولة على اصول الدين ونحوها**۔ جس آیت سے یہ معلوم ہو کہ امتوں کے احکام میں اختلاف نہیں اس سے مراد اصول دین ہیں۔ **والتحقيق في هذا المقام انا متعبدون باحكام الشرائع الباقية من حيث انها احكام شرعتنا لا من حيث انها شرعة الاولين** ۔ تحقیق یہ ہے کہ ہم گذشتہ شریعتوں کے جن احکام پر عمل کرتے ہیں وہ اس حیثیت سے ہے کہ یہ احکام اب ہماری شریعت بن گئے نہ اس حیثیت سے کہ یہ احکام ان کی شریعت ہیں (روح المعانی ج ۶ ص ۱۵۴) اس توجیہ سے بھی تعارض باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ گذشتہ شریعت کا غیر منسوخ حکم جب قرآن حدیث میں مذکور ہو تو اب اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ گذشتہ شریعت کا حکم ہے بلکہ اب وہ حکم اس شریعت کا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض فروعی احکامات میں شریعتیں مشترک ہیں۔

تعارض نمبر ۵۳ — سورة النساء

آیت 32

ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض ۔ اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا

http://mujahid.xtgem.com

کہ فضائل وکمالات کی تمنا منع ہے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائل وکمالات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ارشاد ہے۔ **فاستبقوا الخیرات** نیکی باتوں کی طرف دوڑو (سورۃ المائدۃ آیت ۴۸) ایک اور ارشاد ہے **وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون** ۔اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے (سورۃ التطفیف آیت ۲۶)۔

تطبیق :۔ فضیلت کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری اور کسبی (۲) غیر اختیاری۔ آیت میں غیر اختیاری فضیلتوں کے حصول کی تمنا منع ہے ایسی فضیلتیں انسان کے بس سے باہر ہوتی ہیں۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **لان ذالک التفضیل قسمة من اللہ صادرة عن حکمة وتدبیر و علم باحوال العباد** ۔کیونکہ انسانوں میں ایک دوسرے پر برتری اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے۔ بندوں کے احوال کو دیکھ کر اپنے علم، حکمت اور تدبیر کی وجہ سے ایسا کیا ہے (الکشاف ج ۱ص ۵۰۴) غیر اختیاری امور مثلاً مرد ہونا، اعلیٰ خاندان سے ہونا خوب صورت ہونا اچھے ذہن اور ذہانت کا مالک ہونا۔ ان غیر اختیاری امور کی تمنا کی وجہ سے حسد اور بغض پیدا ہوگا۔ اور اختیاری امور میں تنافس کی وجہ سے خود باکمال بن جائے گا۔ اور نجات اخروی کا فیصلہ بھی ان اختیاری فضیلتوں کی بنا پر ہوگا۔ اگر چہ بعض غیر اختیاری فضیلتوں کو بھی دخل ہے جیسے مومن کا حضور ﷺ کے زمانے میں ہونا۔

تعارض نمبر۵۴ سورۃ النساء

آیت 33

والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے

ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ دے دو۔ اس کو عقد موالات اور مولی الموالاۃ بھی کہتے ہیں۔ دو آدمی باہم عہد و پیمان کر لیں کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اور جو مر جائے دوسرا اس کی میراث لے گا۔ اس طرح ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے ہیں۔ حلیف کو سدس ملتا تھا۔ لہذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ حلیف کو سدس اب بھی ملے گا۔ لیکن میراث کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حلیف کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ ارشاد ہے **واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعضٍ فی کتاب اللہ** ۔اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں (سورۃ الانفال آیت 75) معلوم ہوا میراث رشتہ دار کو ملے گی۔

تطبیق :۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ **فیکون للحلیف السدس من میراث الحلیف فنسخ** ۔حلیف کو سدس ملتا تھا اب یہ حکم منسوخ ہے (الکشاف ج ۱ص ۵۰۵) جب ورثاء موجود ہوں تو حلفاء ایک دوسرے کی میراث نہیں لے سکتے اس پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ میراث کی آیات سے حلیف کا حصہ منسوخ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر حلیف کا کوئی وارث نہ ہو تو دوسرے حلیف کو کل مال ملے گا۔ نسخ والی آیات امام صاحب کے اس حکم کے خلاف نہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں **وخبرا النسخ المذکور لایقوم حجة علیه اذ لا دلالة فیما ادعیٰ ناسخاً علی عدم ارث الحلیف لاسیما وھو انما یرثه عند عدم العصبات واولی الارحام** ۔ آیت امام صاحب پر حجت نہیں۔ کیونکہ آیت سے ناسخ کے ہوتے ہوئے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حلیف کو حصہ نہ ملے گا۔ خاص کر اس وقت جب کہ مرنے والے حلیف کے عصبات اور اولوالارحام علم نہ ہوں۔ (روح المعانی ج ۵ص ۲۳) اگر کوئی شبہ کرے کہ حلیف کی بجائے مال بیت المال کا حق ہے۔ حلیف کو نہیں ملنا چاہیے تو اس کا جواب قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دیا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

بیت المال میں مال اس لئے داخل نہیں کیا جاتا کہ ورثاء کی عدم موجودگی میں اب بیت المال کا حق بنتا ہے۔ بلکہ بیت المال میں مال اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ اب میراث کا کوئی حقدار باقی نہیں رہا۔ فرماتے ہیں۔ **والصرف الی بیت المال ضرورۃ عدم المستحق لا انہ مستحق** (مظہری ج۲ص۱۱۴) مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت منسوخ نہیں اور میراث کی آیات سے ٹکراؤ بھی نہیں فرماتے ہیں ابن عباس سے نصیب کی ایک تفسیر خیر خواہی یا استحباباً وصیت منقول ہے۔ پس یہ ایتاء نصیب منسوخ نہ ہوگا (بیان القرآن ج۲ص۱۱۴) یا آیت اس لئے منسوخ نہیں کہ عقد سے مراد صرف ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ **اراد النصر والعون وھذا لقول سعید ابن جبیر وھو یدل علی ان الآیۃ محکمۃ** ۔عقد سے مراد ایک دوسرے کا تعاون ہے یہ سعید ابن جبر کا قول ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ آیت محکم ہے (زاد المسیر ج۲ص۷۳) لیکن حافظ ابن کثیر نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا۔ فرماتے ہیں **وھذا الذی قال فیہ النظر فان من حلف ما کان علی المناصرۃ والمعاونۃ ومنہ ماکان علی الارث کما حکاہ غیر واحد من السلف**۔ عقد سے صرف تعاون مراد لینا محل نظر ہے۔ کیونکہ عقد میراث کے بارے میں بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ اکثر اسلاف نے اس کا ذکر کیا ہے (ابن کثیر ج۲ص۲۷۵) **فاتوھم نصیبھم** سے بھی حافظ ابن کثیر کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ عقد میراث کے بارے میں ہوتا تھا۔

تعارض نمبر۵۵ سورۃ النساء

آیت 42

ولا یکتمون اللہ حدیثا ۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفاء نہ کر سکیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپائیں گے۔ ارشاد ہے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** ۔قسم اللہ اپنے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے۔ (سورۃ الانعام آیت ۲۳) معلوم ہوا اپنے شرک کو چھپائیں گے۔ ایک اور ارشاد ہے۔ **فالقوا السلم ما کنا نعمل من سوء** پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے (سورۃ النحل آیت ۲۸)۔

تطبیق:۔ ابن الجوزی نے کئی اقوال نقل کئے ہیں۔ (۱) **ودوا اذا فضحتھم جوارحھم انھم لم یکتموا اللہ شرکھم** ۔جب ان کے اعضاء ان کو رسوا کر دیں۔ (کیونکہ گواہی دیں گے) تو افسوس کریں گے کہ کیوں اللہ سے اپنا شرک چھپایا۔ (۲) **انھم لما شھدت علیھم جوارحھم لم یکتموا اللہ حدیثاً بعد ذالک** ۔جب ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے چکیں تو اس کے بعد کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ (۳) **انھم فی مواطن لایکتمونہ حدیثاً وفی موطن یکتمون یقولون ما کنا مشرکین**۔ کفار کے لئے کئی مواطن (میدان) ہیں کسی موطن میں بات نہ چھپا سکیں گے اور بعض موطن میں بات چھپائیں گے۔ کہ ہم نے تو شرک نہیں کیا۔ (۴) **لا یقدرون علی کتمانہ** ۔ چھپانے کی کوشش کریں گے لیکن چھپانے کی قدرت ان کو نہ ہوگی۔ (زاد المسیر ج۲ص۸۸)۔

http://mujahid.xtgem.com

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ والمعنیٰ یود لو ان الارض سویت بھم وانھم لم یکتموا اللہ حدیثا لانہ ظھر کذبھم ۔کفار کی خواہش ہوگی کہ زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں کہ کیوں اللہ سے بات چھپائی کیونکہ ان کی کذب بیانی ظاہر ہو جائے گی۔ (قرطبی ج۵ ص۱۹۹) علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ لایقدرون علی کتمانہ لان جوار حھم تشھد علیھم ۔اعضاء کی گواہی کے بعد بات نہ چھپا سکیں گے۔ دوسرا قول ذکر کرتے ہیں۔ یودون ان یدفنوا تحت الارض وانھم لایکتمون اللہ حدیثا ولا یکذبون فی قولھم واللہ ربنا ما کنا مشرکین ۔ان کی خواہش ہوگی کہ زمین میں دھنس جائیں۔ اور اللہ سے بات نہ چھپا سکیں گے (الکشاف ج۱ ص۵۱۲)۔

تعارض نمبر ۵۶ سورۃ النساء

آیت 69

ومن یطع اللہ الرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیم من النبین والصدقین والشھدا والصالحین وحسن اولئك رفیقاً ۔اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا۔ تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کا مطیع ان کے درجوں میں ہوگا۔ حالانکہ جنتیوں کے الگ الگ درجے ہیں۔ نچلے درجے کا اعلیٰ درجے میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہے ھم درجات عند اللہ ۔یہ مذکورین درجات میں مختلف ہوں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک (سورۃ النساء آیت ۱۶۳)۔

تطبیق :۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں اور یہ مطلب بھی نہیں کہ یہ اشخاص خاص

ان حضرات کے درجہ میں چلے جاویں گے کیونکہ ھم درجات عنداللہ وغیرہ آیات میں یہ تفاوت ثابت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے درجہ سافلہ سے ان کے درجہ عالیہ میں پہنچ کر مشرف بہ زیارت و برکات اس درجہ کے ہوا کریں گے۔ (بیان القرآن ج۲ ص۱۳۲)۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ ان معنی کون المطیع مع ھولاء انہ معھم فی سلوك طریق الآخرۃ فیکون ما موناً من قطاع الطریق محفوظ الطاعۃ عن النھب انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین مطیع کے سفر آخرت میں ہم سفر ہونگے۔ جن کی وجہ سے مطیع آخرت کا یہ سفر بلا خوف و خطر طے کرے گا۔ اس میں مطیع کو تسلی دی گئی ہے۔ (روح المعانی ج۵ ص۷۸) حسن اولئك رفیقا سے معلوم ہوتا ہے کہ مطیعین کو ان مذکورہ چار طبقات کی دوستی اور رفاقت مل جائے گی۔ ان مقرب بندوں کی سچی اور محبت بھر دوستی خود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کا درجہ مل جائے گا۔

اس لئے علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ وھذا ترغیب للمؤمنین فی الطاعۃ حیث وعدوا مرافقۃ اقرب عباد اللہ الی اللہ وارفعھم درجات عند اللہ ۔یہ مسلمانوں کو ترغیب ہے کہ اطاعت کی وجہ سے مقرب اور عند اللہ بڑے درجہ والوں کیساتھ مرافقت اور دوستی نصیب ہوگی۔ (الکشاف ج۱ ص 531) امام قرطبی فرماتے ہیں۔ یستمتعون برؤیتھم والحضور معھم لا انھم یساوون فی الدرجۃ فانھم یتفاتون لکنھم یتزاورون (مطیعین) تو ان مقرب لوگوں کی زیارت اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نصیب ہوگا۔ ایسا نہیں کہ درجہ میں ان کے مساوی ہو جائیں۔ کیونکہ درجات کا تفاوت رہے گا۔ اور ان کی زیارت کیا کریں گے۔ (قرطبی ج۵ ص۲۷۲) امام رازی فرماتے ہیں۔ لیس المراد بکون من اطاع اللہ و اطاع الرسول مع

http://mujahid.xtgem.com

النبين والصديقين كون الكل فى درجة واحدة لان هذا يقتضى السوية فى الدرجة بين الفاضل والمفضول وانه لا يجوز بل المراد كونهم فى الجنة بحيث يتمكن كل واحد منهم فى رؤية الآخر وان بعد المكان ۔ یہ مطلب نہیں کہ مطیعین انبیاء اور صدیقین سب ایک درجہ میں ہوں گے۔ اگر ایسا ہوا تو فاضل اور مفضول میں مساوات قائم ہو جائے گی اور یہ ناجائز ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سب جنت میں ایسی جگہ پر ہوں گے کہ باوجود بعد مکانی کے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۷۱)۔

تعارض نمبر ۵۷ سورۃ النساء

آیت 78

کل من عند الله سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر واقع کا وقوع اللہ کی طرف سے۔ لیکن بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض ناگوار واقعات کا ارتکاب نفس انسانی کرتا ہے۔ اور اس کی نسبت انسان کی طرف ہوئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے وما اصابك من سيئة فمن نفسك ۔ اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے (سورۃ النساء آیت 79) اس آیت میں بدحالی کی نسبت انسان کی طرف ہے۔

تطبیق :۔ ہر چیز کے خالق اور موجد اللہ تعالیٰ ہیں۔ خیر اور شر کا خالق بھی وہ ہے لیکن ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ خیر کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے اور شر کی نسبت اپنی طرف۔ اجمالاً ہر چیز کی نسبت اللہ کی طرف صحیح ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے کل من عند الله۔ ایک مقام پر فرمایا بیدک الخیر آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی (سورۃ ال عمران 26)

حالانکہ شر بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ سورہ فاتحہ میں انعام کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے۔ انعمت عليهم میں لیکن غضب اور گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ واذا مرضت فهو يشفين اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے (الشعراء 80) یوں نہیں فرمایا کہ واذا امرضني۔ شفاء کی نسبت اللہ کی طرف کی اور بیماری کی نسبت اپنی طرف ما اصابك من سيئة فمن نفسك میں بھی سیئہ کی نسبت نفس انسانی کی طرف کی ہے۔ حضورؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار کو ایمان کی دعوت دی انہوں نے انکار کیا اور کہا آپ جب سے مدینہ آئے ہیں ہمارے کھیتوں اور پھلوں میں کمی آئی ہے خوش حالی کو اللہ کی طرف منسوب کرتے اور بدحالی کو بطور بدفالی حضور ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جواب آیا کل من عند الله یعنی سب کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اور اسی کے طرف سے ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں امره صلى الله عليه وسلم بان يرد زعمهم الباطل واعتقادهم الفاسد ويرشدهم الى الحق ببيان اسناد الكل اليه تعالى على الاجمال اى كل واحدة من النعمة والبلية من جهة الله تعالى خلقاً و ايجاداً من غير ان يكون لى مدخل فى وقوع شئ منها بوجه من الوجوه كما تزعمون بل وقوع الاولىٰ منه تعالىٰ بالذات تفضلاً ووقوع الثانية بواسطة ذنوب من ابتلىٰ بها عقوبة ۔ حضور ﷺ کو اللہ نے فرمایا کہ کفار کے اعتقاد فاسد اور غلط گمانی کی تردید کریں۔ اور اس معاملہ میں ان کو حق بات بتلائیں۔ اجمالاً ہر چیز کی اسناد اللہ کی طرف کر دی۔ حسنہ اور سیئہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں باعتبار تخلیق و ایجاد کے اس میں کسی انسان کا دخل نہیں جیسے کفار کا گمان تھا۔ حسنہ کا وقوع اللہ کی طرف سے بالذات بغیر کسی

http://mujahid.xtgem.com

واسطہ کے اس کے فضل کی وجہ ہوتا ہے۔اور سیئۃ کا وقوع بواسطہ گناہ کے بطور عذاب کے ہوتا ہے(روح المعانی ج۵ص۸۸)۔

امام نیشاپوری فرماتے ہیں۔ ثم انہ تعالیٰ اضاف السیئۃ الی نفسہٖ فی الآیۃ الاولیٰ بقولہ کل من عند اللہ و اضافھا فی ھذہٖ الآیۃ الی العبد بقولہ وما اصابك ای یا انسان خطا با عاما من سیئۃ فمن نفسك فلا بدمن التوفیق وازالۃ التناقض و ماذاك الا بان یجعل ھناك بمعنی البلیۃ وھا ھنا بمعنی المعصیۃ ۔دونوں آیتوں کے مابین تطبیق یہ ہے کہ کل من عند اللہ میں سیئۃ بمعنی امتحان ہے اور فمن نفسک میں بمعنی معصیت ہے(غرائب القرآن ج۴ص۵ حاشیہ طبری)۔

تعارض نمبر۵۸ سورۃ النساء

آیت 93

ومن یقتل مومنا متعمداً فجزاؤہ جھنم خالد فیھا اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا۔قتل عمد گناہ کبیرہ ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب جہنم سے نکلے گا۔قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے کہ شرک کے علاوہ اللہ جس گناہ کو چاہیں معاف فرمائیں گے۔ارشاد ہے۔ان اللہ لایغفر ان یشرك بہ ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء۔بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں۔جن کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔(سورۃ النساء آیت ۴۸۔۱۱۴) معلوم ہوا کہ قتل عمد بھی قابل معافی جرم

ہے۔قرآن مجید کے ایک آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق ہوا ہے۔وان طائفتان من المومنین اقتتلوا اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔(سورۃ الحجرات آیت ۹) ظاہر بات ہے کہ مومن کی سزا ہمیشہ کی جہنم نہیں۔اس طرح دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہوتی ہے۔وانی لغفار لمن تاب اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے بھی والا ہوں جو توبہ کرلیں۔(سورہ طٰہٰ آیت ۸۲) لیکن قاتل کی جو سزا سورۃ النساء میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد نا قابل معافی جرم ہے اور توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس تعارض کا حاصل یہ ہے کہ قتل عمد کی سزا سے معلوم ہوتا ہے کہ نا قابل معافی جرم ہے۔ جبکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل معافی جرم ہے۔اس طرح قتل عمد کی سزا سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی جبکہ بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ قبول ہوتی ہے۔

تطبیق:۔قتل عمد کی اصل سزا تو یہی ہے کہ اس کو ہمیشہ کی جہنم میں جھونک دیا جائے لیکن اللہ اس کو اپنے فضل سے یہ اصل سزا نہ دیں گے۔یعنی آیت میں قاتل جس سزا کا اہل تھا اس کا صرف ذکر کر دیا یہ مطلب نہیں کہ اس کو یہی مذکورہ سزا دی جائے گی۔الشیخ محمد مخلوف فرماتے ہیں۔ فجزاہ جھنم تقدیرہ عند اھل السنۃ فجزاء ہ ان جازاہ بذالك ای ھو اھل لذٰلك۔اگر اللہ اس کو سزا دینا چاہیں تو وہ قاتل اسی سزا کا اہل ہے۔فرماتے ہیں ومعنی الخلود ھاھنا مدۃ طویلۃ ان جازاہ اللہ ویدل علی ذالك سقوط لفظ التابید والجمھور علی قبول توبتہ۔اگر اللہ اس کو سزا دینا چاہیں تو خلود سے مراد ایک طویل مدت ہے۔ہمیشگی مراد نہیں اور طویل مدت مراد لینے پر قرینہ لفظ تابید کا سقوط ہے یعنی ابداً کا ذکر نہیں ہوا(تفسیر الثعالبی ج۱ص۴۰۱)۔امام قرطبی فرماتے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

والخلود لا يقتضى الدوام ۔خلود میں ہمیشگی نہیں قال الله تعالی وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد و قال تعالیٰ يحسب ان ماله اخلده وقال زهير ولا خالداً الا الجبال الرواسيا ۔صرف مضبوط پہاڑ ہمیشہ رہیں گے۔فرماتے ہیں وهذا كله يدل على ان الخلد يطلق على غير معنى التابيد ۔ان سے معلوم ہوا کہ خلود کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں تابید نہ ہو اسی طرح عرب کے محاورے نقل کئے ہیں۔ لاخلدن فلاناً فی السجن والسجن ينقطع ويفنى۔ میں فلاں کو ہمیشہ کے لئے جیل میں ڈال دوں گا حالانکہ سلسلہ جیل محدود اور قابل فنا ہے۔اسی طرح دعائیں کہا جاتا ہے۔خلده الله ملكه اللہ اس کے ملک کو دوام دے۔مراد ان محاروں سے طویل مدت ہے (قرطبی ج۵ا ص۳۳۵) قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس لا تقبل توبة قاتل المؤمن عمداً او لعله اراد به التشديد اذروى منه خلاف والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب لقوله وانى لغفار لمن تاب۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایسے قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن شاید یہ آپ نے زجراً کہا ہو کیونکہ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ توبہ قبول ہوتی ہے۔جمہور کے نزدیک آیت اس قاتل کے ساتھ مخصوص ہے جو توبہ نہ کرے۔کیونکہ توبہ کرنے والے کو اللہ معاف کرتے ہیں۔ (بیضاوی ج ا ص ۱۹۷)۔یعنی اگر قاتل توبہ نہ کرے تو اس کی مذکورہ سزا ہوگی۔فرماتے ہیں وهو مخصوص عندنا یعنی ہمارے نزدیک یہ آیت مخصوص ہے اس قاتل کے ساتھ جو توبہ نہ کرے فرماتے ہیں مخصوص بالمستحل له یا آیت میں صرف وہ قاتل مراد ہے جو قتل کو حلال جان کر کرے۔ظاہر بات ہے اس صورت میں قاتل کافر بن جائے گا اور ہمیشہ کیلئے جہنم رسید ہو جائے گا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ ثم ان الجمع بين آية الفرقان وهذه الآيته ممكن فلا نسخ ولا تعارض وذالك ان يحمل مطلق آية النساء على مقيد آية الفرقان فيكون معناه فجزاء ه كذا الا من تاب سورۃ نساء اور سورۃ فرقان کی آیات میں تطبیق ممکن ہے کوئی تعارض نہیں نہ کسی آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہے۔سورہ نساء کی مطلق آیت کو سورۃ الفرقان کی مقید آیت پر محمول کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ قاتل کی یہی سزا ہے اگر توبہ نہ کی۔اگر توبہ کر لی تو اس سزا سے جان چھوٹ جائے گی۔(قرطبی ج ۵ ص ۳۳۴) ابن الجوزی فرماتے ہیں وهى مخصوصة فى حق من لم يتب۔ سورۃ النساء کی آیت صرف اس قاتل کے بارے میں ہے جو توبہ نہ کرے۔(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۶۸) علامہ آلوسی فرماتے ہیں معتزلہ اس آیت سے ثابت کرتے ہیں کہ قاتل کے لئے خلود فی النار ہے لیکن محققین جواب دیتے ہیں بان ذالك خارج مخرج التغليظ فى الزجر۔اس سزا کا ذکر زجراً اور تغلیظاً ہوا ہے (روح المعانی ج ۵ ص ۱۱۶) بعض احادیث میں زجراً ایسی سزا ؤں کا ذکر ہے۔مثلاً من ترك الصلوة فقد كفر ۔جس نے نماز ترک کی کافر بن گیا۔حالانکہ کافر نہیں بنتا۔والعلم عند اللہ۔

تعارض نمبر ۵۹ سورۃ النساء

آیت 95

فضل الله المجهدين باموالهم وانفسهم على القعدين درجةً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے۔جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے۔

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت میں ایک درجہ کا ذکر ہے۔لیکن اس کے بعد کئی درجے مذکور ہیں ارشاد ہے **درجت منه ومغفرة و رحمة** یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت۔(آیت ۹۶)۔

تطبیق :۔ تاج القراء الکرمانی فرماتے ہیں۔ **لان الاولی فی الدنیا و الثانية فی الجنته** ۔ایک درجہ دنیا میں ہے اور درجات جنت میں ملیں گے۔**وقیل الاولی المنزلة والثانية المنزل وهود رجات**

وقيل الاولى على القاعدين بعذر والثانى على القاعدين بغير عذر ۔ ایک درجہ کی فضیلت ان لوگوں کے مقابلہ میں ہوگی جو عذر کے ساتھ قاعدین ہیں اور درجات کی فضیلت ان لوگوں کے مقابلہ میں ہے جو بغیر کسی عذر کے قاعدین تھے۔ (البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن ص ۵۲)امام رازی فرماتے ہیں۔ **المراد بالدرجة ليس هو الدرجة الواحدة بالعدد بل بالجنس والواحد بالجنس يدخل تحته الكثير بالنوع** ۔درجہ سے مراد درجہ واحدۃ نہیں بلکہ جنس درجہ مراد ہے اور جنس واحد کے نیچے بہت سی انواع ہو تی ہیں۔

۲)مجاہد معذور قاعد سے ایک درجہ افضل ہے اور غیر معذور قاعد سے کئی درجے۔

۳) **فضل الله المجاهدين فى الدنيا بدرجة واحدة وهى غنيمة وفى الآخرة بدرجات كثيرة فى الجنة**۔

۴) پہلی آیت میں جہاد بالنفس اور بالمال کا ذکر ہے۔جیسا کہ **باموالهم وانفسهم** سے معلوم ہوتا ہے۔اور دوسری آیت میں جہاد عام ہے۔مال، جان،اور قلب سے ہے اس کے بارے میں امام رازی فرماتے ہیں۔ **وهو اشرف انواع المجاهدة انواع**

مجاهدات میں اشرف نوع ہے۔لہذا اس میں درجات ہوں گے اور اول قسم میں درجہ۔ اگر دوسری آیت میں بھی جہاد بالمال اور بالنفس مراد لیں تو تکرار ہو جائیگا۔(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۹)علامہ آلوسی فرماتے ہیں **لان المراد هناك تفضيل كل مجاهد** ۔اول آیت میں ہر ایک مجاہد کا درجہ مراد ہے۔**والجمع ثانياً** اور دوسری آیات میں سب مجاہدین کے درجے ہیں۔(اس کی ایسی مثال ہے کہ ہر ایک کو روپیہ ملے گا پھر کہے سب کو روپے ملیں گے۔یہاں روپے جمع ذکر کرنا سب کے اعتبار سے ہے)۔

وقيل المراد من التفضيل الاول رضوان الله تعالىٰ ونعيمه الروحانى ومن التفضيل الثانى نعيم الجنة المحسوس ۔اول سے اللہ کی رضا اور روحانی نعمت مراد ہے اور تفضیل ثانی سے جنت کی محسوس نعمت ہے۔ **وقيل المراد من المجاهدين الآخرين من جاهد نفسه** ۔اول مجاہدین سے مراد وہ مجاہد ہیں جو کفار کیساتھ جہاد کرتے ہیں۔اور دوسرے سے مراد وہ ہیں جو نفس کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ ان کی فضیلت زیادہ ہے اسلیئے کہ حضور کا فرمان ہے۔ **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر**۔(روح المعانی ج ۵ ص ۱۲۴)۔

تعارض نمبر ۶۰ سورۃ النساء

آیت 139

فان العزة لله جميعاً سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساری عزت صرف اللہ کے لئے ہے۔لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ رسول اور مومنین کیلیے بھی ہے۔ارشاد ہے **ولله العزة ولرسوله وللمومنين**

http://mujahid.xtgem.com

(سورۃ منافقون آیت ۸)۔

تطبیق:۔اصل اور بالذات عزت اللہ کے لئے ہے۔اور اللہ تعالی پھر جس کو چاہیں عزت عطا کردیں۔اللہ کے علاوہ جس کے پاس عزت ہے وہ باعطاء الہی ہے ارشاد ہے **وتعز من تشاء** جس کو آپ چاہیں عزت دے دیں۔(سورۃ ال عمران آیت ۲۶)۔

منافقین کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے تھے۔حالانکہ عزت کا منبع اور خزانہ اللہ کے پاس ہے۔اسلئے فرمایا کہ ساری عزتیں اللہ کے پاس ہیں علامہ آلوسی فرماتے ہیں **ای انما مختصة به تعالی یعطیها من یشاء وقد کتبها سبحانه لاولیائه فقال عزشانه ولله العزة ولرسوله وللمومنین** ۔عزت اللہ کے ساتھ خاص ہے جس کو چاہیں دے دیں۔اور اپنے دوستوں کے لئے عزت مقرر کردی ہے۔(روح المعانی ج۵ ص۱۷۲) قاضی بیضاوی فرماتے ہیں **لا یتعزز الامن اعزه وقد کتب العزة للاولیاء** معزز وہی ہے جس کو اللہ معزز کردے۔اور اس نے اپنے دوستوں کے لئے عزت مقرر کردی ہے۔(بیضاوی ج۱ص۲۰۷)۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ **اثبت الاشتراك فی نفس العزة التی هی فی حق الله تعالیٰ القدرة والغلبة وفی حق الرسول ﷺ علو کلمته واظهار دینه وفی حق المومنین نصرهم علی اعدائهم وقوله تعالیٰ (ان العزة لله جمیعاً) ارادبه العزة الکاملة التی یندرج فیها عزة الالهیة والحق والاماتته والاحیاء والبقاء الدائم وما اشبه ذالك فلا تنافی،** نفس عزت میں سب کا اشتراک ہے۔جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو غلبہ اور قدرت مراد ہوتی ہے۔اور جب رسول کی طرف نسبت ہو تو اس کے کلمہ کی بلندی اور اظہار دین ہوتا ہے۔اور

مومنین کیطرف نسبت ہو تو مراد ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد ہوتی ہے۔

اور یہ فرمان کہ **ان العزة لله جمیعاً** اس سے عزت کامل مراد ہے جس میں اللہ کی الوہیت۔خلاقیت وغیرہ صفات سب داخل ہیں۔لہذا کوئی منافات نہیں (مسائل الرازی ص۱۲۹)۔

تعارض نمبر ۶۱ سورۃ المائدہ

آیت 21

یقوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب الله لکم اے میری قوم اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالی نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ مقدس ملک اور شہر ان کو ملے گا۔لیکن اسی سورت میں مذکور ہے کہ یہ ملنا ان پر حرام ہے۔ارشاد باری ہے **قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة** ارشاد ہوا تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا۔(آیت ۲۶)۔

تطبیق:۔امام رازی اس تعارض کو سوال وجواب کی شکل میں ذکر کرتے ہیں۔**قال ابن عباس کانت هبة ثم حرمها علیهم بشوم تمردهم و عصیانهم** ۔ان کو یہ ملک ملا تھا پھر عصیان وتمرد کی نحوست کی وجہ سے ان پر حرام کردیا۔(۲) **کانه مکتوب لبعضهم و حرام علی بعضهم** بظاہر لفظ عام ہے لیکن یہ خاص بعض کیلئے ملک مکتوب ہے اور بعض پر حرام۔ **وقیل ان الوعد بقوله** (کتب الله) مشروط بقید الطاعة وعدہ طاعت کی قید کے ساتھ مشروط ہے اگر وعدہ پورا کیا تو ملک مل جائے گا۔ورنہ نہیں ملے گا۔**وقیل انها محرمة علیهم اربعین سنة فلما مضی الاربعون حصل**

http://mujahid.xtgem.com

ماکتب چالیس سال تک حرام تھا اس کے بعد مل گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۹)۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ فیکون التحریم موقتاً لا مؤبداً فلا یکون مخالفاً بظاہر قولہ تعالیٰ (کتب اللہ لکم) موقت حرمت ہے ابدی نہیں اسلئے یہ آیت کتب اللہ لکم کے خلاف نہیں۔ وقیل لم یدخلها احد ممن قال لن ندخلها ابداً وانما دخلها مع موسی علیه السلام النواشی من ذریاتهم وہ لوگ ہمیشہ کیلئے اس ملک میں داخل نہ ہوں گے جنہوں نے کہا لن ندخلها ابداً ان کی اولاد موسیٰ علیہ السلام کیساتھ اس شہر میں داخل ہوگی معلوم ہوا حرمت چالیس سال تک ان کی اولاد کے لئے تھی۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۰۹)۔

تعارض: 62 سورة المائدة

آیت: 42

﴿فإن جاءوك فاحكم بينهم أو أعرض عنهم﴾ " تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے"

اس آیت مبارکہ سے فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار معلوم ہوتا ہے لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار نہیں بلکہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وأن احكم بينهم بما أنزل الله﴾ "اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے"۔ (سورة المائدة: 49

تطبیق: ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں إنها منسوخة اختیار والی آیت منسوخ ہے ان احکم بینهم سے، دوسرا قول ذکر کرتے ہیں لاتنافی بین الآیتین لأن أحدهما خیرت بین الحکم وترکه والثانیة بینت کیفیة الحکم إذا کان آیت منسوخ نہیں بلکہ ایک میں اختیار ہے کہ خواہ فیصلہ کرو یا نہ کرو لیکن دوسری میں اس بات کا ذکر ہے کہ اگر فیصلہ کرنا ہے تو پھر ﴿ما أنزل الله﴾ کے مطابق کرو۔ (زاد المسیر ج: 2 ص 362)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں: هو منسوخ بقوله وان احکم بینهم بما أنزل الله. (الکشاف: 635/1)۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: فذهب بعضهم الى ان الآیة محکمة وان الحاکم مخیر آیت محکم ہے اور حاکم کو اختیار ہے۔ (قرطبی: 184/6)۔

http://mujahid.xtgem.com

آیت: 94

﴿والقینا بینھم العداوۃ والبغضآء الٰی یوم القیمۃ﴾ "اورہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا" اس طرح کی ایک اور آیت ہے ﴿فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضآء الٰی یوم القیمۃ﴾ (آیۃ 14)۔

ان آیات کے ذیل میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی آپس میں دشمنی ہوگی، کیونکہ ان کے فرقے ہیں، جبریہ، قدریہ، مشبہ، موحدہ، اسی طرح عیسائیوں کی آپس میں دشمنی اور بغض ہوگا کیونکہ ان کے بھی فرقے ہیں، ملکانیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور بغض ہوگا لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ارشاد ربانی ہے ﴿یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ أولیاء بعضھم أولیاء بعض﴾ "اے ایمان والوں تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں" (سورۃ المائدۃ آیت 51)

تطبیق: اگر کفار کی آپس کی دوستی کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہودی یہودی کا دوست ہے اور عیسائی عیسائی کا دوست ہے البتہ یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں تو آیتوں میں تعارض نہیں آتا کیونکہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین عداوت و بغض قیامت تک ہوگا لیکن یہودیوں کی آپس میں دوستی ہوگی اسی طرح عیسائیوں کی آپس میں دوستی ہوگی۔ تو جس آیت میں بغض اور عداوت کا ذکر ہے تو اس سے مراد یہودی وعیسائی ہے اور جس آیت میں دوستی کا ذکر ہے اس سے مراد عیسائی عیسائی اور یہودی یہودی ہے لہذا تناقض نہیں، اگر عداوت اور بغض عیسائیوں کا آپس میں اور یہودیوں کا آپس میں مراد لیا جائے جیسا کہ اکثر مفسرین نے ان میں فرقہ بندیوں کی وجہ سے اس

کا ذکر کیا ہے تو پھر تعارض کا اشکال قائم رہتا ہے کہ ان کی تو آپس میں دشمنیاں ہے دوستی کہاں سے آگئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی آپس میں عداوت ہے لیکن دشمن کے مقابلہ میں اتحاد ملت کی وجہ سے آپس میں دوست بن جاتے ہیں۔ گویا آپس میں دشمن ہیں لیکن اغیار کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں۔ بلکہ تمام کفار کا یہی وطیرہ ہے۔ اس کی بین مثال ماضی قریب کی عراق اور امریکہ کی جنگ تھی۔ تقریباً اٹھائیس ممالک امریکہ کے اتحادی بن گئے تھے، اسی طرح امریکہ نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف اسرائیل کا ساتھ دیا ہے جس کی وجہ سے بیت المقدس آج بھی یہود کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: أی: فانھم متفقون علی خلافکم یوالی بعضھم بعضاً لاتحادھم فی الدین۔ "مسلمانوں کے مقابلہ میں اتحاد مذہب کی وجہ سے ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں" (بیضاوی 229/1)۔

امام نیشاپوری فرماتے ہیں: لان الجنسیۃ علۃ الضم۔ کیونکہ کفر کا ایک جنس ہونا اتحاد کی علت ہے (غرائب القرآن: 159/6 حاشیہ طبری)۔

دفع تعارض کے لئے ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اے مسلمانوں کفار کے ساتھ دوستی نہ بناؤ کیونکہ تمہارے اور ان کے مابین اختلاف دینین کی وجہ سے کوئی نقطہ اتحاد نہیں جس کی بناء پر تم ان سے دوستی شروع کردو، ہاں کفار اگر ایک دوسرے کے دوست بنانا چاہتے ہیں تو بن سکتے ہیں کیونکہ ان کے اتحاد ملت کی وجہ سے آپس کی دوستی کے لئے مناسبت موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کی آپس کی دشمنیاں ہیں گویا آیت میں کفار کی بالقوۃ دوستی کا ذکر ہے بالفعل دوستی کا ذکر نہیں۔

حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بھی یہی لکھا ہے: ولما أرید بالموالات التناسب

http://mujahid.xtgem.com

لاینافی الآیات الدالة علی تعادی الیھود فیما بینھم و کذا نصاریٰ فیما بینھم. جب موالات مناسبت سے مراد دلی تو اب ان آیات کے منافی نہیں جن سے یہودیوں کا آپس میں اور عیسائیوں کا آپس میں بغض معلوم ہوتا ہے۔(حاشیہ نمبر5 بیان القرآن 39/3)

تعارض: 64 سورۃ المائدۃ

آیت: 101

﴿یایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء﴾ اے ایمان والوں مت پوچھو ایسی باتیں الخ

مومنین کو سوال کرنے سے منع کیا ہے حالانکہ بعض آیات میں تصریح ہے کہ مومنین سوالات پوچھا کرتے تھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ویسئلونك عن المحیض﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۲۲)۔

تطبیق: نفسِ سوال سے نہیں روکا بلکہ سوالات کی کثرت سے روکا ہے۔علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: لا تکثروا مسئلة رسول اللّٰہ ﷺ ۔حضور ﷺ سے زیادہ سوالات نہ کرو۔(الکشاف ج۱ ص۶۸۳)

اس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ بے ہودہ سوالات سے روکا گیا ہے مثلاً کسی نے پوچھا میرا باپ کون ہے کسی نے کہا میرا باپ کہاں ہے۔

یا سوال بطورِ استہزاء اور تخول کے منع ہے۔ایک قوم نے استہزاءً سوال کیا تھا۔ این ناقتی میری اونٹنی کہاں ہے۔ویسے بھی زیادہ قیل وقال اچھا نہیں ہوتا۔زیادہ سوالات کی وجہ سے کبھی انسان مشکل میں پڑ جاتا ہے۔بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ملا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر سوالات شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں گائے کے اوصاف بیان ہوتے گئے یہاں تک کہ گائے نادرالوجود بن گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: إن السوال والاستفسار للجھل أو المشکل والخفی لا بأس به. (قال رسول اللّٰہ ﷺ: إنما شفاء العی السوال)، وإنما ممنوع السوال عن التکلیف لم یرد الشرع به کالحج فی عام، والسوال عن لون البقرة المامورة ذبحھا بنی اسرائیل. مشکل اور خفی کے بارے میں اور نہ سمجھنے کی وجہ سے سوال منع نہیں کیونکہ جاہل کو شفاء علمی سوال ہی میں ملتی ہے ایسی چیز کے بارے میں سوال منع ہے جس کے بارے میں شریعت کا بھی کوئی حکم نہیں اترا۔جیسے ایک صحابی رسولؐ نے حج کے بارے میں سنا تو سوال کیا کہ حج ہر سال فرض ہوگا یا عمر بھر میں ایک مرتبہ یا جیسے بنی اسرائیل نے اس گائے کے رنگ کے بارے میں جو سوالات کئے جس کے بارے میں ان کو ذبح کا حکم ملا تھا (تفسیر مظہری 192/3)۔

امام قرطبی نے ایک حدیث نقل کی ہے:(کرہ لکم ثلاثا قیل وقال وکثرة السوال واضاعة المال) تین چیزوں سے ممانعت ہے بات بات میں کیڑے نکالنا سوالات کی کثرت اور مال کا ضائع کرنا (تفسیر قرطبی: 331/6)۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: والمراد بھا ما لا خیر لھم فیه. ایسے سوالات سے منع کیا ہے جس میں کسی قسم کا خیر اور نفع نہ ہو (تفسیر روح المعانی: 39/7)

تعارض: 65 سورۃ المائدۃ

آیت: 106

﴿اثنان ذوا عدل منکم أو آخران من غیرکم﴾ وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سفر میں کافر کو وصیت پر گواہ بنا سکتے ہیں لیکن بعض

http://mujahid.xtgem.com

آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی گواہی مسلمانوں کے حق میں صحیح نہیں۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: ﴿واشهدوا ذوی عدل منکم﴾ اور آپس میں دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو (سورۃ الطلاق: ۲) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو گواہ بنایا کرو۔

تطبیق: منکم کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں: دو احتمال ہیں ای من عشیرتکم وقبیلتکم یعنی گواہ تمہارے خاندان اور قبیلہ کا ہو اس لحاظ سے من غیر کم کی تفسیر ہوگی من غیر عشیرتکم وقبیلتکم جو تمہارے خاندان اور قبیلہ کا نہ ہو اس تشریح کے لحاظ سے منکم اور من غیر کم دونوں مسلمان ہوئے یعنی مسلمان گواہ اپنے خاندان کا یا مسلمان غیر خاندان کا گواہ، اس توجیہ کے مطابق آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا کیونکہ گواہی سے کافر کو نکال دیا لیکن اس توجیہ کو بعض مفسرین نے پسند نہیں کیا منکم اور من غیر کم میں دوسری توجیہ یہ ہے کہ منکم من اهل دینکم وملتکم یعنی اس کو گواہ بناؤ جو تمہارا ہم مذہب ہو من غیر کم من غیر ملتکم دینکم اس کو گواہ بناؤ جس کا تعلق تمہارے مذھب سے نہ ہو. اس توجیہ کو مفسرین نے ترجیح دی ہے. وجہ ترجیح بعد میں ذکر کی جائیگی، ابن الجوزیؒ نے یہ بھی کہا ہے: انھا منسوخة بقوله واشهدوا ذوی عدل منکم اور آخران من غیر کم منسوخ ہے۔ ابن الجوزیؒ یہ بھی فرماتے ہیں: کہ غیر مسلم کی گواہی بوقتِ ضرورت جائز ہے لأن هذا موضع ضرورة کما یجوز فی بعض الأماکن شهادة نساء. سفر میں کافر کا گواہ بنا ضرورتا ہے جیسے بعض مواقع میں ضرورتا عورت کی گواہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے. مذکورہ تمام تفصیل ابن الجوزیؒ نے ذکر کی ہے (زاد المسیر ج:2/447)۔

ابوبکر جصاصؒ نے من غیر کم میں من غیر ملتکم کو ترجیح دی ہے کیونکہ آیت کے شروع میں خطاب مؤمنین سے ہے تو من غیر کم غیر مومن مراد ہے۔ وصح ان

المراد من غیر المؤمنین فاقتضت الآیة جواز شهادة أهل الذمة علی وصیة المسلم فی السفر. من غیر کم سے غیر مومن مراد ہے اور آیت تقاضہ کرتی ہے کہ سفر میں غیر مسلم کو وصیت پر گواہ بنا سکتے ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص 2/490)۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: من غیر کم سے مراد غیر مسلم ہے اور اس کو چند وجوہ کی بنا پر راجح قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں (1)۔ آیت کے شروع میں مؤمنین سے خطاب ہے تو من غیر کم میں غیر مومن مراد ہوگا۔ (2)۔ سفر کی قید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ورنہ مومن کی گواہی کے لئے سفر اور حضر کی قید ضروری نہیں۔ (3) شانِ نزول میں دو نصرانیوں کی شہادت کا ذکر ہے۔ (4)۔ عام مفسرین کا یہی قول ہے اس کے بعد امام رازیؒ فرماتے ہیں: و انما نجیز اشهاد الکافرین اذا لم نجد أحدا من المسلمین. والضرورات تبیح المحظورات جب کوئی مسلمان نہ ہو تو کافر کو گواہ بنانا جائز ہے۔ ضرورت کے وقت ناجائز جائز ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر: 12/116)۔

تعارض: 66 سورة المائدة

آیت: 109

﴿یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا أجبتم قالوا لا علم لنا﴾ جس روز اللہ تعالٰی تمام پیغمبروں کو جمع کرینگے پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو کیا جواب ملا تھا وہ عرض کرینگے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیمات اپنی امتوں کے بارے میں گواہی نہیں دینگے کیونکہ ان کو کسی بات کا علم نہیں لیکن بعض آیات سے صراحتاً

http://mujahid.xtgem.com

معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبیؑ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فکیف اذا جئنا من کل أمة بشهيدٍ وّ جئنا بك على هؤلاء شهيدا﴾ "سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لاویں گے" (سورۃ النساء: ٤١)

تطبیق: انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیمات کو اپنی امتوں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا اس لئے تو گواہی دینگے لیکن پھر بھی اپنی علم کی نفی کرینگے کیونکہ مقصود ان کے دشمنوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: يعلمون أن الغرض بالسوال توبيخ اعدائهم فيكلون الأمر الى علمه واحاطته. اللہ تعالیٰ سوال انبیاء کرام علیہم السلام سے ان کے دشمنوں کو ڈانٹنے کے لئے کریں گے اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف منسوب کردیں گے۔

دوسری توجیہ: من هول ذالك اليوم يفزعون ويذهلون عن الجواب ثم يجيبون بعد ما تثوب اليهم عقولهم بالشهادة على أممهم. قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی عقلیں جواب دے جائیں گی پھر جب ہوش سنبھال لیں تو امتوں کے بارے میں گواہی دینگے۔

تیسری توجیہ: معناه علمنا ساقط مع علمك ومغمور به قيل لا علم لنا بما كان منهم بعدنا انما الحكم للخاتمة. ہمارے لئے آپ کے علم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہمیں پتہ نہیں کہ ہمارے انتقال کے بعد وہ کیا کرتے رہے اور اصل مدار خاتمہ پر ہے یعنی ہمیں پتہ نہیں کہ ہمارے امتیوں کا خاتمہ کس حالت میں ہوا۔ (الکشاف: 690/1)۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: کہ لا علم لنا سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گواہی نہ دیں گے حالانکہ ﴿فكيف اذا جئنا﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہی دینگے۔ پھر جواب دیتے ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام اکثر امور بھول جائینگے جب ہوش وحواس دوبارہ صحیح ہوجائیں تو گواہی دیں گے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ جواب ضعیف ہے اهل الثواب لا يحزنهم الفزع الأكبر کے خلاف ہے۔ اہل ثواب کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی۔ (اسی طرح ﴿فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾ کے بھی خلاف ہے) (نعمانی)۔ لیکن علامہ آلوسیؒ اس کو ضعیف قرار نہیں دیتے اس توجیہ کے درست ہونے کا جواب دیتے ہیں ويمكن ان يجاب بان الفزع الاكبر دخول النار ممکن ہے کہ فزع اکبر سے مراد آگ میں داخل ہونا ہے۔ لہذا قیامت کی ہولناکی سے متاثر ہونا لا يحزنهم الفزع الأكبر کے خلاف نہیں ﴿فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾ کا جواب دیتے ہیں. انما كالبشارة بالنجاة من اهوال ذلك اليوم "یہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کی بشارت ہے. دوسرا جواب دیتے ہیں ان ذلك اللهول لم يكن لخوف ولا حزن وانما هو من باب العوم فى بحار الاجلال انبیاء کرام علیہم السلام کی عقلوں کا ذہول خوف اور حزن کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ اس وقت وہ سب اللہ تعالیٰ کے جلال کے سمندروں میں غرقاب ہوں گے اس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہیگا۔ (تفسیر روح المعانی: 55/7)۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: إن المراد منه المبالغة فى تحقيق فضيحتهم اس سے مقصود کفار کی خوب رسوائی کرنا ہے، تیسری توجیہ کو راجح قرار دیا ہے نفو العلم عن انفسهم لأن علمهم عندالله كلا علم انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے آپ سے علم کی نفی اللہ کے علم کے مقابلے میں کی ہے کہ گویا ان کے پاس کوئی علم ہی نہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

چوتھی توجیہ: نداء الأدب فی السکوت وھو فی تفویض الامر الی عدل الحیی القیوم الذی لایموت. ادب کا تقاضہ ہے کہ اللہ کے سامنے خاموشی بہتر ہے اور تمام امور اس عادل اور حیی وقیوم کے سپرد کردیئے جائیں ۔(تفسیر کبیر:123/12)۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: إنھم نزلوا منزلا ذھلت فیه العقول فلما سئلوا قالوا لا علم لنا ثم نزلوا منزلا آخر فشھدوا علی قومھم انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک مقام پر ٹھہرایا جائیگا جہاں عقلیں کام چھوڑدیں گی جب ان سے پوچھا جائے تو کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں پھر دوسرے مرحلہ پر ان کو لے جایا جائیگا وہاں اپنی اپنی امتوں پر گواہ بن جائیں گے۔(تفسیر ابن کثیر:677/2)

تعارض:67 سورۃ المائدۃ

آیت:115

﴿فمن یکفر بعد منکم فانی أعذبه عذابا لا أعذبه احدا من العلمین﴾ "پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کریگا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا جہاں والوں میں سے کسی کو نہ دونگا"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ سخت سزا اصحاب مائدہ کو ہوگی لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ال فرعون کو سخت سزا ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب﴾ "اور جس روز قیامت قائم ہوگی فرعون والوں کو نہایت سخت آگ میں داخل کردو۔(سورۃ المؤمن:۴۶) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿ان المنفقین فی الدرك الأسفل من النار﴾ "بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں جاویں گے" (سورۃ

النساء:۱۴۵)

تطبیق: منافقین اور ال فرعون کی سزا میں تضاد نہیں ۔دونوں کی سخت سزا ہے اور درک اسفل سخت عذاب ہے لیکن اصحاب مائدہ کی سزا کے ساتھ تضاد ہے کیونکہ اصحاب مائدہ کے ماسوٰی سے سخت عذاب کی نفی ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: اصحاب مائدۃ کی سزا مسخ تھی۔ جنس من العذاب لم یعذب به أحد سواھم. ایک خاص قسم کی سزا تھی جو کسی کو نہ دی گئی۔فرماتے ہیں: یجوز أن یعجل لھم فی الدنیا یہ سخت عذاب دنیا میں ہو یا عالمین سے مراد عالموا زمانھم ان کے زمانہ کے لوگ ہیں ساری دنیا کے اور تمام زمانوں کے انسان مراد نہیں۔(زاد المسیر:462/2)۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: والعالمین مطلقا فانھم مسخوا قردة وخنازیرا ولم یعذب بمثل ذالک غیرھم عالمین سے مراد تمام انسان ہیں۔ کیونکہ ان کی شکلیں بندروں اور خنزیر جیسی بن گئیں اور ان جیسا عذاب اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں کسی کو نہیں دیا۔(تفسیر بیضاوی:246/1)۔

علامہ آلوسیؒ نے حدیث نقل کی ہے: کہ قیامت سخت عذاب أصحاب مائدہ، ال فرعون اور منافقین کو ہوگا۔(تفسیر روح المعانی:62/7)

تعارض:68 سورۃ المائدۃ

آیت:128

﴿قال النار مثوکم خالدین فیھا الا ما شاء اللہ﴾. "اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے ہاں اگر خدا کو منظور ہو تو اور بات ہے"

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت مبارکہ سے کفار کے عذاب کا دوام اور خلود معلوم نہیں ہوتا کیونکہ استثناء کا ذکر ہے جب کہ دیگر آیات سے کفار کے عذاب کا دوام اور خلود معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولهم عذاب مقيم﴾ (سورة المائدة:٣٧) "ان کو عذاب دائمی ہوگا" ﴿خالدين فيها ابداً﴾ (سورة المائدة:١١٩) "جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے"

تطبیق: قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: (1)۔الأوقات التي تنقلون فيها من النار الى الزمهرير "اللہ کو جتنا منظور ہوگا آگ میں رکھنے کے بعد زمہریر کی طرف منتقل کردئے جائینگے"۔ (2)۔قيل الا ما شاء الله قبل الدخول كانه قيل النار مثواكم ابدا الا ما امهلكم، الا ما شاء الله کا تعلق آگ میں داخل ہونے سے قبل کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ دوزخ تمہارا ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے لیکن اس میں داخل ہونے سے قبل جو مہلت دی جائے۔ (تفسیر البیضاوی: 270/1)۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: (1) خالدين فيها اى يبعثون الا ماشاء الله من مقدار حشرهم من قبورهم ومدتهم فى محاسبتهم دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے مگر وہ مدت جب کہ قبروں سے اٹھائیں جائیں اور حشر اور حساب تک بات پہنچے۔

(2)۔ويجوز ان تكون الا ماشاء الله من مقدار أن يزيدهم فيه العذاب. آگ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو جتنا زیادہ کریں. اس میں عذاب کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔

(3)۔قال بعضهم الا ماشاء الله من كونهم فى الدنيا بغير عذاب، آگ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے مگر جتنا عرصہ اللہ ان کو بغیر عذاب کے رکھیں، الا ماشاء اللہ کا تعلق دنیا کے ساتھ ہوا (زاد المسیر ج: 124/3)۔ قاضی بیضاویؒ نے سورۃ ھود میں اس قسم کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: استثناء من خلود فى النار لأن بعضهم وهم

فساق الموحدين يخرجون منها وذالك كان فى صحة الاستثناء لان زوال الحكم عن الكل يكفيه زواله عن البعض. استثناء خلود سے ہے لیکن مراد فساق (گنہگار) موحدین ہیں جو آگ سے نکالیں جاویں گے۔ سوال پیدا ہو کہ یہ استثناء تو کل کی ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سب کو آگ سے نکالا جائیگا حالانکہ آگ میں کفار اور گناہ گار مسلمان ہوں گے. تو اس کا جواب دیا کہ اس طرح کا استثناء صحیح ہے کیونکہ کل سے حکم منتفی ہو جائے تو بعض سے بھی حکم منتفی ہو جائیگا۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام آگ والوں کو آگ سے نکالا جائیگا لیکن مراد اس سے بعض (گناہگار مسلمان) ہیں۔ ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے (تفسیر البیضاوی: 386/1) اللہ کفار کو ہمیشہ کے لئے عذاب میں رکھے گا لیکن الا ماشاء اللہ میں اللہ تعالیٰ اپنی عمومی قدرت کا ذکر کرتا ہے کہ اگر میں عذاب نہ دینا چاہوں تو یہ بھی میری قدرت میں ہے لیکن میں ایسا نہ چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ اگر عذاب دینے پر قادر ہے تو نہ دینے پر بھی قادر ہے۔ الا ماشاء اللہ میں معتزلہ کے عقیدہ کی تردید ہے ان کا عقیدہ ہے کہ کفار کو عذاب دینا حکمت کے مطابق اللہ پر واجب ہے تو اللہ تعالیٰ نے الا ما شاء اللہ فرما کر واضح کردیا کہ مجھ پر واجب نہیں. کیونکہ وجوب کی وجہ سے مجبوری کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ عذاب دینا اللہ پر واجب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف ہے. اور تھوڑے عمل پر زیادہ اور بے حساب ثواب عطا کرنا اس کا فضل ہے اللہ تعالیٰ اپنے قانون جزا وسزا کی پابندی تو کرتا ہے لیکن پابند نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ایسی ہستی ہے ہی نہیں جس کے سامنے اللہ تعالیٰ جوابدہ ہو۔ لہذا استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کو عذاب سے نکالیں گے بلکہ ہمیشہ کی جہنم ان کا مقدر ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 69 سورة الأنعام

آیت: 25

﴿وان یروا کل آیة لا یؤمنوا بها﴾ "اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لاویں"۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کسی دلیل پر بھی ایمان نہیں لائے۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات پر ضرور ایمان لاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ان نشاء ننزل علیهم من السماء آیةً فظلت أعناقهم لها خاضعین﴾ "اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کردیں پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جاویں۔ (سورۃ الشعراء:۴)۔

تطبیق: علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ونقل عن بعضهم انه لا بد من تخصیص الآیة بغیر الملجئة دفعا للمخالفة بین هذا وقوله تعالیٰ ﴿ان نشاء ننزل علیهم من السماء آیة فظلت أعناقهم لها خاضعین﴾. آیات میں رفع تعارض کے لئے بعض سے منقول ہے کہ آیت میں بلا مجبوری کی قید ضروری ہے یعنی کسی نشانی کو دیکھ کر اس پر ایمان نہ لانا کسی مجبوری کی وجہ سے نہ تھا واکتفیٰ بعضهم بحمل الایمان علی الایمان بالاختیار وفرق بینه وبین خضوع الأعناق فلیفهم. بعض نے آیت مبارکہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ نفی ایمان اختیاری کی ہے اس اختیاری ایمان اور بے اختیار گردنوں کا پست ہو جانا دونوں میں فرق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ وخص شیخ الاسلام الآیة بما کان من الآیات القرآنیة ای: وان یرو شیاء من ذالک بان شاهدوا بسماعه لا یؤمنوا به.
شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں کل آیت سے آیت قرآنیہ مراد ہے

ان آیات کا سننے سے مشاہدہ ہو جاتا ہے لیکن اس پر ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر روح المعانی: 126/7)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: منفی ایمان اختیاری ہے جو کہ شرع میں مطلوب ہے اور مثبت ایمان اضطراری ہے جو شرع میں مقبول نہیں۔ (بیان القرآن: 86/3)

تعارض: 70 سورة الأنعام

آیت: 26

﴿ثم ردّوا الی الله مولٰهم الحق﴾ "پھر سب اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لائیں جاویں گے" اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا بھی مولیٰ ہے لیکن ایک آیت میں اس کے خلاف ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ذالك بان الله مولی الذین امنوا وانّ الکافرین لا مولیٰ لهم﴾ "یہ سب اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں" (سورۃ محمد: ۱۱) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا مولیٰ نہیں۔

تطبیق: علامہ زمخشریؒ تفسیر میں فرماتے ہیں: مولٰهم مالکهم الذی یلی علیهم أمورهم. کافروں کا مولیٰ یعنی ان کا مالک جو ان کے تمام امور میں متصرف ہو۔ (الکشاف: 33/2)۔

سورۃ محمد میں علامہ زمخشریؒ لا مولیٰ لهم کی تفسیر میں لکھتے ہیں: فان قلت قوله تعالیٰ: ﴿وردو الی الله مولٰهم الحق﴾ مناقض لهذه الآیة قلت: لا تناقض لأن الله تعالیٰ مولی عباده جمیعا علی معنی انه ربهم ومالک أمرهم وأما علی معنی الناصر فهو مول المؤمنین خاصة، آیتوں میں تناقض نہیں.

http://mujahid.xtgem.com

جہاں کافروں کا مولیٰ ہے اس سے مراد مالکِ حقیقی ہے جہاں یہ کہا کہ مسلمانوں کا مولیٰ ہے اس سے مراد ناصر ومددگار اور دوست ہے۔ (الکشاف:319/4)۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: مولى الذين امنوا ناصرهم على أعدائهم، مسلمانوں کا مددگار ہے ان کے دشمنوں کے خلاف، آگے لکھتے ہیں وهو لا يخالف قوله تعالى: ﴿وردّوا الى الله مولٰهم الحق﴾ فان المولٰى فيه بمعنى المالك. آیتوں میں منافاۃ نہیں۔ کیونکہ کافروں کا مولیٰ ہونا باعتبار مالک ہے اس معنی میں تمام انسانوں کا مالک ہے۔ (تفسیر بیضاوی:302/2)

تعارض: 71 — سورۃ الأنعام

آیت: 61

﴿توفته رسلنا وهم لا يفرطون﴾ "قبضہ میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے" اس آیت مبارکہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ ارواح فرشتوں کی جماعت قبضہ کرتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿الله يتوفى الأنفس حين موتها﴾ "اللہ تعالیٰ ہی قبضہ کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت" (سورۃ الزمر: ٤٢) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود ارواح قبض کرتا ہے۔ ﴿قل يتوفكم ملك الموت الذي وكل بكم﴾ "آپ فرما دیجئے کہ تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین ہے" اس آیت مبارکہ میں قبض ارواح کی نسبت ملک الموت کی طرف ہے۔ تین نسبتیں الگ الگ ہیں لہٰذا تینوں میں تضاد ہوا۔

تطبیق: تینوں کی طرف قبض ارواح کی نسبت صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قبض ارواح کا حقیقی فاعل ہے۔ ملک الموت علیہ السلام اس کی طرف سے قبض ارواح پر مقرر ہے جیسے لفظ ﴿وكل بكم﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور فرشتوں کی جماعت ملک الموت علیہ السلام

کے اعوان اور مددگار ہیں۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن سے مقرر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وما كان لنفس أن تموت الا باذن الله كتابا مؤجلا﴾ "اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدونِ حکم خداوندی کے اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رہتی ہے۔ ﴿سورۃ ال عمران﴾

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: وعن قتادةؓ: يتوفاهم ومعه أعوان من الملائكة وقيل: ملك الموت يدعوا الأرواح فتجيبه ثم يأمر أعوانها بقبضها، ملک الموت کے ساتھ اعوان ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ملک الموت ارواح کو پکارتا ہے وہ لبیک کہتی ہیں پھر ملک الموت علیہ السلام اپنے اعوان ملائک کو قبض ارواح کا حکم دیتا ہے۔ (الکشاف:509/3)۔

ابن الجوزیؒ ﴿توفته رسلنا﴾ اور ﴿قل يتوفكم ملك الموت﴾ کی تطبیق میں دو قول ذکر کرتے ہیں:

(1)۔ يجوز ان يريد بالرسل ملك الموت وحده وقد يقع الجمع على الواحد، اس سے صرف ملک الموت علیہ السلام مراد لینا صحیح ہے۔ اس لئے کہ کبھی جمع کا اطلاق واحد پر ہوتا ہے۔

(2)۔ ان اعوان ملك الموت يفعلون باسره فاضيف الكل الى فعله، مددگار فرشتے ملک الموتؑ کے حکم سے ارواح قبض کرتے ہیں اس لئے سب کی طرف نسبت صحیح ہے۔ اس کے بعد تینوں نسبتوں کی تطبیق کرتے ہیں۔ توفي أعوان ملك الموت بالنزع وتوفي ملك الموت بأن يأمر الأرواح فتجيب ويدعوها فتخرج وتوفي الله بأن يخلق الموت في الميت. "ملک الموت ارواح کو پکارتا ہے اور اعوان روح نکالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت میں موت پیدا کر دیتے ہے"۔ (زاد المسیر ج:65/3)

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 72 سورة الأنعام

آیت: 103

﴿لا تدرکه الأبصار﴾ "اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی" اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی حالانکہ بعض آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وجوہ یومئذ ناضرة الی ربہا ناظرة﴾ "بہت سے چہرے تو اس روز بارونق ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے" (سورۃ القیامۃ:۲۳)۔ معلوم ہوا کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتی ہے۔

تطبیق: ایک ادراک ہے اور ایک رؤیت۔ آیت مبارکہ میں ادراک کی نفی ہے رؤیت کی نہیں ادراک خاص ہے اور رؤیت عام۔ خاص کے نفی کے ساتھ عام کی نفی نہیں ہوتی۔ ادراک کا معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے ہر لحاظ سے اس کا احاطہ کرنا۔

ظاہر بات ہے اللہ تعالیٰ کا ادراک ناممکن بلکہ محال ہے۔ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: لا تدرکه لا تحیط به ، اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (بیضاوی:265/1)۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: وقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما : لا تدرکه الأبصار فی الدنیا ویراه المؤمنون فی الآخرة لاخبار الله بها وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة . دنیا میں رؤیت کی نفی ہے آخرت میں اثبات۔ (قرطبی:54/7)۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وقال الآخرون : لا منافاة بین اثبات الرؤية ونفی

الادراک اخص من الرؤية فإن الادراک لا یلزم من نفی الاخص انتفاء الأعم . نفی اور اثبات میں تنافی نہیں ہے۔ ادراک خاص ہے۔ خاص کے انتفاء کے ساتھ عام کی نفی نہیں ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر:74/3)۔ حافظ ابن کثیرؒ اور امام قرطبیؒ نے رؤیت کو ادراک سے عام ٹھہرایا ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: لا تدرکه فی الدنیا وان کانت فی الآخرة کما تواترت به الأخبار. دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا اور آخرت میں اس کا دیکھنا تواتر سے ثابت ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: وقال الزجاج: معنی الآية الاحاطة بحقیقته ولیس فیها دفع الرؤية . آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا احاطہ ناممکن ہے اس سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ (زاد المسیر ج:98/3)

تعارض: 73 سورة الأنعام

آیت: 108

﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم﴾ "اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے" اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بتوں کی مذمت منع ہے لیکن بعض آیات سے بتوں کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم﴾ "بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے" (سورۃ الأنبیاء: ۹۸)۔ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ضعف الطالب والمطلوب﴾ "ایسا طالب بھی لچر اور ایسا مطلوب بھی لچر" (سورۃ الحج: ۷۳)۔

http://mujahid.xtgem.com

تطبیق: الهة باطلة کی مذمت اور توہین فی نفسہ جائز ہے مطلقاً منع نہیں۔ ان کی برائی بیان کرنا اطاعت ہے لیکن اگر کسی طاعت سے بڑا مفسدہ پیدا ہوا جائے تو پھر وہ طاعت منع ہے۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: رب طاعة علم أنها تكون مفسدة فتخرج عن أن تكون طاعة فيجب النهي عنها لأنها معصية، جب کسی طاعت کے بارے میں پتہ چل جائے کہ اس سے مفسدہ پیدا ہو رہا ہے تو اب یہ طاعت معصیت بن گئی اس سے اجتناب واجب ہے۔ (الکشاف: 56/2)۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ان النهي في الحقيقة انما هو عن العدول عن الدعوة الى السّب، حقیقت میں اس سے منع ہے کہ بجائے دعوت دینے کے آپ سب وشتم پر اتر آئے۔ (تفسیر روح المعانی: 252/7)۔

حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: اور قرآن مجید کی بعض آیات میں جو معبودانِ باطلہ کی تحقیر مذکور ہے وہ بقصدِ سب وشتم نہیں بلکہ مناظرہ میں بطورِ تحقیق مطلوب واستدلال والزام خصم کے ہیں جو مناظرات میں مستعمل ہے قرائن سے مخاطب کو فرق معلوم ہوجاتا ہے کہ تحقیق مقصود ہے یا تحقیر اول جائز دوسرا ناجائز۔ (تفسیر بیان القرآن: 119/3)۔

تعارض: 74 سورة الأنعام

آیت: 108

﴿كذلك زيّنّا لكل أمة عملهم﴾ " اسی طرح ہم نے مزین کر دیا ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے اعمال" دوسری آیت مبارکہ میں فرمان باری تعالی ہے ﴿ان الذين لا يؤمنون بالآخرة زيّنّا لهم أعمالهم فهم يعمهون﴾ "جو لوگ

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے اعمال ان کی نظر میں مرغوب کر رکھتے ہیں بھٹکتے پھرتے ہیں" (سورۃ النمل: ٤) ایک اور فرمانِ خداوندی ہے ﴿واذ زيّن لهم الشيطن أعمالهم﴾ "جب شیطان ان کے اعمال خوش نما کر کے دکھلائے" (سورۃ الأنفال: ٤٨)۔ ان مختلف آیات سے پتہ نہیں چلتا کہ تزیین اعمال کا فاعل کون ہے کیونکہ تزیین اعمال کی نسبت کبھی شیطان کی طرف ہوتی ہے کبھی اللہ تعالی کی طرف۔

تطبیق: امام رازیؒ فرماتے ہیں: التزين من الشيطان بالاغواء والاضلال والوسوسة وايراد الشبه ومن الله تعالىٰ بخلق جميع ذالك فصحت الاضافتان. شیطان اغواء، اضلال، وسوسہ اور شبہات کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے اور اللہ تعالی ان سب اشیاء کا خالق ہے تو دونوں کے طرف اضافت صحیح ہے۔ (مسائل الرازی: 88)۔

ابن السعود العمادیؒ فرماتے ہیں: ﴿زين﴾ أي: من جهة الله تعالىٰ بطريق الخلق عند ايحاء الشيطن أو من جهة الشيطان بطريق الزخرفة والتسويل. اعمال کی تزیین اللہ تعالی کی طرف سے بطریق الخلق ہے اور شیطان کی طرف سے بطریق الوسوسہ اور ملمع سازی کے ذریعے ہے۔ (تفسیر ابی السعود: 132/2)

تعارض: 75 سورة الأنعام

آیت: 130

﴿يمعشر الجن والانس الم يأتكم رسل منكم﴾ " اے جماعت

http://mujahid.xtgem.com

جنات اور انسانوں کی کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے "اس آیت مبارکہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول آئے تھے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول صرف انسانوں میں مبعوث ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم﴾ "اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستی والوں میں جتنے بھیجے سب آدمی ہی تھے جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے۔ (سورۃ یوسف:۱۰۹)۔

تطبیق: علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: وقال آخرون الرسل من الانس خاصة وانما قیل رسل منکم لأنه جمع الثقلان فی الخطاب صح ذالک وان کان من احدهما کقوله تعالیٰ: ﴿یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان﴾۔ رسول صرف انسانوں میں تھے ﴿رسل منکم﴾ اس لئے فرمایا کہ اس سے قبل جنات اور انسانوں کو خطاب تھا تو ﴿منکم﴾ سب سے کہنا صحیح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے" (الکشاف:66/2)۔

سورۃ رحمٰن میں میٹھے اور کھارے پانی کا ذکر ہے تو موتی اور مونگے صرف آب شور سے پیدا ہوتے ہیں لیکن نسبت آب شور اور آب شیریں دونوں کی طرف ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ومعلوم أن اللؤلؤ والمرجان انما لیتخرجان من الملح لا من الحلو. موتی اور مونگے میٹھے پانی سے نہیں بلکہ کھارے پانی سے نکلتے ہیں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: فمعنی "منکم" ای: من احدکم وکان هذا جائز لأن ذکرهما سبق، "منکم" کا معنی یہ ہے کہ تمہارے ایک جنس سے رسول بھیجا ہو اور "منکم" میں سب کو مخاطب کرنا اس لئے جائز ہے کہ پہلے سب کا ذکر ہوا۔ (قرطبی:86/7)۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: أی: من جملتکم والرسل من الانس فقط ولیس من الجن رسل، "تمہارے مجموعہ سے رسولوں کو بھیجا اور رسول فقط انسانوں میں آئے ہیں جنات سے کوئی رسول نہیں آیا" (تفسیر ابن کثیر:102/3)

امام فراءؒ فرماتے ہیں: فکأنک قلت ویخرج من بعضها ومن أحدهما. (معانی القرآن:354/1)۔

امام فراءؒ فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی سوال کرے کہ رسول تو صرف انسانوں میں آئے ہیں تو ﴿منکم﴾ میں سب سے کیونکر خطاب کیا جواب دیتے ہے کہ یہ صحیح ہے جیسے ﴿یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان﴾ ہے معنی یہ کہ موتی اور مونگے بعض یا ایک سے نکلتے ہیں ہر پانی سے نہیں لیکن ھما کی ضمیر دونوں قسم کے پانی کی طرف راجع ہے۔

تعارض:76 سورۃ الأنعام

آیت: 131

﴿ذالك ان لم یکن ربك مهلك القرى بظلم و أهلها غفلون﴾ "یہ اس وجہ سے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں" معلوم ہوا کہ غفلت کے ہوتے ہوئے عذاب نہیں آتا لیکن بعض آیات میں ہے کہ غفلت کے وقت جب سب انسان غافل ہوں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب آئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وکم من قریة أهلکنا ها فجاءها بأسنا بیاتا أو هم قائلون﴾ "اور کتنی ہی بستیاں ہے کہ ان کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ (سورۃ الاعراف:۴) معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی

http://mujahid.xtgem.com

اچانک آتا ہے۔

امام نیشاپوریؒ فرماتے ہیں: انما خص وقت البیات والقیلولة لانهما وقتا الغفلة. عذاب اس لئے رات اور قیلولہ کے وقت آتا ہے کہ دونوں وقت غفلت کے ہوتے ہیں۔

تطبیق: غفلت کی دو قسمیں ہیں۔ شریعت سے غافل ہونا اور عذاب الٰہی کا غفلت میں آنا۔ جس غفلت کی نفی مراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب جب آتا ہے تو اس وقت انسان نبی کی مبعوثیت اور شریعت سے خبردار ہوتا ہے۔ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا ہے اول انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیمات بھیجے، شریعت سے خبردار کیا پھر عذاب آیا۔ اور جن آیات میں آیا ہے کہ غفلت کے وقت عذاب آتا ہے وہ انسانوں کی عذاب الٰہی سے غفلت ہوتی ہے کسی معذب قوم کو پتہ نہیں چلتا کہ عذاب کب اور کس وقت آیگا۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: انه لو اهلكهم وهم غافلون لم ينبهوا برسول وكتاب، ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ لوگ کتاب اور رسول سے بے خبر ہوں۔ (الکشاف:67/2)۔

قبل ارسال الرسل اليهم فيقولوا ما جاءنا من بشير ولا نذير ، رسولوں کے بھیجنے سے قبل ہلاک نہیں کرتا کہ پھر یہ کہیں کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ (تفسیر قرطبی:87/7)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: لم يبعثوا برسول، اللہ تعالیٰ ہلاک نہیں کرتا جب تک رسولوں کے ذریعے بستی والوں کو متنبہ نہ کردے۔ (تفسیر مظہری:290/3)۔

آیت: 148

﴿سيقول الذين اشركوا لو شاء الله ما اشركنا﴾ "یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے" ایک اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وقالوا لو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ "اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے" (سورة الزخرف: ٢٠)۔

ان آیات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے اس قول میں سچے ہیں کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اور کفار کے قول کی تائید بھی بعض آیات سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وما تشاءون الا ان يشاء الله رب العالمين﴾ "اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کہ کچھ نہیں چاہ سکتے" (سورة التكوير: ٢٩) دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے ﴿ولو شاء الله ما اشركوا﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے" (سورة الأنعام:١٠٧). اس آیت میں تو تصریح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو وہ شرک نہ کریں اور کفار نے بھی بعینہ یہی کہا لیکن کفار کے اس قول کی اللہ تعالیٰ نے تردید کردی ہے ﴿ما لهم بذلك من علم ان هم الا يخرصون﴾ "ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں محض بے تحقیق بات کر رہے ہیں" (الزخرف: ٢٠) ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے ﴿ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون﴾ "تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو" (سورة الأنعام: ١٤٨) اس تعارض کا مطلب یہ ہے کہ عیاذاً باللہ اللہ تعالیٰ اپنے حق کلام کی تردید کر رہا ہے۔

تطبیق: اللہ تعالیٰ کی مشیت کی دو قسمیں ہیں۔ تکوینی اور تشریعی دنیا میں کفر و شرک اور تمام معاصی اور جملہ امور اس کی تکوینی مشیت کے تابع ہیں جس کی حکمت وہی علام اور خبیر جانتا ہے۔ وہ حکیم علی الاطلاق ہے۔ ایک ذرہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا

http://mujahid.xtgem.com

۔عقائد کا مسئلہ بھی ہے اور حدیث بھی ہے۔ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن' جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہوگا جو نہ چاہے وہ نہ ہوگا۔دوسری مشیت تشریعی ہے۔اس مشیت کی وجہ سے انسان کو مکلف بنایا۔تکوینی مشیت میں ہر شئی محتاج ہے۔تشریعی مشیت میں مکلف خود مختار اور ارادہ کا مالک ہے۔تشریعی مشیت میں اللہ تعالیٰ کفر وشرک اور جملہ معاصی کو ناپسند کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لا یرضی لعباده الکفر وان تشکروا یرضه لکم﴾ "اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے" (سورة الزمر:۷) کفر وشرک سے ممانعت ایک تشریعی حکم ہے جس میں انسان خود مختار ہوتا ہے۔کفار نے تکوینی امر پر قیاس کر کے کہا ﴿لو شاء اللہ ما أشرکنا ولو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ حالانکہ جب اللہ ایک بات کا حکم کردے اور کسی بات سے روک دے تو اس کے مطابق عمل ضروری ہے پھر اسی طرح بات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ٹال کرانے کفر وشرک کو جواز کی سند دینا تار عنکبوت کا سہارا لینا ہے۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: فعلی العبد اتباع الامر ولیس له أن یتعلل بالمشیة بعد ورود الأمر ."بندہ کو چاہئے کہ اتباع امر کرے ورود امر کے بعد مشیت تلاش کرنا غلط ہے۔(زاد المسیر ج:145/3)۔

﴿لو شاء اللہ ما أشرکوا﴾ ایک حق کلمہ ہے لیکن کفار نے اس سے باطل کا ارادہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار شرک نہ کرتے یہ تکوینی ارادہ اور مشیت ہے تشریعی امور میں اللہ تعالیٰ کبھی بھی نہیں چاہتے کہ کوئی شرک اور گناہ کا ارتکاب کرے لیکن کفار کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ یہ کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تو ہم شرک نہ کرتے کیونکہ وہ ترک شرک پر مکلف تھے اختیاری بات کو غیر اختیاری بات پر قیاس کردیا۔اختیاری امور میں غلطی کرنے کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ

یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور تھا اگر وہ کہہ بھی دے تو اس کو کوئی معاف نہیں کرتا، دنیا کے اندر کتنے جرائم رونما ہوتے ہیں سب کے لئے کوئی نہ کوئی سزا ہوتی ہے اگر کفار کے اس قول کو صحیح کہہ دیا جائے تو پوری دنیا کے اندر جو روش جاری ہے وہ غلط ہو جائے گی تمام انبیاء کرام کی تکذیب ہو جائیگی ارسال رسل اور کتب بیکار ہو جائیں گی۔تمام شریعت یکسر بے کار ہو کر رہ جائیگی۔مسلمان بھی کہتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن ایمان کی وجہ سے کہتا ہے کفار اس کو استہزاء کہا کرتے تھے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کفار کا قول: ﴿لو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ استہزاء کے طور پر تھا وهذا منهم کلمة حق ارید بها الباطل. کفار بتوں کی عبادت کرتے تھے ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ما لهم بذلك من علم﴾. (تفسیر قرطبی:73/16)۔

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: کہ ﴿سیقول الذین أشرکوا﴾ کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے یہ بات اس وقت کہی کہ ان پر حق بات واضح ہوگئی تھی وانما قالوا مستهزئین فرماتے ہیں۔بعض المفسرین یقول: انما اشار بقوله :﴿ما لهم بذلك من علم﴾ الی ادعائهم أن الملائكة اناث قال: ولم یتعرض لقولهم ﴿لو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ لأنه قول صحیح. اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کی ہے الملائكة بنات اللہ . اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے قول: ﴿لو شاء الرحمن ما عبدناهم﴾ کی تردید نہیں کی کیونکہ یہ قول صحیح اور حق ہے۔(زاد المسیر / ج۳ ص ۱۴۵) مشرکین کا ایک قول تھا۔

اسی طرح ﴿ولو شاء اللہ ما اشرکنا﴾ اور ایک ان کا دعوی کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت معبود ہے۔تو ان کا دعوی غلط اور نفس قول صحیح تھا اس لئے تردید صرف ان کے دعویٰ کی ہوئی ہے ان کے اقوال کی نہیں ہوئی۔ایک کلام کا مدلول ہوتا

http://mujahid.xtgem.com

ہے ایک غرض کلام اللہ تعالیٰ نے ﴿ان ھم الا یخرصون﴾ سے ان کے قول ﴿ولو شاء الرحمٰن ما عبدناھم﴾ کی تردید اور تغلیط نہیں کی. کیونکہ کفار کے اس قول کا مدلول بالکل صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کفار شرک نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس کلام کی تغلیط ان کے غرض کے اعتبار سے کی ہے اس لئے کی ان کی غرض اپنے شرک کے جواز اور استہزاء کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے اعتبار سے فرمایا ﴿ان ھم الا یخرصون﴾ اس کی ایک نظیر سورۃ یٰس میں ہے۔ ﴿واذا قیل لھم انفقوا مما رزقکم اللہ قال الذین کفروا للذین آمنوا انطعم من لو یشاء اللہ أطعمہ ان انتم الا فی ضلل مبین﴾ " اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو یہ کفار مسلمانوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اگر خدا چاہے تو کھانے کو دیدے تم تو صریح غلطی میں ہو" (آیت ٤٧) اس آیت مبارکہ میں کفار کے قول ﴿من لو یشاء اللہ اطعمہ﴾ کا مدلول صحیح ہے لیکن غرض ان کی شرارت تھی تو اس شرارت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نری صریح غلطی میں ہو اللہ تعالیٰ نے کفار کے کلام کے مدلول کی نفی اور تردید نہیں کی۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: ﴿وقالوا لو شآء الرحمٰن ماعبدناھم﴾ أی: لو شاء عدم عبادۃ الملائکۃ ما عبدناھم فاستدلوا بنفی مشیتہ عدم العبادۃ علی امتناع النھی عنھا أو علی حُسنھا وذالك باطل لأن المشیۃ ترجیح بعض الممکنات علی بعض مأمورا کان أو منھیا حسنا کان او غیرہ ولذالك جھلھم فقال مالھم بذالك من علم . " اگر اللہ تعالیٰ ملائکہ کی عبادت نہ چاہتے تو ہم ملائکہ کی عبادت نہ کرتے۔ کفار نے اس عدم مشیت سے دلیل پکڑلی کہ ملائکہ کی عبادت منع نہیں یا اس کے اندر حسن ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ مشیت کا تعلق ممکنات

کے ساتھ ہے ایک ممکن کو دوسرے پر ترجیح دینا خواہ وہ ممکن مامور بہ ہو یا منھی عنہ حسن ہو یا قبیح اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کو جہل کی طرف منسوب کر کے فرمایا ان کو اس کی کچھ تحقیق نہیں" (تفسیر بیضاوی: 280/2)۔

قاضی بیضاویؒ کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ کفار کا خیال تھا کہ مشیت کا تعلق صرف جائز کام کے ساتھ ہے جو کام جائز ہیں. وہاں صرف مشیت باری ہوگی. حالانکہ مشیت کا تعلق جائز اور ناجائز دونوں کے ساتھ ہے۔ جب کفار نے مشیت کو صرف جواز کے دائرے میں خاص کردیا تا کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو ملائکہ کی عبادت کرنا صحیح ہوجائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جہل کو آشکارا کردیا کہ کفار کا قول ﴿لو شاء الرحمٰن ما عبدناھم﴾ ایک بے سند بات ہے۔

تعارض:78 سورۃ الأنعام

آیت: 160

﴿من جاء بالحسنۃ فلہ عشر أمثالھا﴾ " جو شخص نیک کام کریگا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے" اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے جبکہ دیگر آیات سے سات سو اور اس سے بھی زیادہ اجر معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿مثل الذین ینفقون أموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف لمن یشآء﴾ " جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں جمیں ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے" (سورۃ البقرۃ: ٢٦١) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سات سو تک نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔

تطبیق: علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: وھذا اقل ما وعد من الاضعاف وقد جاء

http://mujahid.xtgem.com

الوعد بسبعين وسبعمائة وبغير حساب ولذالك قيل: المراد بالعشر الكثرة لا الحصر في العدد الخاص. اللہ تعالیٰ نے زیادہ نیکیاں اجر میں دینے کا جو وعدہ کیا ہے تو دس نیکیوں کا اجر ملنا اس میں اقل درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ستر اور سات سو کا اور بلاحساب عطا کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ عشرہ سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ کثرۃ مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی: 69/8)۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ولهذا قال البعض العلماء: العشر لسائر الحسنات والسبعمائة للنفقة في سبيل اللّه والخاص والعام فيه سواء وقال بعضهم: يكون للعوام عشرة. وللخواص سبعمائة وأكثر الى مالايحصى. وهذا يحتاج الى توقيف. والأول أصح. بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ عام نیکوں کا اجر دس گنا ہے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر سات سو گنا ہے۔ اس میں عام وخاص سب برابر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عوام کو دس گنا اجر ملتا ہے اور خواص کو سات سو گنا سے لیکر لامحدود اجر ملتا ہے۔ لیکن یہ قول دلیل سمعی کا محتاج ہے اول قول صحیح ہے کیونکہ ایک حدیث شریف میں ہے: (أما حسنة بعشر فمن عمل حسنة فله عشر أمثالها وأما حسنة بسبعمائة فالنفقة في سبيل اللّه - (تفسير قرطبي: 151/7)۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: قال بعضهم: التقدير بالعشرة ليس المراد منه التحديد بل الأدا الاضعاف مطلقاً " بعض فرماتے ہیں کہ عشرۃ سے تحدید مراد نہیں بلکہ مطلقا افزونی مراد ہے" تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں: والدليل على أنه لا يمكن حمله على التحديد قوله تعالىٰ: ﴿مثل الذين ينفقون امـ الهم في سبيل اللّه﴾ اس بات کی دلیل کہ عشرۃ میں تحدید مطلوب نہیں یہ آیت ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے اموال خرچ ۔۔۔ (تفسیر کبیر: 9/14)۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں: المراد بالعشرة الكثرة دون العدد. "عشرۃ سے کثرت مراد ہے عدد نہیں۔ (تفسیر بیضاوی: 276/1)۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ اس کا ثواب دس حصے ملتا ہے ﴿من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها﴾ میں اسی ادنیٰ درجے کا بیان ہے۔ تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجے کے ساتھ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے کہ سات سو تک علیٰ حسب تفاوت المراتب۔ (تفسیر بیان القرآن: 157/1)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: کہ جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملے گا زائد کی حد نہیں ﴿واللّه يضاعف لمن يشاء﴾ (تفسیر عثمانی: ص 193)۔

تعارض 79 سورۃ الاعراف

آیت 15

﴿قال انظرني الى يوم يبعثون قال انك من المنظرين﴾ وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ کافر کی دعا بھی قبول ہوتی ہے کیونکہ ابلیس کافر ہے حالانکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ (وما دعاء الكافرين الافي ضلال). سورۃ المومنون آیت/ 50﴾ اور کافروں کی دعا محض بے اثر ہے۔

بالکل اسی طرح آیت سورۃ الرعد میں ہے۔ (آیت 14) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

http://mujahid.xtgem.com

﴿وفیه دلیل علی ان اجابة الدعاء غیر مختص باھل الاسلام والطاعة﴾ (مظہری ج ۲/ص ۳۳۴).

علامہ آلوسی بھی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ کافر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں دنیا میں کافر کی دعا قبول ہو سکتی ہے جیسا ابلیس نے عمر طویل مانگی اور منظور کی گئی۔ ﴿بیان القرآن ج ۱۰/ص ۴۳﴾.

تطبیق:- بعض مفسرین کے نزدیک شیطان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ وہ جملہ انك من المنظرین کو خبر پر محمول کرتے ہیں۔ یہ اللہ نے اپنے تقدیری فیصلہ کی خبر دی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ قال بعض المحققین الجملة اخبار عن کونه من المنظرین فی قضاء اللہ تعالیٰ من غیر ترتب علی دعائه بعض محققین فرماتے ہیں کہ جملہ اللہ تعالی کی تقدیری فیصلہ کی خبر ہے۔ یہ جملہ شیطان کی دعا کی اجابت نہیں۔ ﴿روح المعانی ج ۸/ص ۹۲﴾۔ اس تشریح کے ساتھ آیات کے مابین بالکل تضاد نہیں رہتا۔

جن مفسرین کے نزدیک کافر کی دعا دنیا میں قبول ہوتی ہے تو وہ دفع تعارض میں فرماتے ہیں کہ کافر کی دعا آخرت میں قبول نہیں ہوتی۔ مولانا تھانویؒ کی یہی تحقیق ہے۔ سورۃ المؤمنون میں تصریح ہے کہ کفار آخرت میں پکاریں گے لیکن ان کی یہ پکار بے اثر ہوگی۔ لیکن سورۃ الرعد میں جو ذکر ہے کہ کفار کی دعا بے اثر ہے وہ دنیا میں ہے۔ کیونکہ گزشتہ آیات جو اس آیت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پکار بے اثر ہے۔ کفار بتوں کو پکارتے ہیں وہ جواب نہیں دیتے۔ اور پھر فرمایا کہ کفار کی دعا محض بے اثر ہے۔ والذین یدعون من دونه لایستجیبون لھم ﴿سورۃ الرعد آیت ۱۴﴾

عدم اجابت اگر بتوں کی طرف سے ہے تو پھر کوئی تعارض نہیں رہتا۔ کیونکہ کفار کی

دعا بے اثر چلی گئی۔ اور کافر کی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی۔ اگر عدم اجابت کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو تعارض باقی رہتا ہے۔ امام نیشاپوری فرماتے ہیں ان کی دعا قبول کیوں نہیں ہوتی۔ وجہ لکھتے ہیں "لایجیبھم لحقارة امرھم" حقارةً کفار کو جواب نہیں ملتا کیونکہ ان کی پکار غلط ہے۔ اس صورت میں انك من المنظرین سے تعارض رہے گا۔ کیونکہ مہلت دینے سے معلوم ہوا کہ دنیا میں دعا قبول کرتا ہے۔ اور لایستجیبون لھم سے معلوم ہوا کہ اللہ ان کی پکار کو قبول نہیں کرتا۔ اس کا یا تو یہ جواب ہے۔ عدم اجابت بتوں کی طرف سے ہے جیسے ابوجعفر طبری نے لکھا ہے ای ھذا الذی یدعوا من دون اللہ ھذا الوثن وھذا الحجر لایستجیب له بشئ ابداً۔ جو پتھر کے بت کو پکارتا ہے وہ بت اس کو کبھی بھی جواب نہ دے گا۔ (تفسیر طبری ج ۱۳/ص ۸۷).

اور اگر عدم اجابت اللہ کی طرف سے ہو تو دفع تعارض کیلئے یہ توجیہ کافی ہے کہ اللہ تعالی ہر کافر کی دعا قبول نہیں کرتا۔ بلکہ کبھی کبھار ایک آدھ کافر کی دعا قبول کرتا ہے۔ کیونکہ اکثر کافروں کی دعا بے اثر ہوتی ہے جو دعا قبول کرتا ہے۔ وہ بھی بطور استدراج کے ہوتا ہے جس میں کافر کا فائدہ نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ کافروں کی دعا بے اثر ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض 80 سورۃ الاعراف

آیت 28

قل ان اللہ لایأمر بالفحشاء. آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا. اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو گناہ کا حکم نہیں دیتا لیکن ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فسق کا حکم دیتا ہے. ارشاد ربانی ہے واذا اردنا ان نھلک قریۃً امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا. اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں. (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۴).

تطبیق:- جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں بالطاعۃ علی لسان رسلنا. لوگوں کو انبیاء کرام کے ذریعہ اپنی اطاعت کا حکم دیا تھا. (جلالین ص ۲۳۱)

امام رازی فرماتے ہیں. والحق ماذکر الکل وھو ان المعنی امرناھم بالاعمال الصالحۃ وھی الایمان والطاعۃ والقوم خالفوا ذلک الامر عنادا واقدموا علی الفسق. حق بات وہی ہے جو سب نے ذکر کی ہے. کہ ان اعمال صالحہ یعنی ایمان اور اطاعت کا حکم ملا تھا لیکن انہوں نے عناد کی وجہ سے مخالفت کر کے فسق کا اقدام کیا. (کبیر ج ۲۰/ص ۱۷۵).

اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کیونکہ اس سے اگلی آیت میں اللہ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے پاس رسول نہ بھیجوں تو رسول کا کام ہی لوگوں کو ایمان اور اطاعت کی طرف بلانا ہے.

اگر امر فسق کا دیا تھا تو اس کے بارے میں علامہ زمخشری کی توجیہ یہ ہے. فرماتے ہیں کہ ان کو حقیقتاً فسق کا امر نہیں کیا گیا ورنہ اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے افسقوا تم فسق کرو. امر کا اطلاق یہاں مجازاً ہے. مجاز کی صورت یہ ہے. کہ اللہ تعالیٰ نے ان

پر جو انعامات کئے ان کے غلط استعمال کی وجہ سے وہ فسق کا ذریعہ بن گئے. اسی سبب کے درجے میں یوں لگتا ہے کہ گویا وہ فسق پر مامور تھے. فرماتے ہیں' ووجہ المجاز انہ صبّ علیھم النعمۃ صبافجعلوھاذریعۃ الی المعاصی واتباع الشھوات فکانھم مامورون بذالک لتسبب ایلاء النعمۃ فیہ. (الکشاف ج ۲/ص ۶۵۴).

علامہ زمخشری نے دوسری توجیہ بھی کی ہے. وقد فسر بعضھم امرنا بکثرنا ہم نے خوش عیش لوگوں کی تعداد بڑھادی.

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں. اکثرنا عددھم ہم ان کی تعداد بڑھادیتے ہیں. امام رازی فرماتے ہیں. قال الواحدی العرب تقول امر القوم اذا کثروا وامرھم اللہ اذا کثرھم. عرب قوم کی کثرت کی وجہ سے کہتے ہیں امر القوم. جب اللہ قوم کو زیادہ کردیتا ہے تو کہتے ہیں امرھم اللہ. حدیث ھرقل میں ہے بھی لقد امر امر ابن ابی کبشہ ای کثر.

امام فراء فرماتے ہیں. معنی آمرنا بالمد اکثرنا. مد کیساتھ کثرت کے معنی میں ہے. امام فراء فرماتے ہیں امّرنا مترفیھا وھو موافق لتفسیر ابن عباس وذلک انہ قال سلّطنا رؤساءھا ففسقوا فیھا. امرنا شد کیساتھ ہے یعنی امیر مقرر کرنا. ہم نے قوم پر بڑے بڑے سردار مسلط کردے. انہوں نے شہر میں فسق شروع کیا. (معانی القرآن ج ۲/۱۱۹)

تجربہ اس پر شاہد ہے کہ مال فتنہ ہے اور حدیث میں بھی مال کو فتنہ کہا ہے. جہاں کہیں خوش عیش لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آتا ہے تو اللہ اور رسول سے بغاوت شروع کردیتے ہیں. فسق کے اصل بانی یہ رؤساء ہوتے ہیں.

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ خوش عیش لوگوں کا قوم اتباع شروع کردیتی ہے اور وہ

http://mujahid.xtgem.com

نشہ دولت اور اقتدار کی وجہ سے حماقت پر اتر آتے ہیں. (بیضاوی ج ۱/ص ۳۵۹). اس کا لازمی نتیجہ ہر طرف فسق وفجور ہوتا ہے. حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ان کو فسق کا حکم تشریعی نہیں دیا گیا. بلکہ تکوینی امر ہے. معناه امرنا مترفيها ففسقوا فيها امراً قدريا. کقوله تعالیٰ اتاها امرنا ليلا او نهارا' دن میں یا رات میں اس پر ہمارا امر آیا. (سورۃ یونس آیت ۲۴).

آگے لکھتے ہیں' معناه انه سخرهم الى فعل الفواحش فاستحقوا العذاب. ان کے لئے فحش افعال مسخر ہو گئے. جس کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو گئے (ابن کثیر ج ۳/ص ۲۹۵).

اس تکوینی امر کی قرآن مجید میں کئی مثالیں ملتی ہیں. ارشاد ہے. فلما جاء امرنا نجينا صالحا سو جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے صالح کو نجات دی. (سورۃ ھود آیت ۶۶). فلما جاء امرنا جعلنا عاليها سافلها سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا. (سورۃ ھود آیت ۸۲) ان آیتوں میں تکوینی امر کا ذکر ہے اسی طرح امرنا مترفيها میں تکوینی امر ہے. ان کو تشریعی طور پر نہیں کہا کہ فسق کرو فسق تو انہوں نے خود کیا لیکن ارتکاب فسق کے بعد اس پر ایجاداً اور تخلیقاً امر کا اطلاق صحیح ہے. واللہ اعلم عند اللہ

تعارض 81 سورۃ الاعراف

آیت 51

فاليوم ننساهم كما نسوا لقاء يومهم هذا. سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا.

وقيل اليوم ننساكم كما نسيتم لقاء يومكم هذا. اور کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلا دیتے ہیں

جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا ہے. (سورۃ الجاثیہ آیت 34).

اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بھولتا ہے اس لئے تو آخرت میں مجرمین وغیرہ کو بھلا دیا جائیگا. لیکن سورۃ طٰہٰ کی آیت لا يضل ربي ولا ينسى' سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے. کہ اللہ تعالیٰ پر نسیان اور بھول طاری نہیں ہوتا. آیت کا معنی یہ ہے. میرا رب نہ غلطی کرتا ہی اور نہ بھولتا ہے. (آیت 52).

تطبیق: ...... جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے مجرمین کے عذاب کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ نسیان کی اپنی طرف نسبت کی ہے. تو ان آیات میں نسیان بمعنی ترک ہے. یعنی ہم تم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے. تمہارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا. ہماری عام بول چال میں بھی یوں کہا جاتا ہے جب کوئی جان بوجھ کر کسی کی خبر گیری نہیں کرتا. تو وہ آدمی شکوۃً اس کو کہتا ہے کہ ہمیں بھلا کر رکھ دیا. اسی لئے تمام تفاسیر میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے مجرمین کی سزا کے وقت نسیان کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس کا معنی ترک ہے. یہاں صرف ایک تفسیر کے حوالہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں نترككم في العذاب كما تركتم عدة (الکشاف ج 4 ص 293).

ہم تم کو عذاب میں چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے میرے وعدے کا پاس چھوڑ دیا تھا.

تعارض: 82 سورۃ الاعراف

54

الا له الخلق والامر. یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا.

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلق کی طرح امر بھی اللہ کا خاصہ ہے حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ بھی امر کرتے ہیں. ارشاد باری ہے "تـامـرون بالمعروف" حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا. (آل عمران 110) .

"وامُر اھلك بالصلوٰۃ" اور حکم کر اپنے گھر والوں کو نماز کا (طٰہٰ 132)

تطبیق:...... امام رازی فرماتے ہیں. المراد بالامر ھھنا قوله تعالیٰ (کُـن) عند خلق الاشیاء وھذا الامر الذی به الخلق مخصوص به کالخلق. اس آیت میں امر سے مراد (کن) ہے اور امر بایں معنی خلق کی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے. (مسائل الرازی ص 94)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں ای ھو الذی خلق الاشیاء کلھا وھو الذی صرفھا علی حسب ارادته. اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور اپنے ارادہ کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے (الکشاف ج 2 ص 110) امر سے مراد تصرف اور تسخیر ہے.

ابن الجوزی فرماتے ہیں. "وقیل الامر القضاء" امر سے مراد قضا ہے. (زاد المسیر ج 3 ص 214).

ابی السعود العمادی فرماتے ہیں "فانه موحد للکل والمتصرف فیه علی الاطلاق" وہ علی الاطلاق متصرف ہے. (تفسیر ابی السعود ج 2 ص 169) امر سے متصرف مراد ہے.

تعارض: 83 سورۃ الاعراف

آیت 78

"فاخذتھم الرجفة" پھر آ پکڑا ان کو زلزلہ نے. اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم

شعیب کا عذاب زلزلہ تھا. ایک آیت میں فرمایا "فاخذھم عذاب یوم الظلة" پھر ان کو سائبان کے واقعہ نے آ پکڑا (سورۃ الشعراء آیت ۱۸۹) ایک اور ارشاد ہے "واخذت الذین ظلموا الصیحة" اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے آ پکڑا (سورۃ ھود آیت ۹۴).

تین قسم کے عذاب کا ذکر ہے تینوں میں بظاہر تعارض ہے.

تطبیق:...... تینوں قسم کا عذاب ان پر نازل ہوا تھا. حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "وقد اجتمع علیھم ذلك کله اصابھم عذاب یوم الظلة وھی سحابة اظلتھم فیھا شرر من نار ولھب ووھج عظیم ثم جائتھم صیحة من السماء ورجفة من الارض" تینوں قسم کا عذاب ان پر جمع ہوا. سائبان کا عذاب آ گیا ایک بادل آیا جن میں چنگاریاں اور آگ کے بڑے بڑے شعلے اور زبردست بھڑک تھی پھر آسمان سے آواز اور زمین سے زلزلہ آیا (ابن کثیر ج 3 ص 198).

علامہ آلوسی فرماتے ہیں "ولعلھما من مبادی الرجفة فاسند اھلاکھم الی السبب القریب تارۃ والی البعید اُخریٰ" جبرئیل کی آواز زلزلہ کے عذاب کے مبادیات میں سے ہے اس کے بعد زلزلہ آیا نسبت کبھی سبب قریب کی طرف ہوتی ہے کبھی سبب بعید کی طرف.

(2) "وقال بعضھم ان القصة غیر واحدۃ فان شعیبا علیه السلام بعث الی امتین اھل مدین واھل الایکة فاھلکت احداھما بالرجفة والاخری بالصیحة" بعض فرماتے ہیں کہ عذاب کا واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا. کیونکہ شعیب علیہ السلام کی بعثت دو امتوں کی طرف ہوئی تھی. اہل مدین اور اہل ایکہ. ایک امت زلزلے سے ہلاک ہوئی اور دوسری آواز سے.

"والمروی عن قتادۃ انھم الذین اھلکوا بھا وان اھل الایکة

http://mujahid.xtgem.com

"اھلکوا ابالظلة" حضرت قتادة سے مروی ہے کہ اہل مدین رجفة اور صیحہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور اھل ایکہ ظلہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے۔(روح المعانی ج 9 ص 6)۔

امام قرطبی نے بھی یہی لکھا ہے "واصحاب الایکۃ اھلکوا بالظلة (قرطبی ج 7 ص 251)

تعارض: 84 سورۃ الاعراف

آیت 94

"ولقد جئتمونا فرادیٰ" اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر آدمی اللہ کے پاس تنہا جائے گا لیکن حشر والی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا نہیں ہوں گے کیونکہ سب کا حشر ایک ساتھ ہوگا۔ارشاد ہے "ویوم نحشرھم جمیعا" اور جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائے گا(سورۃ السبا آیت 40)

تطبیق:.....قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں "یوم موتھم اویوم القیامة والسیاق یقتضی یوم الموت" موت کے دن یا قیامت کے دن تنہا آؤ گے لیکن سیاق کے مناسب موت کا دن ہے۔(مظہری ج 3 ص 270)۔

ظاہر ہے کہ ہر آدمی تنہا مرتا ہے اور تنہا اللہ کے پاس جارہا ہے۔سب کا جمع ہونا محشر میں قیامت کے بعد ہوگا۔اس لئے حشر میں تو سب اکٹھے ہوں گے لیکن موت کے وقت سب تنہا ہیں۔قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔"عن الاعوان والاوثان" نہ کوئی مددگار ہوگا نہ بت تنہا رہ جائیگا۔(بیضاوی ج 1 ص 263) نفسانفسی کے عالم میں ہر آدمی یک تنہا ہوگا۔اگرچہ حشر کے لحاظ سے سب یکجا ہوں۔دونوں میں کوئی تضاد نہیں

امام نیشاپوری فرماتے ہیں "والمراد التوبیخ والتقریع لانھم بذلوا جھدھم وصرفوا کدھم فی الدنیا الی تحصیل امرین احدھما المال والجاہ والثانی انھم عبدوا الاصنام" آیت کا مقصد کفار کو ڈانٹ پلانا ہے اس لئے کہ انہوں نے ساری زندگی مال وجاہ کے حصول اور بتوں کی عبادت میں کھپادی (غرائب القرآن ج 7 ص 194 حاشیہ طبری)

تعارض: 85 سورۃ الاعراف

آیت (107)

"فالقیٰ عصاہ فاذاھی ثعبان مبین" پس آپ نے عصا ڈال دیا پس دفعتاً وہ صاف ایک اژدھا بن گیا۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بہت بڑا سانپ بنا تھا۔ارشاد ربانی ہے "فلما رآھا تھتز کانھا جان" سو جب انہوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ۔(سورۃ النمل آیت 10) جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں۔

تطبیق:.....قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں "الثعبان الذکر العظیم من الحیة وکان یتحرک کانھا جان ای حیة صغیرة ولھذا قال فی موضع آخر کانھا جان" ثعبان بڑے سانپ کو کہتے ہیں لیکن حرکت میں چھوٹے سانپ کی طرح تیز تھا۔اسی لئے دوسرے مقام پر اس کو جان یعنی چھوٹا سانپ کہا گیا۔(مظہری ج 3 ص 390)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں تعارض نہیں کیونکہ یہ واقعہ کئی مرتبہ ہوا "ان القصة غیر واحدة" ممکن ہے کبھی جان اور کبھی ثعبان بنا ہو۔

http://mujahid.xtgem.com

(2) اوان المقصود فی ذلک تشبیهها فی الخفۃ الحرکۃ بالجان لابیان جثتها" دونوں آیتوں میں سانپ کی جسامت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اژدھا کو تیز حرکت میں چھوٹے سانپ کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے.

(3) انہاانقلبت جانا وصارت ثعبانا فحکیت الحالتان فی آیتین" عصا پہلے چھوٹا سانپ بنا پھر بڑا سانپ بن گیا. دو حالتیں ہوئیں. ایک آیت میں ایک حالت (چھوٹا سانپ) بیان ہوئی اور دوسری آیت میں دوسری حالت (اژدھا) کا بیان ہوا.

تعارض: 86 سورۃ الاعراف

آیت 109

"قال الملأ من قوم فرعون ان ھذا الساحر علیم" قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے انہوں نے کہا واقعی وہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے.

اس سورت میں اس کلام کی نسبت قوم فرعون کے سرداروں کی طرف ہوئی ہے اور سورۃ الشعراء میں اس کلام کی نسبت فرعون کی طرف ہوئی ہے فرمان باری ہے ."قال للملأ حولہ ان ھذا الساحر علیم" فرعون نے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے. (آیت 34)

تطبیق:...... امام رازی اس کے دو جواب دیتے ہیں.

الاول:...... لایمتنع انہ قدقالہ ھو وقالوہ ھم فحکی اللہ تعالیٰ قولہ ثم وقولھم ھنا" ممکن ہے یہ قول پہلے فرعون نے کیا ہو پھر قوم فرعون کے سرداروں نے. اللہ نے پہلے فرعون کے قول کی مطابق حکایت کی پھر قوم فرعون کے

سرداروں کی.

والثانی:......لعل فرعون قالہ ابتداء فتلقتہ الملأ منہ فقالوہ لغیرہ اوقالوہ عنہ لسائر الناس علی طریق التبلیغ فان الملوك اذارأوا رایا ذکرہ للخاصۃ وھم یذکرونہ للعامۃ فکذاھنا" یہ کلام اول فرعون نے کیا ہو اور اس سے سرداروں نے سن کر اوروں سے کیا ہو. یا سب لوگوں کو بطریق تبلیغ کہا ہو. جیسا کہ بادشاہ جب کوئی رائے قائم کرتا ہے تو اول خاص لوگوں کے سامنے ذکر کرتا ہے پھر وہ خاص لوگ عام لوگوں کو بطریق تبلیغ خبردار کرتے ہیں. (تفسیر کبیر ج 14 ص 196)

علامہ زمخشری نے بھی یہی لکھا ہے. (الکشاف ج 2 ص 139)

ابی السعود العمادی فرماتے ہیں "قالوہ تصدیقا لفرعون وتقریرا لکلامہ فان ھذا القول بعینہ معزی فی سورۃ الشعراء الیہ" سرداران قوم نے یہ کلام فرعون کی بات کی تصدیق اور اثبات کے لئے کہا تھا کیونکہ سورۃ الشعراء میں صراحۃ اسی کلام کی نسبت فرعون کی طرف ہوئی ہے. (تفسیر ابی السعود ج 2 ص 188)

تاج القراء الکرمانی فرماتے ہیں "قال الملأ من قوم فرعون وفرعون بعض لبعض فحذف فرعون لاشتمال الملأ من آل فرعون علی اسمہ کماقال (واغرقنا آل فرعون) ای آل فرعون و فرعون فحذف فرعون لان ال فرعون اشتمل علی اسمہ فالقائل ھو فرعون وحدہ"

قال الملأ من قوم فرعون میں ایک لفظ فرعون حذف ہے. کیونکہ آل فرعون میں فرعون داخل ہے جس طرح (اغرقنا آل فرعون) میں فرعون داخل ہے. پس قائل صرف فرعون ہے. یعنی فرعون نے صرف کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام

http://mujahid.xtgem.com

بڑا ماہر جادوگر ہے (ص 80، 18) .

تعارض: 87 سورۃ الاعراف

آیت 137

"ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومہ وما کانوا یعرشون" اور اس قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا (آیت

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرعون کے کارخانے اور عمارات تباہ و برباد ہوگئے لیکن سورۃ الشعراء کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کارخانے اور عمارات صحیح سالم تھے. "فرمان باری ہے "فاخرجنٰھم من جنت وعیون و کنوز ومقام کریم کذلك اورثناھا بنی اسرائیل" غرض ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا یوں کیا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنایا (آیت 57، 58، 59)

تطبیق:...... مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس کا جواب احقر کے نزدیک یہ ہے کہ قبضہ میں تو بعینہ آئے لیکن چونکہ دوسری سلطنت ہمیشہ عادۃ پہلی سلطنت کے انتظامات کو متغیر و متبدل کر دیتی ہے اس لئے دمرنا فرمایا گیا. اور یہ جواب میری نظر سے نہیں گزرا (بیان القرآن ج 4 ص 38)

ابوحیان الاندلسی فرماتے ہیں "وقیل ما کان یصنع من التدبیر فی امر موسی علیہ السلام واخماد کلمتہ" تدمیر سے مراد یہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو سکیم بنائی تھی اس کو اللہ نے فیل کر دیا.

"وقیل المراد اھلاك اھل القصور والمواضع المنیعۃ و اذاھلك

الساکن ھلك المسکون" یا تدمیر سے ان عمارتوں کے مکینوں کی ہلاکت مراد ہے. کیونکہ مکین کی موت مکان کی ہلاکت ہے. (البحر المحیط ج 4 ص 377)

ابوحیان الاندلسی کی ان دو تفسیروں کے ساتھ تعارض باقی نہیں رہتا.

امام رازی نے بھی مسائل الرازی میں یہ جواب دیا ہے. البتہ ایک اور توجیہ بھی کی ہے. "وقیل ھو علی ظاھرہ لان اللہ تعالیٰ اورث بنی اسرائیل مدۃ ثم دمرہ جمیعاً" یا تدمیر کا معنی ہلاکت اور تباہی ہی ہے. لیکن معنی یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو کچھ عرصہ کیلئے اس کا مالک بنا دیا پھر سب کچھ ختم کر دیا. (مسائل الرازی ص 98)

تعارض 88 سورۃ الاعراف

آیت 157

"ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث" اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں. اور گندی چیزوں کو حرام بتاتے ہیں.

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو بھی شارع حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرح تحلیل و تحریم کا حق حاصل ہے. حالانکہ شارع حقیقی صرف اللہ ہے. تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے. ارشاد ہے واحل اللہ البیع وحرم الربوا. حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے. اور سود کو حرام کر دیا ہے. (سورۃ البقرۃ آیت 275).

ارشاد ہے "یآیھا النبیّ لم تحرم ما احل اللہ لك" اے نبیؐ جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں. (سورۃ التحریم آیت 1).

ایک جگہ ارشاد ہے. "شرع لکم من الدین" اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے

http://mujahid.xtgem.com

دین مقرر کیا ہے۔(سورۃ الشوری آیت 13)

تطبیق:......اس میں کوئی شک نہیں کہ شارع حقیقی صرف اللہ ہے۔تحلیل وتحریم اللہ تعالی کا حق ہے ابن الہمام التحریر میں فرماتے ہیں۔"الحاکم لاخلاف فی انہ اللہ رب العلمین" اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ حاکم صرف اللہ رب العلمین ہے۔مسلم الثبوت میں ہے "لاحکم الا من اللہ"نصوص قطعی طور پر اللہ تعالی کے شارع حقیقی ہونے پر دال ہیں۔حضورﷺ اور انبیاء جب اللہ تعالی کی حلال کردہ اور حرام اشیاء کا بیان کرتے ہیں تو یہ ان اشیاء کے حلت اور حرمت کی قطعی اور یقینی نشانی ہوتی ہے۔اور بعض اشیاء میں مجتہدین کا حلت اور حرمت کا قول جوملتا ہے وہ ان اشیاء کی حلت اور حرمت پر ظنی طور پر دال ہوتا ہے۔اس لئے تحلیل اور تحریم کی نسبت کبھی نبیﷺ اور مجتہد کی طرف ہوتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انبیاء کرام اور مجتہدین حضرات کی حیثیت مستقل شارع کی ہے۔

امام نیشاپوری فرماتے ہیں:"یعنی الاشیاء التی حکم اللہ تعالی بحلھا" نبیؑ ان اشیاء کو حلال بتاتا ہے جن کے بارے میں اللہ حکم دے چکا ہوتا ہے۔(غرائب القرآن حاشیہ طبری ج9 ص56)۔

علامہ آلوسی "ولایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔"ای ماثبت تحریمہ بالوحی متلواًوغیرمتلو" جس کی حرمت وحی متلو اور غیر متلو سے ثابت ہے۔(روح المعانی ج10 ص78)۔

معلوم ہوا کہ نبیؑ صرف وحی متلو اور غیر متلو کا بیان کرتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے آیت کے ترجمہ میں جو فرمایا ہے کہ حلال بتاتے ہیں حرام بتاتے ہیں۔اس ترجمہ سے تعارض کا اشکال خود بخود دور ہو جاتا ہے۔نبیؑ حرام اور حلال صرف بتاتا ہے بناتا نہیں۔

تعارض:89

سورۃ الاعراف

آیت 179

"ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس" اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اور جنات کی تخلیق آگ کیلئے ہے جبکہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے۔ارشاد ہے"وماخلقت الجن والانس الالیعبدون" اور میں نے جن اور انس کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔(سورۃ الذاریات آیت 56)

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔وہ غایت تشریعی ہے اور یہ غایت تکوینی پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔(بیان القرآن ج4 ص54)۔سورۃ ذاریات میں انسان اور جن کی تخلیق کا جو ذکر ہے وہ تشریعی مقصد ہے۔انسان اور جن دونوں کو عبادت کا حکم دیا ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں"ھم المطبوع علی قلوبھم الذین علم اللہ انہ لالطف لھم سورۃ" سورۃ اعراف میں جس تخلیق کا ذکر ہے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ ان کیلئے کوئی لطف وکرم نہیں۔(الکشاف ج2 ص179)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں یعنی المصرین علی الکفرفی علم اللہ" وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ کفر پر قائم رہیں گے(بیضاوی ج1 ص304)۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں "لجھنم ھذہ اللام یسمیھابعض اھل المعانی لام العاقبۃ کقولہ لیکون لھم عدواوحزنا"لجھنم میں لام عاقبت کیلئے ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

شاعر کا قول نقل کیا ہے۔

امـوالـنـا لـذوی المیراث یجمعنا
ودورنـا لـخـراب الـدهـر نبنیها

مال وارثوں کے لئے جمع کرتے ہیں اور گھر اجڑنے کے لئے بناتے ہیں۔
مال کی کمائی اور مکان بنانے میں کسی کی یہ غرض نہیں ہوتی۔ لیکن دونوں کا انجام اور اختتام اسی پر ہے کہ مال بالآخر وارث کو ملتا ہے۔ اور گھر طبعی مجبوری کر کے زمین بوس ہو جاتا ہے اسی طرح بعض جنات اور انسانوں کا آخری انجام دوزخ ہے۔ قاضی بیضاوی نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا۔ اور کہا ہے کہ یہ عدول عن الظاہر ہے۔ (زاد المسیر ج 3 ص 292)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں دونوں میں تخلیق کی غرض اور حیثیت جدا ہے۔ جنات اور انسانوں کو اصل تخلیق اور حکمت کے لحاظ سے عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس تخلیق میں اس کا لحاظ نہیں رکھا۔ کہ ان میں کون کفر کے راستے پر چلے گا۔ اسی طرح بہت سے جنات اور انسانوں کو پیدا کیا اس لحاظ سے کہ ان کے بارے میں اللہ کو علم تھا کہ کفر اختیار کریں گے۔ اور اللہ کا قول ہے کہ میں جہنم کو بہت سے جنات اور انسانوں سے ضرور بھروں گا۔ لکھتے ہیں "خلق الجان والانس کلهم للعبادة من حيث نفس الخلق واصل الحكمة فی خلق العالم من غير ملاحظة علم الله فيهم اختيار الكفر وخلق كثيرا من الجن والانس لجهنم نظراً الی انه تعالیٰ علم منهم اختيار الكفر وحق القول منه لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين ولا منافاة بين الحيثيتين (مظہری ج 3 ص 435)۔

وما خلقت الجن والانس میں تمام جنات اور انسانوں کا ذکر ہے اور ولقد ذرأنا لجهنم میں "من تبعیضیہ" ہے۔ سب کی تکوینی غایت ایک نہیں جیسے لاملئن جہنم میں من تبعیضیہ ذکر کیا ہے۔

تعارض 90 سورۃ الأنفال

آیت 2

"انما المومنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم" پس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذکر کے وقت دل گھبرا جاتے ہیں لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ "الا بذكر الله تطمئن القلوب" خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کا اطمینان ہو جاتا ہے۔ (سورۃ الرعد آیت 28) اطمینان اور خوف میں تضاد ہے۔

تطبیق:۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ "فزعت لذكره استعظاما له وتهيبا من جلاله وعزة سلطانه وبطشه بالعصاة عقابه وهذا الذكر خلاف الذكر فی قوله ثم تلين جلودهم وقلوب الی ذكر الله لان ذلك ذكر رحمة ورأفة وثوابه" ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ دل کا گھبرانا اللہ کی عظمت جبروت اور ہیبت کی وجہ سے۔ اور ایک ذکر رحمت اور ثواب والا ہے۔ جس سے دل موم ہو جاتے ہیں۔ (الکشاف ج 2 ص 196)۔

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں "وقيل هو الرجل يهم بمعصية فيقال له اتق الله فينزع عنه خوفا عقابه" اس ذکر سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی آدمی گناہ کا ارادہ کرے اور اس کو کوئی کہہ دے کہ اللہ سے ڈر تو وہ آدمی اللہ کے عقاب سے گھبرا جاتا ہے۔ (بیضاوی ج ۱ ص ۳۰۹)۔ جو ذکر زبان سے کیا جائے وہ باعث

http://mujahid.xtgem.com

اطمینان ہے.علامہ آلوسی فرماتے ہیں"والاطمینان المذکورفی قوله سبحانه تعالیٰ الابذکر اللہ تطمئن القلوب لاینافی الوجل والخوف لانه عبارة عن ثلج الفؤاد شرح الصدوربنورالمعرفة والتوحید وهویجامع الخوف" دل کاذکر سے مطمئن ہونا خوف کے منافی نہیں کیونکہ اطمینان کامعنی اللہ کی معرفت اورتوحید کیساتھ دلی سروراور شرح صدرمراد ہے .اوریہ ممکن ہے کہ دل میں اللہ کاخوف بھی ہو اورشرح صدراوردلی اطمینان بھی ہو.(روح المعانی ج 9 ص165).

امام قرطبی فرماتے ہیں "ای تسکن فی نفوسهم من حیث الیقین الی اللہ وان کانوایخافون اللہ" اللہ کی ذات پریقین کے اعتبار سے دلی سکون اورخوف الٰہی جمع ہوسکتا ہے.(قرطبی ج 7 ص366).دل میں اللہ کی ذات کایقین اوراس کاخوف جمع ہوسکتے ہیں.

جس شخص کااللہ کی ذات پریقین ہواوراللہ کی صفات کا کچھ نہ کچھ علم رکھتاہواس کے سامنے جب اللہ کی عظمت 'جبروت بیان کی جائے اس کی قہاریت اورجبروت کاتذکرہ ہوتوظاہر بات ہے کہ دل اس کے خوف سے کانپ اٹھتاہے.اورکبھی اللہ کے نام کاوردکرتاہے یااس کے اسماء جمالیہ کاتذکرہ سنتاہے تودل میں انتہائی سروراورچین محسوس کرتاہے گویایہ مختلف کیفیتیں ہیں جوذکراللہ کے وقت انسان پرطاری ہوتی ہیں.بعض اوقات دل پرخوف الٰہی کاغلبہ ہوجاتاہے اوربعض اوقات سروراورچین ہوتاہے.اورعام طور پرمطمئن رہتاہے.والعلم عنداللہ.

تعارض 91 سورۃ الانفال

آیت 33

وماکان اللہ لیعذبهم وانت فیهم "اوراللہ تعالیٰ ایسانہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کوعذاب دیں.حضورؐ کے ہوتے ہوئے ان پرعذاب نہ آئے گا.دوسری آیت میں ارشادہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے بلکہ آپ کے ہاتھ سے ان پرعذاب آئے گا."قاتلوهم یعذبهم اللہ بایدیکم" ان سے لڑواللہ تعالیٰ ان کوتمہارے ہاتھوں سے سزادے گا.(سورۃ توبہ آیت 14)ایک اورآیت سے بھی تعارض ہے"ومالهم الایعذبهم اللہ وهم یصدون عن مسجدالحرام " اوران کوکیااستحقاق ہے کہ ان کواللہ تعالیٰ سزانہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجدحرام سے روکتے ہیں.(سورۃ الانفال آیت 34)اس آیت میں کفار کے عذاب کااثبات ہے.

تطبیق:.....سورۃ توبہ کی آیت سے جوتعارض ہے اس کے بارے میں امام رازی فرماتے ہیں."المرادمن عذاب الاستیصال ومن الثانی العذاب الحاصل بالمحاربة والمقاتلة" جس عذاب کی نفی ہے اس سے مرادکفارکابالکلیہ استیصال ہے اورجس کااثبات ہے اس سے مرادکفار سے قتال اورجنگ ہے.(کبیرج15 ص158).سورۃ انفال کی آیتوں میں جوتعارض ہے اس کے بارے میں امام رازی فرماتے ہیں" قال ابن عباس هذاالعذاب هوعذاب الآخرة والذی نفاه عنهم عذاب الدنیا" جس عذاب کااثبات ہے وہ آخرت کاعذاب ہے اورجس کی نفی ہوئی ہے وہ دنیاکاعذاب ہے.(کبیرج15 ص159).

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ عذاب نہ دینا دوباتوں پرموقوف تھاحضورﷺ کاوجوداوران کے مابین مسلمانوں کااستغفار جب حضورﷺ اورصحابہ کرام ہجرت

http://mujahid.xtgem.com

فرما گئے تو دونوں مانع زائل ہو گئے تو بدر کا عذاب آیا فرماتے ہیں "فلما وقع التمیز بالهجرة وقع العذاب بالباقین یوم بدر" (زاد المسیر ج 3 ص 352)۔

ابن الجوزی نے دوسرا جواب بھی دیا ہے۔ "ان العذاب الثانی قتل بعضهم یوم بدر والاول استیصال الکل"۔

جس عذاب کا اثبات ہے وہ بدر کا عذاب ہے اور جس کی نفی کی ہے وہ ان کا کلی استیصال ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کفار کو یکدم عذاب سے ختم نہ کریں گے کیونکہ حضور ﷺ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ نہ جانے ان کی نسلوں میں کون کون اسلام کی روشنی سے منور ہوگا۔

تعارض 92 سورۃ الانفال

آیت 72

"والذین آمنوا ولم یهاجروا مالکم من ولایتهم من شئ حتی یهاجروا" اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس نے ہجرت نہیں کی اس کے اور مسلمانوں کے مابین ولایت منقطع ہے۔ حالانکہ ایک آیت میں حکم اس کے خلاف ہے ارشاد ہے "والمومنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض" اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (سورۃ التوبۃ آیت 71) اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں ولایت ثابت ہے۔ ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو۔

تطبیق :.....سورۃ انفال میں جو ولایت کی نفی ہے اس سے مراد میراث ہے۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں "ای یتولی بعضهم بعضا فی المیراث" یہ ولایت ایک دوسرے کی میراث میں ہوگی۔ (الکشاف ج 2 ص 238)

امام فراء فرماتے ہیں "یرید من موارثهم (معانی القرآن ج 1 ص 418)

ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ ولایت مدد اور محبت کی ہے۔ لیکن یہ ولایت اس آیت سے منسوخ ہوگئی۔ "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض (زاد المسیر ج 3 ص 385) سورۃ توبہ میں جس ولایت کا اثبات ہے اس کے بارے میں ابن الجوزی فرماتے ہیں "بعضهم یوالی بعضا فهم ید واحدة" سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح متحد ہیں۔ (زاد المسیر ج 3 ص 468)۔

امام قرطبی اس ولایت کے بارے میں فرماتے ہیں "ای قلوبهم متحدة فی التوادد والتحابب والتعاطف" ان کے دل ایک دوسرے کی محبت اور الفت میں متحد ہیں۔ (قرطبی ج 8 ص 203) جس ولایت کی نفی ہے وہ میراث ہے اور جس ولایت کا اثبات ہے وہ دوستی اور محبت ہے۔

تعارض 93 سورۃ براۃ

آیت 30

وقالت الیهود عزیر ابن الله وقالت النصاریٰ المسیح ابن الله" اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود اور عیسائی بھی مشرک تھے۔ اس کے بعد فرمان ہے "سبحانه عما یشرکون" وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔ معلوم ہوا کہ

http://mujahid.xtgem.com

اھل کتاب شرک کیا کرتے تھے لیکن قرآن مجید میں ان کا ذکر جب مشرکین کیساتھ ہوتا ہے تو ان کو اہل کتاب کہہ کر پکارا جاتا ہے.مشرکین اور اہل کتاب کو حروف عاطفہ کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے.اور عطف میں مغائرت کا تقاضا ہوتا ہے.جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب مشرک نہیں ارشاد باری ہے.لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین" نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک (سورۃ البینۃ آیت 1) اسی طرح ایک اور ارشاد ہے."مایود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین" دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور مشرکوں میں.(سورۃ البقرۃ آیت 105).

ان آیات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین غیر غیر ہیں اہل کتاب مشرک نہیں.

تطبیق:.....ممکنہ و میسرہ تفاسیر میں اپنی بساط کے مطابق چھان بین کی لیکن مفسرین کے اقوال اس بارے میں نہ مل سکے.اور نہ یہ کوئی ایسا تضاد ہے کہ عیاذاًباللہ قرآن مجید پر دھبہ لگنے کا احتمال ہو.دراصل مشرکین کی قسمیں ہیں.ایک قسم یہ ہے کہ کسی قسم کا دین سماوی نہ ہو اور اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے ہوں.جیسے مشرکین عرب تھے معبود برحق کے مقابلہ میں معبودان باطلہ کی پوجا کرتے تھے.ایک وہ قوم تھی جن کے پاس دین سماوی تھا جیسے یہود اور عیسائی لیکن پھر بھی شرکی افعال کا ارتکاب کرتے تھے.عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہا.

تحریم اور تحلیل میں اپنے احبار ورھبان کے متبع تھے.اور اپنے شرک کو شرک نہ سمجھتے تھے.ان کا گمان تھا کہ ہم موحد ہیں.قرآن مجید میں ہے"یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم "اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہاری درمیان برابر ہے (سورۃ آل عمران.)

ہمارے اور ان کے درمیان جو بات برابر ہے وہ توحید ہے.یہ ان کے گمان کے مطابق کہا گیا ہے.کیونکہ وہ اپنے شرک کو خلاف توحید نہ سمجھتے تھے.مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں.اجمالاً اور کلیاً اہل کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے.(بیان القرآن ج 2 ص 28)

اس وجہ سے اہل کتاب کا ذکر مشرکین کے مقابلے میں ہوتا ہے.اگر چہ مشرکین عرب کی طرح خالص مشرک نہ تھے لیکن خاص مشرک ضرور ہیں.

خلاصہ یہ ہوا کہ وہ خود کو موحد کہتے تھے.اور شرک کو توحید سمجھتے تھے.اور مدعی کتاب تھے لہذا ان کے گمان کے مطابق قرآن مجید ان کو اہل کتاب کے لفظ سے پکارتا ہے .والعلم عنداللہ.

تعارض 94 سورۃ براءۃ

آیت 41

"انفروا خفافا وثقالا" نکل پڑو تھوڑے سامان سے اور زیادہ سامان سے.معلوم ہوا کہ ہر حالت میں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم ہے.لیکن بعض آیات میں اس کے خلاف حکم ہے.بعض حالات میں نہ نکلنے کی گنجائش ہے.ارشاد باری ہے."لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لایجدون ماینفقون حرج" کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیمار پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں (سورۃ براءت آیت 91)

تطبیق:.....علامہ زمخشری فرماتے ہیں."نسخت بقوله لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ" "انفروا خفافا وثقالا" منسوخ ہے.(الکشاف ج 2 ص 273).

امام قرطبی فرماتے ہیں "والصحیح انھا لیست بمنسوخة" صحیح یہ ہے کہ آیت

http://mujahid.xtgem.com

منسوخ نہیں۔آگے چل کر فرماتے ہیں۔"وقد تکون حالة یجب فیها نفیرا لکل" بعض حالات میں نفیر عام ہوتا ہے۔

مفسرین نے خفافا وثقالا میں جتنے اقوال ذکر کئے ہیں اور روایات کا جو ذکر کیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت منسوخ نہیں۔حالات کے مطابق اس پر حکم ہوگا۔ بالکل منسوخ نہیں کہہ سکتے۔امام رازی فرماتے ہیں جس کو حضور ﷺ جہاد میں نکلنے کا حکم دیں وہ ضرور نکلے گا۔اور جس کو ٹھہرنے کا حکم دے وہ ٹھہرے گا۔فرماتے ہیں" وعلی هذا التقدير فلا حاجة الى التزام النسخ" (کبیر ج16 ص70)۔

علامہ آلوسی بھی عدم نسخ کے قائل ہیں۔فرماتے ہیں۔" ویفهم من بعض الروایات ان لانسخ" بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت منسوخ نہیں۔(روح المعانی ج10 ص104)

بعض حالات میں آیت پر عمل ہوگا۔صحابہ کرام کے حالات اس آیت کی تفسیر میں قابل دید وعبرت ہیں۔

تعارض 95 سورة التوبة

آیت 43

"عفا الله عنك لم اذنت لهم" اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا۔آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔

اس آیت میں مؤمنین کے استیذان کی نفی ہے۔اور سورۃ نور میں مؤمنین کی لئے استیذان کو ثابت فرمایا ہے۔ارشاد ہے" فاذا استاذنوك لبعض شأنهم فاذن لمن شئت منهم" اور جب لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں

تو ان میں سے آپ جس کے لئے چاہیں اجازت دے دیا کریں۔(سورۃ النور آیت 62)

تطبیق:......استیذان کی مطلقا نفی نہیں فرمائی بلکہ مقید تھی۔اسی آیت کے آخر سے معلوم ہوتا ہے کہ نفی مقید ہے۔ارشاد ہے حتی یتبین لك الذین صدقوا وتعلم الکذبین" یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تجھ پر سچ کہنے والے اور جان لے تو جھوٹوں کو اگر اجازت لینے والوں کا عذر قوی اور صحیح ہے۔تو حضور اجازت دے سکتے ہیں۔اگر عذر قوی اور صحیح نہیں تو اجازت نہ دیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں"فاذن لمن علمت ان له عذر" انکو اجازت دے جن کے بارے میں تو جان لے کہ معذور ہے۔(مظہری ج6 ص567)

مولانا اشرف علی تھانوی دونوں آیتوں کے دفع تعارض میں فرماتے ہیں۔

اور سورۃ نور کے اخیر میں جو مؤمنین کے لئے استیذان کو ثابت فرمایا ہے۔"لم یذهبوا حتی یستاذنوا" سو وہ استیذان بالعذر ہے۔اور یہاں نفی استیذان بلا عذر کی ہے پس کوئی تعارض نہیں۔(بیان القرآن ج4 ص114)

امام قرطبی نے ایک یہ جواب دیا ہے۔"وقال قتادة فاذن لمن شئت منهم منسوخة بقوله عفا الله عنك لم اذنت لهم (قرطبی ج16 ص321)

استیذان کا حکم منسوخ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی"سورۃ النور کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔پس جو استیذان علامت اطاعت کی ہے۔وہ مؤمن کے لئے ثابت ہے۔اور منافق سے منفی ہے۔اور جو استیذان علامت اعراض کی ہے وہ منافق کے لئے ثابت اور مؤمن سے منفی ہے فلم یتعارضا (بیان القرآن ج8 ص37)

http://mujahid.xtgem.com

تعارض 96 سورۃ التوبۃ

آیت 101

لاتعلمھم نحن نعلمھم.آپ ان کونہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں.

اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ منافقین کونہیں جانتے لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ منافقین کو جانتے ہیں.فرمان باری ہے "ولتعرفنھم فی لحن القول "اور آپ ان کو طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے.(سورۃ محمد آیت 30)

تطبیق:......ابن الجوزی فرماتے ہیں.والثانی لاتعلم عواقبھم لاتعلمھم کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ ان کے انجام کونہیں جانتے.اس معنی کیساتھ ولتعرفنھم کا تعارض باقی نہیں رہتا.(زادالمسیر ج3 ص492)

امام رازی فرماتے ہیں"ھذہ الآیۃ نزلت قبل تلک الآیۃ فلاتناقض لانہ نفی علمہ لھم فی زمان ثم اثبتہ بعدذلک فی زمان آخر" سورۃ توبہ کی آیت سورۃ محمد کی آیت سے قبل نازل ہوئی ہے.لہذا کوئی تعارض نہیں کیونکہ ایک زمانہ میں علم کی نفی ہے اور دوسرے میں اثبات.(مسائل الرازی ص123)

نفاق کا تعلق دل کے ساتھ ہے.اوردلوں کا راز اللہ جانتے ہیں اس لئے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان منافقین کونہیں جانتے ہیں کیونکہ اپنے انتہائی نفاق کیوجہ سے استاد کے درجہ پر قائم ہیں.اور سورۃ محمد میں جو فرمایا کہ آپ ان کو طرز کلام سے جانتے ہیں تو یہ اللہ کے بتلانے کیساتھ ہے اس لئے کہ اس سے قبل فرمان باری ہے "ولونشاء لاریناکھم"اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلادیتے.واللہ اعلم.

تعارض 97 سورۃ یونس

آیت 18

ویقولون ھؤلاء شفعاء ناعنداللہ.اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں.اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو قیامت کا یقین ہے.اور معاد کو مانتے ہیں اس لئے تو کہا کہ بت ہماری قیامت کے دن اللہ کے یہاں سفارش کریں گے.لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے.کہ ان کو دوبارہ جی اٹھنے کی امید ہی نہیں.ارشاد ہے.ومانحن بمنشرین.اور ہم دوبارے زندہ نہ ہوں گے.(سورۃ الدخان آیت 35)

ایک اور ارشاد ہے"ومانحن بمبعوثین".اورہم زندہ نہ کئے جاویں گے.(سورۃ الانعام آیت 29)

تطبیق:......قاضی بیضاوی فرماتے ہیں"تشیع لنافیمایھمنا فی امور الدنیا" دنیاوی اہم امور میں ہماری سفارش کریں گے.اس توجیہ کی وجہ سے تعارض ختم ہو جاتا ہے.کیونکہ معاد پر تو ان کا یقین نہیں.دوسری توجیہ یہ ہے." اوفی الاخرۃ ان یکن بعثا" آخرت میں سفارشی ہوں گے اگر دوبارہ زندہ ہوئے.ان کا یہ کہنا علی سبیل الفرض ہے کیونکہ ان کا گمان دوبارہ زندہ نہ ہونے کا ہے.(بیضاوی ج1 ص356).

علامہ آلوسی فرماتے ہیں"ولعل ذلک علی سبیل الفرض والتقدیرای ان کان بعثا کمازعمتم فھؤلاء شفعاء نا کفار کا یہ قول بطور فرض کے ہے کہ اول تو معاد ہے نہیں.اور اگر ہے جیسا کہ تمہارا زعم ہے تو پھر یہ ہمارے شفارشی ہوں گے.

علامہ آلوسی دوسری توجیہ بھی کرتے ہیں.اس سے مراد ان کی امور معاش کی اصلاح ہے لیکن اس کے بارے میں فرماتے ہیں.کہ والجمھور علی الاول'جمھور کا قول

http://mujahid.xtgem.com

اول توجیہ کے بارے میں ہے. کہ ان کی مراد آخرت کی سفارش ہے. (روح المعانی ج11 ص88)

لفظ عنداللہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی سفارش مراد ہے. کفار کا آخرت کے بارے میں شک تھا. حافظ ابن کثیر و ماثری معکم شفعاء کم کی تفسیر میں لکھتے ہیں. ظانین انھا تنفعھم فی معاشھم ومعادھم ان کان" ان کا خیال تھا کہ امور معاش میں بت نفع دیتے ہیں یا معاد میں اگر ہوئی بعض آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا تردد تھا. ارشاد باری ہے "لئن رددّت الی ربیّ لاجدنّ خیرا منھا منقلباً" اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی. (سورۃ کہف آیت 36).

تعارض 98 سورۃ یونس

آیت 58

"فبذلك فليفرحوا" اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خوش ہونا یا خوشی منانا جائز ہے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرح (خوشی) کو اللہ پسند نہیں کرتا. "ان اللہ لایحب الفرحین" واقعی اللہ اترانے والے کو پسند نہیں کرتا (سورۃ القصص آیت 76)

مضمون کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرح کا ترجمہ اترانا کیا ہے.

تطبیق: امام راغب الاصفہانی فرماتے ہیں "الفرح انشراح الصدر بلذۃ عاجلۃ واکثر ما یکون فی لذات البدنیۃ" کسی عاجل نفع پر جی کے کھل اٹھنے کو فرح کہتے ہیں. لفظ فرح کا اکثر استعمال بدنی لذتوں میں ہوتا ہے. (مفردات القرآن

ص375).

بدنی لذتوں میں انہماک اور اس پر خوشی اور پھر اترانا شریعت میں پسندیدہ نہیں. اس کے مقابلہ میں روحانی خوشی جائز ہے. جس خوشی کا جواز ہے اس سے مراد یہی روحانی خوشی ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں. "وایجاب اختصاص الفضل والرحمۃ بالفرح دون ما عداھما من فوائد الدنیا" رحمت اور فضل کے علاوہ دنیاوی امور میں خوشی صحیح نہیں. (الکشاف ج2 ص353).

امام نیشاپوری فرماتے ہیں" ان الفرح انما یجب ان یکون بالروحانیات الباقیات لا بالجسمانیات الزائلات" باقی رہنے والے روحانی امور پر خوش ہونا واجب ہے نہ کہ جسمانی زائل ہونے والے امور میں. (غرائب القرآن حاشیہ طبری ج11 ص92).

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں اور "فرحوابھا" میں اس فرح کی مذمت ہے جو براہ بطر ہو. اور سورۃ یونس میں فلیفرحوا میں اس فرح کا امر ہے جو بطور شکر ہو پس ان میں کچھ تعارض نہیں. (بیان القرآن ج9 ص10)

تعارض 99 سورۃ یونس

آیت 98

"لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا" وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگانی میں ان پر سے ٹال دیا.

یونس علیہ السلام کی قوم عذاب الٰہی کے آثار دیکھ کر ایمان لے آئی. تو ایمان مقبول ہوا اور عذاب ٹل گیا. ان کو ان کے اس وقت کے ایمان نے نفع دیا. حالانکہ عذاب الٰہی نظر آجانے کے بعد اگر کوئی ایمان لائے تو نفع نہیں ملتا. ارشاد ہے "فلم یک

http://mujahid.xtgem.com

"ینفعھم ایمانھم لما رأو بأسنا" سو ان کو ان کا یہ ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔(سورۃ المؤمن آیت 85)

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں ۔اوران آثار سے نزول عذاب ظنا یا بدون معائنہ ملائکہ وانکشاف آخرت کے معلوم ہوا تھا اس لئے لم یک ینفعھم ایمانھم لما رأو بأسنا کے منافی نہیں۔(بیان القرآن ج 5 ص 31).

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ قوم یونس کو صرف دنیا کے عذاب سے بچنے کا نفع ملا آخرت میں سزا ہوگی۔"انما کان ذالک فی الحیوۃ الدنیا کما ھو مقید فی ھذہ الآیۃ" آیت میں بھی دنیا کی زندگی کی قید لگی ہے۔(ابن کثیر ج 3 ص 530)

آخرت کی سزا ہوگی جس آیت میں ہے کہ ایسے وقت میں ایمان نفع نہیں دیتا اس کا یہی مطلب ہے کہ آخرت میں نفع نہیں دیتا۔ابن الجوزی فرماتے ہیں "ان ذلک خاصالھم "یہ حکم صرف قوم یونس کے لئے تھا۔

(۲) ھؤلاء دنا منھم ولم یباشرھم فکانوا کالمریض یخاف الموت ویرجو العافیۃ فاما الذی یعائن فلا توبۃ" عذاب الٰہی کے صرف قریب ہوئے تھے اس میں مبتلی نہ ہوئے تھے ان کی مثال اس مریض کی طرح تھی جس کو موت کا خوف ہوتا ہے اور صحت کی امید۔عذاب کا معائنہ کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

(۳) ان اللہ تعالیٰ علم منھم صدق النیات بخلاف من تقدم فی الھالکین ۔اللہ تعالی نے ان کی صحیح نیت کو جان لیا تھا بخلاف دیگر قوموں کے (زادالمسیر ج 4 ص 67).

یہ آخری توجیہ کمزور معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ عذاب کا معائنہ کے بعد [illegible] نہیں

اور نہ نفع دیتا ہے۔اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ عذاب کا معائنہ کیا تھا۔اس لئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں "ونفع الایمان لھم بعد المشاھدۃ من خصوصیاتھم" عذاب کے مشاہدہ کے بعد ایمان کا نفع دینا قوم یونس کی خصوصیات میں سے ہے۔(روح المعانی ج 11 ص 193)

تعارض 100 سورۃ یونس

آیت 101

"قل انظروا ماذا فی السموات والارض" آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کیا کیا چیزیں آسمانوں اورزمین میں ہیں۔اس آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ غوروفکر کے لئے کائنات کی ہر چیز کی طرف دیکھنا جائز ہے۔کائنات کی من جملۃ اشیاء سے غیرمحرم عورت بھی ایک شی ہے لہذا اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہوگا۔حالانکہ غیرمحرم عورت کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔ارشاد ہے "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم" آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔(سورۃ النور آیت 30)

تطبیق:......آیت میں غوروفکر کی دعوت ہے جس میں ضروری نہیں کہ آدمی اس کی طرف دیکھے۔اس کو نظر عبرت کہتے ہیں۔اس میں ضروری نہیں کہ آنکھوں کے سامنے کوئی شی موجود ہو۔غوروفکر اندھا بھی کرسکتا ہے۔اگر اس میں دیکھنا ضروری ہوتا تو اندھا کیسے کائنات پر عبرت کی نظر ڈالتا۔بند کمرے اور رات کی تاریکی میں بھی یہ نظر ممکن ہے۔غیرمحرم عورتوں کی طرف دیکھنا نظر گناہ ہے۔اس کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہے۔نابینا اس سے مستثنی ہے۔نظر کا معنی جس طرح ظاہر آنکھ سے دیکھنا ہے اس طرح نظر کا استعمال غوروفکر کے لئے بھی ہوتا ہے۔امام راغب فرماتے ہیں "وقد یراد

http://mujahid.xtgem.com

بہ التامل والتفحص .قل انظروا ماذا فی السموات والارض ای تاملوا.(المفردات فی غریب القرآن ص 497).

غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا زنا کی پہلی سیڑھی ہے.حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "یرشد تعالیٰ عبادہ الی التفکر فی آلائہ وما خلق اللہ فی السموات والارض من الآیات الباھرۃ لذوی الالباب "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زمین وآسمان کی مخلوق میں غور وفکر کی ہدایت کی ہے.کائنات میں عقل مندوں کے لئے کھلی نشانیاں ہیں (ابن کثیر ج3 ص531)

ابن الجوزی فرماتے ہیں "قال المفسرون قل للمشرکین الذین یسئلونك الآیات علی توحید اللہ انظروا بالتفکر والاعتبار ماذا فی السموات والارض من الآیات والعبر" مفسرین فرماتے ہیں اس آیت میں ان مشرکین سے خطاب ہے جو حضورؐ سے اللہ کی توحید پر نشانیاں طلب کرتے ہیں.وہ کائنات میں نظر عبرت دوڑائیں تاکہ اللہ کی وحدانیت کو جان لیں.(زاد المسیر ج3 ص68)

آیت میں جب خطاب مشرکین سے ہوا تو مسلمان اس سے نکل گئے.اور جس آیت میں غیر محرم کیطرف دیکھنا منع ہے وہ خطاب مسلمانوں سے ہے لہذا کوئی تعارض نہیں.

ان دو آیتوں کے مابین تعارض کو دور کرنے کے لئے اصول فقہ کے مطابق جواب بہت آسان ہے.اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ ظاہر اور نص میں جب تعارض ہو تو ترجیح نص کو دی جائے گی.کیونکہ نص ظاہر کی نسبت اجلیٰ اور اقویٰ ہے."قل انظروا ماذا فی السموات والارض "ظاہر ہے اس آیت سے ہر چیز کی طرف دیکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے.لیکن قل للمومنین یغضوا من ابصارھم "نص ہے نص اس کو کہتے ہیں جس میں ظاہر کے مقابلہ میں وضوح وانکشاف زیادہ ہو اور متکلم اپنے معنی مراد کے

لئے کلام کو ذکر کرتا ہے.اگرچہ بظاہر اس سے کوئی دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہو اس لئے ظاہر قرآن کو ترک کردیا جائے گا.اور نص قرآن پر عمل کیا جائے گا.

تعارض 101 سورۃ ھود

آیت 15

"من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم " جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں.معلوم ہوا کہ کفار کو اپنے اعمال کا اجر دنیا میں ملتا ہے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعمال دنیا میں ضائع ہوجاتے ہیں.ان کو کیسے اجر ملے گا.ارشاد ربانی ہے "اولئك الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ "یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سب اعمال غارت ہوگئے دنیا میں اور آخرت میں.(سورۃ آل عمران آیت 22)

تطبیق:.....علامہ زمخشری فرماتے ہیں.نوف الیھم توصل الیھم اعمالھم وافیۃ کاملۃ من غیر بخس فی الدنیا وھو ما یرزقون فیھا من الصحۃ والرزق "ان کو دنیا میں اپنے اعمال کا پورا پورا اجر ملتا ہے اور وہ : بہ رزق اور صحت وغیرہ ہے.(الکشاف ج2 ص384)

امام نیشاپوری فرماتے ہیں "وھو ما ینالون من الصحۃ والکفاف وسائر اللذات والمنافع "دنیا کے اندر ان کو صحت اور دنیاوی لذتیں اور منافع ملتے ہیں.(غرائب القران حاشیہ طبری ج11 ص14).اجز اعمال سے مراد دنیاوی فوائد ہیں اور حبط اعمال سے مراد یہ ہے کہ ان کو کوئی مسلمان نہیں سمجھتا.نیک اعمال کے ثمرات مرتب نہیں ہوتے.

http://mujahid.xtgem.com

علامہ آلوسی فرماتے ہیں. "بطلت اعمالهم وسقطت عن حيز الاعتبار وخلت عن الثمرة في الدنيا حيث لم تحقن دماء هم واموالهم ولم يستحقوا بها مدحا" حبط اعمال کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہوتی دنیا میں ان اعمال پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا.ان کی جان ومال محفوظ نہیں ہوتا.اور نہ کسی تعریف کے مستحق ہوتے ہیں.(روح المعانی ج3 ص109)

مولانا اشرف علی فرماتے ہیں.دنیا میں غارت ہونا یہ ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ اہل اسلام کا سا نہ ہوگا.(بیان القرآن ج2 ص8)

ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں."حبوط الاعمال في الدنيا وهو بطلانه في الدنيا باستحقاق قتله والحاقه في الاحكام بالكفار وفي الآخرة بمايدل عليه من العقاب السرمدي" حبط اعمال یہ ہے کہ قتل کا مستحق ہوتا ہے.احکام کے اعتبار سے کافر ہوتا ہے اور آخرت میں ابدی عذاب ہوگا.(حاشیہ البحرالمحیط ج2 ص150)

اجراعمال اور حبط اعمال دونوں غیر غیر ہوئے لہذا کوئی منافاۃ نہیں.ابوحیان اندلسی نے حبط اعمال کا ایک اور معنی بھی بیان کیا ہے."وقيل حبوط اعمالهم في الدنيا وهو عدم بلوغهم مايريدون بالمسلمين من الاضراربهم ومكائدتهم فلايحصلون من ذلك على شئ لان الله اعزّ دينه بانصاره" حبط اعمال دنیا میں یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کیلئے جس مکروفریب سے کام لیتے ہیں اس میں کامیاب نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو اس کے انصار کے ساتھ عزت دی ہے (ج2 ص150) اس توجیہ کے ساتھ بھی تعارض باقی نہیں رہتا.

تعارض 102 سورۃ ھود

آیت 20

"يضعف لهم العذاب" ایسوں کو دونی سزا ہوگی.

اس سے اگلی آیت میں ذکر ہے کہ جولوگ دوسروں کوراہ خدا سے روکتے ہیں.اوراس میں کجی تلاش کرتے ہیں.اورآخرت کے بھی منکر ہیں ان کو ڈبل سزا دی جائے گی.حالانکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے.سزا بالکل عمل کے مماثل ہوگی یعنی برے عمل اور سزا میں برابری ہوگی.ارشاد خداوندی ہے."ومن جاء بالسيئة فلايجزى الامثلها وهم لايظلمون" اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اوران لوگوں پر ظلم نہ ہوگا.(الانعام 160)

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں.وجہ دفع ظاہر ہے کہ مماثلت تو عمل کے ساتھ ہے اور مضاعفت اوروں کے اعتبار سے ہے.بوجہ مضاعفت عمل کے (ان کا عمل دونا ہے یعنی عمل میں تعدد ہے ایک خود گمراہ ہیں اور دوسرا عمل اوروں کو گمراہ کرنا)

دوسرا جواب ذکر فرماتے ہیں.اوراگر یصدون کو صدود بمعنی الاعراض سے لیا جاوے جس میں دوسروں کو گمراہ کرنا ماخوذ و معتبر نہیں تو مضاعفت بوجہ تعدد عمل کے نہیں بلکہ بوجہ شدت عمل صدود کے ہے.کہ وہ شدت خود مقتضی ازدیاد عذاب کو ہے اس اعتبار سے مماثلت محفوظ ہے خوب سمجھ لو.(بیان القرآن ج5 ص42)

دراصل ان کے عمل میں تعدد ہے اس لئے ان کو دونی سزا دی جائے گی.اس قسم کی ایک اور آیت ہے."الذين كفروا وصدوا عن سبيل الله زدنهم عذابا فوق العذاب بما كانوا يفسدون" جولوگ کفر کرتے ہیں اوراللہ کی راہ سے روکتے ہیں

http://mujahid.xtgem.com

ان کے لئے ہم نے ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ ان کے فساد کے بڑھا دیں گے .(النحل 88) اس آیت میں ان کے عمل کا تعدد مذکور ہے کفر اور صد دو اور ڈبل سزا بھی مذکور ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں (یضاعف لهم العذاب) ای علی قدر کفرھم ومعاصیھم ان کو دونی سزا ان کے کفر اور دیگر معاصی پر دی جائے گی .(تفسیر قرطبی ج 9 ص 19) ایک ان کا کفر ہے اور کفر کے بعد دیگر معاصی۔

برائی اور سزا میں مماثلت ہے یعنی اللہ تعالی برائی کے مطابق اور مماثل سزا دیں گے .جیسے کافر کی سزا خلود فی النار ہے اس لئے کہ کافر زندگی بھر کافر رہتا ہے اگر اس کی زندگی کو طول مل جائے تو پھر بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا .اس کا ارادہ کفر کا عمر بھر کا ہوتا ہے .اس طرح سزا بھی ابدی ہے .آیت میں صرف ایک سیئہ کا ذکر ہے من جاء بالسیئۃ اگر سیئہ سے سیئات بن جائیں تو ہر سیئہ کے مقابل میں سزا ہوگی .جب سیئات بڑھ جائیں تو سزائیں بھی زیادہ ہو جائیں گے .لہذا ہر سیئہ کے مقابلہ میں ایک سزا ہو تو مماثلت قائم رہے گی .اس آیت میں سزا کی مضاعفت مذکور ہے .اس لئے کہ ان کی سیئات متعدد ہیں مثلاً ان کا جھوٹ اللہ پر اللہ کے راستہ سے روکنا اللہ کے راستہ میں کجی تلاش کرنا اور آخرت کا انکار اس لئے دونی سزا کا ذکر ہے۔

تعارض 103 سورۃ ھود
آیت 45

"فقال رب ان ابنی من اھلی " اور عرض کیا کہ اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے .اس کے بعد اس کے خلاف حکم ہے .ارشاد ہے

"یانوح انه لیس من اھلك" اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں .(سورۃ ھود آیت 46)

تطبیق:.....قرابت کی دو قسمیں ہیں قرابت نسبی اور قرابت دینی .نوح علیہ السلام نے جو اپنے بیٹے کے بارے میں کہا کہ میرے اہل سے ہے تو قرابت نسبی مراد ہے . اور جب اللہ تعالی نے کہا کہ یہ تیرے اہل سے نہیں تو قرابت دینی مراد ہے .ابن الجوزی فرماتے ہیں 'ای لیس من دینك" تیری اس کے ساتھ دینی قرابت نہیں .دوسرا قول یہ ہے 'لیس من اھل الذین وعدتك نجاتھم" جن کی نجات کا آپ کے ساتھ وعدہ کیا تھا ان میں سے نہیں.

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں :'لقطع الولایة بین المؤمنین و الکفار' 'نوح علیہ السلام کے اہل سے نفی اس لئے ہوئی کہ مسلمانوں اور کافروں کے مابین ولایت اور دوستی کا رشتہ منقطع ہے .(بیضاوی ج 1 ص 377)

تعارض 104 سورۃ ھود
آیت 118

"ولو شاء ربك لجعل الناس امة واحدة ولایزالون مختلفین" اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے .اس آیت سے لوگوں کا اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے .لیکن دوسری آیت سے عدم اختلاف معلوم ہوتا ہے .ارشاد باری تعالی ہے "کان الناس امة و احدة سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے .(سورۃ البقرۃ آیت 213) یعنی ابتدا میں اختلاف نہ تھا لیکن پہلی آیت بتا رہی ہے کہ شروع سے اختلاف تھا دونوں میں تعارض ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تطبیق:......سورہ ھود میں جس اختلاف کا ذکر ہے یہ ابتدائی نہیں بلکہ اتفاق کے بعد پیدا ہوا علامہ زمخشری نے ایک قرأت ذکر کی ہے۔"کان الناس امة واحدة فاختلفوا فبعث الله" ابتدا میں لوگ دین واحد اسلام پر متفق تھے۔بعد میں لوگوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے پھر رسول بھیجے۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔مراد اس اختلاف سے اختلاف بعد الاتفاق ہے۔پس آیت "کان الناس امة واحدة" سے اس آیت کا کچھ تعارض نہیں کہ ایک سے اختلاف اور دوسری سے عدم اختلاف معلوم ہوتا ہے وجہ عدم تعارض تغائر دونوں زمانوں کا ہے۔(بیان القرآن ج 5 ص 67)

محمد بن علی الشوکانی فرماتے ہیں "وقیل مختلفین فی الرزق فهذا غنی وهذا فقیر اختلاف فی الرزق "مراد ہے کوئی غنی ہے کوئی فقیر۔(فتح القدیر ج 2 ص 534 'تفسیر قرطبی ج 9 ص 114)۔

اختلاف سے جب اختلاف فی الرزق مراد لیا تو دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں۔کیونکہ سورہ ھود میں اختلاف فی الرزق ہے۔اور سورہ بقرہ میں اتفاق علی دین الاسلام ہے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔"ان المراد من الوحدة الوحدة فی الدین الحق ومن الاختلاف الاختلاف فیه علی معنی المخالفة له' وحدت سے دین حق کی وحدت مراد ہے اور اختلاف سے مراد دین کی مخالفت ہے۔اور اس قول کی طرف محققین نے ذھاب کیا ہے۔(روح المعانی ج 12 ص 247)

تعارض 105 سورة هود

آیت 118

ولایزالون مختلفین الامن رحم ربك ولذلك خلقهم" اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اختلاف کے لئے پیدا کیا ہے۔لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ارشاد باری ہے "وما خلقت الجن والانس الالیعبدون" اور میں نے جن اور انس کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کرو۔(الذاریات 56)۔

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی مسائل السلوک میں فرماتے ہیں'ولا منافاة بینه وبین قوله تعالیٰ وماخلقت الجن والانس الالیعبدون لان الاول غایة تکوینیة والثانی غایة تشریعیة" دونوں میں منافاۃ نہیں اول سے مراد غایت تکوینی ہے اور دوسری سے مراد غایت تشریعی ہے(بیان القرآن ج 5)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں'وقال ابن عباس ومجاهد وقتادة وضحاك ولرحمته خلقهم' 'لوگوں کو اپنی رحمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ذالک کا مشار الیہ رحمت ہے۔

'وقیل الاشارة بذلك للاختلاف والرحمة' ذلک کے ساتھ رحمت اور اختلاف دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے۔کہ ذالک مفرد ہے اور مرجع تثنیہ۔جواب میں فرماتے ہیں کہ قران مجید میں ایسا بعض مقامات میں مذکور ہے ہے دو شیئین کی طرف مفرد کی ضمیر راجع ہو۔مثلاً"لافارض ولابکر عوان بین ذلك' فارض اور بکر کی طرف ذلک کی ضمیر کیساتھ اشارہ کیا ہے۔

"قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فلیفرحوا" فضل اور رحمت کی طرف ذلک مفرد کے ساتھ اشارہ ہے۔'وروی عن ابن عباس خلقهم فریقین فریقا یرحمه

http://mujahid.xtgem.com

وفریقا لا یرحمه' 'لوگوں کو دو فرقے بنا کر پیدا کیا ایک پر رحم کیا دوسرے پر رحم نہ کرے گا. ایک اور قول نقل کیا ہے.'وقیل هو متعلق بقوله ذلك يوم مجموع له الناس وذلك يوم مشهود والمعنى ولشهود ذلك اليوم خلقهم' 'ذلک کی ضمیر شھود یوم کی طرف راجع ہے یعنی اس دن کی حاضری کے لئے پیدا کیا ہے (تفسیر قرطبی ج 9 ص 115).

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں'ولذلك خلقهم قال للرحمة وقال قوم للاختلاف' 'ذلک ضمیر رحمت اور اختلاف دونوں کی طرف بنا بر اختلاف اقوال راجع ہے. (تفسیر ابن کثیر ج 3 ص 587).

تعارض سے بچنے کی سہل صورت یہ ہے کہ ولذلک میں لام عاقبۃ کے لئے ہے علامہ آلوسی فرماتے ہیں'واللام لام العاقبة والصيرورة (روح المعانی ج 12 ص 249) یعنی تخلیق کا انجام یہ ہوا کہ لوگ مختلف ہو گئے.

تعارض 106 سورۃ ھود

آیت 119

''لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين' ' کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے دونوں سے بھر دوں گا. اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہنم ضرور پُر ہوگی اور پُر ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس میں مزید گنجائش نہ ہوگی لیکن سورۃ ق کی آیت ''یوم نقول لجهنم هل امتلئت وتقول هل من مزيد'' جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر گئی اور وہ کہے گی کچھ اور بھی. (آیت 30) سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم نہیں بھرتی بلکہ اس میں گنجائش رہتی ہے.

تطبیق :...... اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جہنم کو جنات اور انسانوں سے

ضرور بھروں گا. تو اللہ تعالیٰ اپنے ایفائے عہد کے لئے جہنم سے سوال کرے گا کہ بھر گئی تو وہ کہے گی ھل من مزید. تو اللہ تعالیٰ جب اپنی شان کے مطابق اس پر قدم رکھے تو جہنم پُر ہونے کا اقرار کرے گی.

حکیم الامت حضرت تھانوی ان دونوں آیات کے تعارض کو دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں. لاملئن عام ہے ابتدا اور انتہاء کو پس انتہاء بھر جانے پر بھی لاملئن صادق آتا ہے. (بیان القرآن ج 11 ص 55)

احقر کے نزدیک ھل من مزید ایک شبہ کا جواب ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو ضرور بھر دیں گے لیکن کسی مجرم کے دل میں یہ خیال آئے کہ شاید جہنم بھر جائے اور اس میں مزید وسعت اور گنجائش نہ ہو لہذا جہنم سے باہر رہ جاوں گا. دنیاوی جیلوں میں بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے. کہ اس میں تمام مجرمین کے سمانے کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور کر دیا کہ جہنم کی جیل کو دنیاوی جیلوں پر قیاس نہ کرو. بلکہ میری جیل بڑی وسیع ہے کوئی مجرم اس سے بچ نہیں سکتا باوجود اس وسعت کے اللہ اس کو بھر دیں گے. جب تفسیر کشاف دیکھی تو اس تشریح کی تائید مل گئی فالحمد للہ علی ذلک.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں'ويجوز ان يكون هل من مزيد استكثارا للداخلين فيها واستبداعا (استبعادا) للزيادة عليهم لفرط كثرتهم' '(الکشاف ج 4 ص 389) یعنی کوئی اس کو بعید نہ جانے کہ اس میں داخل ہونے والے تو انتہائی کثرت کیساتھ ہیں' کیسے اس میں سمائیں گے.

http://mujahid.xtgem.com

تعارض 107 سورۃ ھود

آیت 120

"وکلاّ نقص علیك من انباء الرسل" اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں. اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام رسولوں کے قصے مراد ہیں حالانکہ دیگر آیات میں تصریح ہے کہ بعض انبیاء کے قصے سنائے گئے ہیں اور بعض کے نہیں فرمان باری ہے "ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك" اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں بعضے تو وہ ہیں کہ ان کا قصہ ہم نے آپ سے بیان کیا ہے اور بعضے وہ ہیں جن کا ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا. (سورۃ المومنون آیت 78)

تطبیق:......امام رازی فرماتے ہیں. معناه و کل نباء نقص علیك من انباء الرسل هو ماثبت به فوادك فمافی موضع رفع خبر لمبتدأ محذوف فلایقتضی اللفظ قص انباء جمیع الانبیاء فلاتناقض بین الآیتین" مطلب یہ ہے کہ ہر وہ قصہ جو انبیاء کے قصوں سے ہم آپ سے بیان کرتے ہیں. اس سے آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں. (ما) مبتدا محذوف کی خبر ہے. الفاظ سے معلوم نہیں ہوتا کہ تمام انبیاء کے قصے سنانے مقصود ہیں. لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تناقض نہیں.

(۲) ان المراد بالکل هنا البعض. کل سے یہاں بعض مراد ہے. اس کی قرآن میں مثالیں موجود ہیں. "ثم اجعل علی کل جبل منهن جزء" "تمام پہاڑ مراد نہیں. "واوتیت من کل شیئ" ہر شئی مراد نہیں. بلکہ بعض ضروری اشیاء مراد ہیں.

لبید کا شعر ہے. الا کل شی ماخلا اللہ باطل. اللہ کے ماسوی ہر شئے باطل

ہے. حالانکہ ہر شئے باطل نہیں ہو سکتی جیسے جنت' دوزخ' ایمان' قرآن' حضور وغیرہ. اس شعر کے بارے میں حضور کا فرمان' اصدق کلمة قالها شاعر کلمة لبید. شاعر لبید نے سب سے سچا کلمہ کہا ہے. (مسائل الرازی ص 145)

ابن الجوزی فرماتے ہیں. "المعنی کل الذی یحتاج الیه من انباء الرسل نقص علیك" انبیاء کرام کے قصوں میں سے جن کی طرف آپ محتاج ہیں اس کو ہم بیان کریں گے. (زاد المسیر ج 4 ص 173)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں' ای نقص علیك من انباء الرسل الاشیاء التی تثبت بها فوادك جمیعاً" (روح المعانی ج 12 ص 167).

http://mujahid.xtgem.com

تعارض 108 سورۃ یوسف

آیت 22

ولما بلغ اشدہ آتینہ حکما وعلما" اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو علم وحکمت دیدی۔

یوسف علیہ السلام کو حکم اور علم سن بلوغ یا کمال شباب کے وقت ملا۔ حالانکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوغ سے قبل وحی آچکی ہے "واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون" اور ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان لوگوں کو یہ بھی جتلاؤ گے کہ اور وہ تم کو پہچانیں گی بھی نہیں۔ (آیت 15)

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور واوحینا الیہ الخ میں قبل بلوغ جس وحی کا ذکر چکا ہے وہ ایک خاص واقعہ کے متعلق ہے وہ علوم دینیہ سے نہیں جو علم وحکمت سے مراد ہے۔ پس دونوں آیتوں میں تعارض نہیں۔ (بیان القرآن ج 5 ص 75)

علاء الدین البغدادی فرماتے ہیں "وقیل المراد من قولہ واوحینا الیہ وحی الھام" یہ الہام تھا لیکن اس قول کو غیر اولیٰ کہا ہے۔ (خازن ج 3 ص 219)

یا یوسف علیہ السلام کو خاص نبوت حالت حضر میں ملی تھی جیسے اوحینا سے معلوم ہوتا ہے۔ اور لما بلغ اشدہ کا معنی یہ ہوگا کہ بعد میں فہم اور علم کو زیادہ کردیا۔

ابی عبداللہ الانصاری القرطبی فرماتے ہیں۔ ومن قال اوتی النبوۃ صبیاً قال لما بلغ اشدہ زدناہ فھما وعلماً۔ (تفسیر قرطبی ج 9 ص 162)

علامہ آلوسی نے ایک قول مجاہد کا نقل کیا ہی کہ اوحینا سے الھام مراد ہے۔ "وکان ذلک علی ماروی عن مجاھد بالالھام (روح المعانی ج 6 ص 297)

مولانا اشرف علی تھانوی کا جواب واضح معلوم ہوتا ہے کے اوحینا میں وحی ایک

خاص واقعہ کے متعلق ہے اس لئے کہ لتنبئنھم بامرھم ھذا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

تعارض 109 سورۃ یوسف

آیت 55

"قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم" یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کرو۔ میں حفاظت رکھوں گا۔ اور خوب واقف ہوں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو حفیظ اور علیم کہہ کر اپنی تعریف کی اور اپنی پاکیزگی بیان کی۔ حالانکہ ہر انسان کے تقویٰ اور دین داری کو اللہ جانتے ہیں۔ ارشاد ہے "فلا تزکوا انفسکم" تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھا کرو (سورۃ النجم آیت 32)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پاکیزگی بیان کرنا صحیح نہیں۔

تطبیق:......اظہار پاکیزگی بطور تشکر، اعتراف نعمت اور بوقت ضرورت جائز ہے لیکن بطور تکبر، بلاضرورت اور ریا کے ناجائز ہے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں "وھذا اذا کان علی [illegible] الاعجاب او الریا فامامن اعتقد ان ما عملہ من العمل الصالح من اللہ و توفیقہ و تائیدہ ولم یقصد بہ التمدح لم یکن المزکین انفسھم لان المسرۃ بالطاعۃ طاعۃ وذکرھا شکر" اظہار پاکیزگی بطور تکبر اور ریا کے منع ہے جب یہ اعتقاد ہو کہ نیکی اللہ کی تائید اور توفیق سے کی اور مقصود اپنی تعریف نہ ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ طاعت پر خوش ہونا بھی طاعت ہے اور اس کا ذکر شکر ہے۔ (الکشاف ج 4 ص 426)

جلال الدین المحلی فرماتے ہیں "فلا تزکوا انفسکم لا تمدحوھا ای علی

http://mujahid.xtgem.com

سبیل الاعجاب اما علی سبیل الاعتراف بالنعمة فحسن " اپنی تعریف بطور تکبر منع ہے. اعتراف نعمت کے طور پر اچھی بات ہے. (جلالین ص 439)

امام رازی فرماتے ہیں "فلاتزکوا انفسکم ریاء وخیلاء ولاتقولوا لآخر انا خیر منك وانا ازکیٰ منك واتقیٰ فان الامر عند الله " ریا اور تکبر کے طور پر پاکیزگی کا اظہار نہ کرو ایک دوسرے سے یوں نہ کہو کہ میں تجھ سے بہتر ہوں تجھ سے زیادہ صوفی ہوں اور بڑا متقی ہوں کیونکہ اللہ سب کچھ جانتے ہیں. (تفسیر کبیر ج 29 ص 10)

یعنی غیر کے مقابلہ میں اپنی پاکیزگی کا اظہار صحیح نہیں. فی نفسہ بوقت ضرورت بطور اعتراف نعمت اور بطور تشکر اظہار پاکیزگی جائز ہے. یوسف علیہ السلام کا اظہار فی نفسہ تھا اور ضرورت کے طور پر تھا.

تعارض 110 سورة یوسف

آیت 100

"وجاء بکم من البدو" اور تم سب کو باہر سے لے آیا. اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض انبیاء کرام بدوی (دیہاتی) بھی تھے. حالانکہ تمام انبیاء کرام شہری تھے. ارشاد ہے "وماارسلنا من قبلک الارجالانوحی الیهم من اهل القریٰ" اور ہم نے آپ سے پہلے مختلف بستیوں والوں میں سے جتنے بھیجے سب آدمی تھے جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے (سورة یوسف آیت 109) اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کرام شہری تھے. مفسرین نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو شہروں میں پیدا کیا ہے. اس کی وجہ تطبیق میں ذکر ہوگی.

تطبیق:...... علامہ زمخشری فرماتے ہیں انبیاء کرام کو شہروں میں پیدا کیا اور دیہات میں کیوں پیدا نہ کیا: "لانهم اعلم واحلم واهل البوادی فیهم الجهل والجفاء والقسوة" شہریوں میں حلم اور علم زیادہ ہوتا ہے اور دیہاتوں میں جہل، جفا اور سنگ دلی ہوتی ہے. (الکشاف ج 2 ص 509)

وزعم بعضهم ان یعقوب علیه السلام انماتحول الی البادیة بعدالنبوة لان الله لم یبعث نبیا من البادیة " بعض کا خیال ہے کہ یعقوب علیہ السلام دیہات کی طرف منتقل ہو گئے تھے. کیونکہ اللہ نے کسی نبی کو دیہات میں مبعوث نہیں کیا.

(۲) قال ابن الانباری ان بدااسم موضع معروف " بدا ایک جگہ کا نام ہے اس سے مراد دیہات نہیں. (روح المعانی ج 13 ص 60)

امام قرطبی فرماتے ہیں "کان یعقوب تحول الی البادیة وسکنها وان الله لم یبعث نبیا من اهل البادیة وقیل انه کان خرج الی بدا وهو موضع" یعقوب علیہ السلام نے دیہات کی طرف منتقل ہو کر سکونت اختیار کی. (قرطبی ج 9 ص 267)

تعارض 111 سورة الرعد

آیت 42

"وقد مکر الذین من قبلهم" اور ان سے پہلے جو لوگ ہو چکے ہیں انہوں نے تدبیریں کیں.

اس آیت میں غیر اللہ کے لئے مکر کا اثبات ہے مگر اسی آیت میں اس کے بعد مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے مکر منفی ہے. ارشاد باری ہے. فلله المکر جمیعا" سو اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے. (آیت 42)

http://mujahid.xtgem.com

تطبیق:......امام رازی فرماتے ہیں. "معناه ان مكر الماكرين مخلوق له ولا يضير الا بارادته فبهذه الجهة صحت اضافة مكرهم اليه" ماکرین کا مکر اللہ کی مخلوق ہے. مخلوق کا مکر اللہ کے ارادے سے کام کرتا ہے اس لئے مکر کی اضافت غیر اللہ کی طرف صحیح ہے.

"الثاني انه جعل مكرهم كلا مكر بالاضافة الى مكره" ان کا مکر بمنزلہ عدم مکر ہے. کیونکہ مکر کی اضافت اللہ نے خود اپنی طرف کی ہے. فرماتے ہیں "فاثباته لهم باعتبار الكسب ونفيه عنهم باعتبار الخلق" مخلوق کے لئے اثبات مکر بطور کسب ہے اور اللہ کے لئے بطور خلق ہے. (مسائل الرازی ص 157)

تفسیر کبیر میں ایک اور معنی نقل کیا ہے فلله جزاء المكر مکر کا بدلہ اللہ کیلئے ہے. (ج 19 ص 68) کیونکہ ان کے مکر کے وبال کا مزہ ان کو چکھائے گا.

ابن الجوزی فرماتے ہیں (فلله المكر جميعا) يعنى ان مكر الماكرين مخلوق له ولا يضر الا بارادته " ماکرین کا مکر اللہ کی مخلوق ہے اس کے ارادہ کے بغیر کسی کا مکر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا. (زاد المسیر ج 4 ص 341)

تعارض 112 سورۃ ابراھیم

آیت 9

"الم يأتكم نبؤ الذين من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم لا يعلمهم الا الله" کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا.

لم یاتکم سے کفار مکہ کو اس واقعہ کا علم معلوم ہوتا ہے اور لایعلمھم سے عدم علم معلوم

ہوتا ہے.

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں. اول (یعنی علم) باعتبار اجمال کے اور دوسرا (عدم علم) باعتبار تفصیل کے. (بیان القرآن ج 6 ص 6)

یہ جواب بھی ممکن ہے کہ والذين من بعدهم مبتدا ہو اور لا يعلمهم اس کی خبر ہو تو مطلب یہ ہوگا. کیا تم کو قوم نوح' عاد' ثمود اور ان کے بعد وہ لوگ جن کی تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے' کی خبر نہیں پہنچی. یعنی لا يعلمهم کا تعلق صرف والذين من بعدھم کیساتھ ہوگا. علامہ آلوسی کی عبارت کی یہی مطلب نکلتا ہے. فرماتے ہیں "الم يأتكم نبا هولاء ومن لا يحصى عددهم" آگے فرماتے ہیں "وفيه لطف لابهام الجمع بين الاجمال والتفصيل" اجمال اور تفصیل جمع ہے. (روح المعانی ج 7 ص 277)

تعارض 113 سورۃ ابراھیم

آیت 17

ويأتيه الموت من كل مكان "اور ہر طرف سے اس پر موت کی آمد ہوگی.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کو آگ میں موت آئے گی. حالانکہ اس سے متصل اس بات کا ذکر ہے کہ موت نہیں آئے گی. ارشاد ہے وما هو بميت. اور وہ کسی طرح مریگا نہیں.

تطبیق:......ایک موت ہے اور ایک موت کے اسباب موت روح کے نکلنے کو کہتے ہیں آیت میں موت کے اسباب مراد ہیں. حقیقتاً موت مراد نہیں.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں كان اسباب الموت واصنافه كلها قد تألبت عليه واحاطت به من جميع الجهات" موت کے تمام اسباب اس پر جمع

http://mujahid.xtgem.com

ہو کر ہر طرف سے احاطہ کرلیں گے .(الکشاف ج 2 ص 546)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں ای اسبابه من الشدائد وانواع العذاب فالکلام علی المجاز ''موت کے اسباب یعنی ہر قسم کی تکلیف اور عذاب اس کا احاطہ کریں گے .اس کو مجازاً موت کہا گیا .(روح المعانی ج 13 ص 202)

تعارض 114 سورۃ ابراھیم

آیت 36

رب انھن اضللن کثیرا من الناس "اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کردیا.

گمراہی ایک ضرر ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ بت نقصان پہنچا سکتے ہیں .لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے .ارشاد باری ہے ''ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم''

تطبیق:.....امام رازی فرماتے ہیں ''اضافة الاضلال الیھا مجاز بطریق المشابهة و وجهه انهم لماضلوا بسببها فكانها اضلتهم كما يقال فتنتهم الدنيا و غرتهم "بتوں کی طرف اضلال کی اضافت مجازاً ہے کیونکہ یہ سبب کے درجہ میں ہیں .مثالیں دے کر فرماتے ہیں ''و معناه حصول هذه الآثار بسبب هذه الاشياء وفاعل الآثار هو الله تعالیٰ'' اسباب پر اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن آثار اور اسباب کا فاعل اللہ ہے .(مسائل الرازی ص 164).

علامہ زمخشری فرماتے ہیں 'انما جعلن مضلات لان الناس ضلوا بسببهن فكانهن اضللنهم كما تقول فتنهم الدنيا وغرتهم ای

افتتنوا بها واغتروا بسببها" سبب کے درجہ میں اضلال کی نسبت بتوں کی طرف ہوئی ہے جیسے تو کہے اس کو دنیا نے دھوکہ دیا یعنی دنیا کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گیا .(الکشاف ج 2 ص 558)

تعارض 115 سورۃ ابراھیم

آیت 43

"مهطعين مقنعی رؤسهم لا يرتد اليهم طرفهم" دوڑتے ہوئے ہوں گے اپنے سر اوپر اٹھا رکھے ہوں گے .ان کی نظر ان کی طرف ہٹ کر نہ آوے گی .اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان کی نظریں اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہوں گی .لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظریں جھکی ہوں گی .ارشاد ہے خشعاً ابصارھم "ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی (سورۃ القمر آیت 7).

تطبیق:.....حکیم الامت مولانا تھانوی فرماتے ہیں ''سو تطبیق یہ ہے کہ وہاں مختلف حالتیں ہوں گی کبھی حیرت اور اس کے آثار کا غلبہ ہوگا .(بیان القرآن ج 11 ص 81)

حیرت میں اوپر اور سامنے دیکھیں گے اور ہیبت اور ذلت میں نظریں جھک جاویں گے.

تعارض 116 سورۃ الحجر

آیت 18

الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين" ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن

http://mujahid.xtgem.com

بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیاطین کچھ سن لیتے ہیں لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین نہیں سن سکتے. ارشاد ہے "انهم عن السمع لمعزولون" کیونکہ وہ شیاطین سننے سے روک دئے گئے ہیں. (سورۃ الشعراء آیت 212)

تطبیق:...... مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں. اور آیۃ انهم عن السمع لمعزولون باعتبار سموات کے ہو اور استراق السمع باعتبار سحاب کے ہو. (بیان القرآن ج 6 ص 24)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں معزولون عن استماع کلام اهل السماء "اہل سماء کے کلام کے سننے سے شیاطین معزول ہیں. (الکشاف ج 3 ص 329)

تعارض 117 سورۃ النحل

آیت 25

"لیحملوا اوزارهم کاملة یوم القیامة ومن اوزار الذین یضلونهم" نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اور جن کو یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے ہیں ان کے گناہوں کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا. اور ایک اور ارشاد ہے "ولیحملن اثقالهم واثقالا مع اثقالهم" اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے (سورۃ العنکبوت آیت 13) اس آیت میں اس بات کی دلالت ہے کہ گمراہ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے گمراہ متبعین کا بھی. حالانکہ بعض آیات میں صاف مذکور ہے کہ کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا. ارشاد ہے "ولا تزر وازرة وزر اخرى" اور

کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا. (سورۃ فاطر آیت 18)

تطبیق:...... گناہ کی دو قسمیں ہیں. ضلال خود گمراہ ہونا. اور اضلال دوسرے کو گمراہ کرنا. جیسے بیماریاں دو قسم کی ہیں. متعدی جو دوسروں کو لگے اور غیر متعدی کا ضرر مریض سے کسی اور کی طرف تجاوز نہ کرے. جس طرح خود گمراہ ہونا ایک گناہ ہے. اس کی سزا پانا ضروری ہے اسی طرح اضلال دوسروں کو گمراہ کرنا بھی ایک گناہ ہے. اس کی سزا بھی ملے گی. اضلال کا گناہ بڑا خطرناک ہے. اس کے اضلال کی وجہ سے جتنے لوگ اس گناہ کا ارتکاب کریں گے یہ ان میں برابر کا شریک ہوگا. متبعین کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا. تابع گناہ کا مرتکب ہوا اور یہ اضلال کا. یہ ایسا گناہ ہے کہ دونوں اس میں شریک ہیں. آیت میں یہ ذکر ہے کے دوسرے کے گناہ کا بوجھ کس پر نہ ڈالا جائیگا. تو اس سے مراد ضلال ہے وہ گناہ جس کا اثر اس مرتکب سے دوسروں کی طرف تجاوز نہ کرے. اور جس آیت میں یہ مذکور ہے کہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈالا جائے گا تو اس سے مراد اضلال ہے ایسا گناہ جس کی وجہ سے اور لوگ گمراہ ہوئے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں فحملوا اوزار ضلالهم وبعض اوزار من ضل بضلالهم وهو وزر الاضلال لان المضل والضال شریکان فی هذا یفعله وهذا یطاعه علی اضلاله فیتحاملان الوزر (الکشاف ج 2 ص 601) اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائیں گے اور ان کا جن کو انہوں نے گمراہ کیا جو اضلال کا بوجھ ہے کیونکہ ضال اور مضل دونوں اس گناہ میں شریک ہیں. ایک گناہ کرتا ہے دوسرا اس کی اتباع کرتا ہے تو دونوں یہ بوجھ اٹھائیں گے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں "فان قلت کیف توفیق بین هذا وبین قوله لیحملن اثقالهم واثقالا مع اثقالهم قلت تلک الآیة فی الضالین المضلین وانهم

http://mujahid.xtgem.com

یحملون اثقال اضلال الناس مع اثقال اضلالهم وذلك كله اوزارهم مافيهاشئ من وزرغيرهم"

اگرتو ان آیتوں کی تطبیق کے بارے میں پوچھے تو میں کہوں گا کہ ولیحملن اثقالهم ضال مضل کے بارے مین ہے یہ لوگ کو گمراہ کرنے کا اور اپنا بوجھ اٹھائیں گے اس طرح یہ سارا اپنا بوجھ ہوا اس میں ان پر کسی غیر کا بوجھ نہیں لادا گیا.(الکشاف ج 3 ص 606)

امام قرطبی نے ایک حدیث ذکر کی ہے.اس کے نقل کرنے سے تمام آیتوں کا صحیح اور واضح مفہوم سامنے آجائے گا."من دعاالی هدیٰ فاتبع عليه وعمل به فله مثل اجورمن اتبعه ولاينقص ذلك من اجورهم شيئا وايمادا ع دعاالی ضلالة فاتبع عليهاوعمل بهابعده فعليه مثل اوزارمن عمل بهاممن اتبعه لاينقص ذلك من اجورهم شيئا(قرطبی ج 13 ص 331).

جن نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا پھر کسی نے اس کی پیروی کر کے اس ہدایت پر عمل کیا.تو داعی کو پیروی کرنے والا جتنا اجر ملے گا.اور خود اس کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی .اور کسی نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا اور اس کی اتباع کی تو اتباع کرنے والے کی طرح داعی کو بھی گناہ ملے گا.اور متبعین کے گناہوں سے کمی نہ کی جائے گی.

تعارض 118 سورۃ النحل

آیت 36

"ولقدبعثنافی کل امة رسولا" اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجتے رہے

"انماانت منذرولكل قوم هاد" آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں.(سورۃ الرعد آیت 7)."وان من امة الاخلا فیهانذیر" اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو(سورۃ فاطر آیت 24) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت اور قوم کی طرف ہر زمانے میں ہادی اور نذیر بھیجے ہیں.لیکن بعض آیات اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے.ارشاد ہے"لتنذرقومامااندر اباٴهم" تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جس کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے تھے.ایک اور ارشاد ہے"یااهل الكتاب قدجاء كم رسولنايبين لكم علی فترة من الرسل ان تقولواماجاء نامن بشيرولانذير(سورۃ المائدۃ آیت ۱۹) فترۃ کا زمانہ بغیر بشیر نذیر کے ہوتا ہے.ایک اور ارشاد ہے"لتنذرقومامااتهم من نذيرمن قبلك" تو ڈرسنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے.(سورۃ السجدۃ آیت 3) ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض زمانے اور قومیں ایسی گزری ہیں جو نذیر ہادی اور بشیر سے خالی تھیں.

تطبیق:......مولانا اشرف علی تھانوی"بعثنافی كل امة رسولا" اور لتنذرقومامااتاهم من نذير" میں تعارض دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں.اس کے تعارض کا شبہ ہو تو دو طرح سے مدفوع ہو سکتا ہے.ایک یہ کہ کل امۃ میں لفظ کل تکثیر کے لئے ہو.دوسرے یہ کہ ہر امت اور قوم کے اوائل میں ایک رسول آگئے ہوں اس طرح کہ اگر وہ لوگ اس شریعت کا سلسلہ قائم و باقی رکھنا چاہتے تو ممکن ہوتا اور ضرورت اس قدر سے مرتفع ہو سکتی ہے.اور اواخر میں رسول آنے کی ضرورت نہیں رہتی .گو اوائل کی تقصیر سے اواخر تک وہ سلسلہ نہ پہنچا ہو.پس حکم بعثت کا کل امم میں باعتبار اوائل کے ہو اور ما اتاھم من نذیر باعتبار اواخر کے ہو.(بیان

http://mujahid.xtgem.com

القرآن ج6 ص44).

علامہ آلوسی فرماتے ہیں "فالمعنی ماانذر آبائهم رسول ای لم يباشرهم بالانذار لانه لم ينذرهم اصلا فيجوزان يكون قدانذرهم من ليس نبیّ كزيد ابن عمرو بن نفيل وقس بن ساعده فلا منافاة بين ماههنا وقوله تعالیٰ وان من امة الاخلافيهانذير"

اس کا مطلب کہ ان کے اباء کے پاس نذیر نہیں آیا ہے کہ بلاواسطہ ان کے پاس نذیر نہیں آیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے پاس بالکل سرے سے نذیر ہی نہیں آیا۔ گویا بالواسطہ نذیر آیا ہے جو نذیر ہو اور نبی نہ ہو۔ جیسے عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدۃ لہذا آیات کے مابین تنافی نہیں۔ فرماتے ہیں اس سے زمانہ فترۃ کا انکار لازم نہیں ہوتا۔ لانهافترة ارسال وانقطاعهازمانالافترة انذار مطلقا"

فترۃ کے زمانے میں صرف ارسال کا سلسلہ بند تھا۔ ایسا نہ تھا کہ سرے سے انذار کا سلسلہ ہی نہ تھا۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں لتنذر قوما میں " يحتمل ان تكون مامصدرية نعتاً المصدر موكد اى لتنذر قوماً انذارمثل انذار الرسل آباء هم الابعدين" مامصدریہ ہے معنی یہ ہوگا تاکہ آپ قوم کو ایسا ڈرائیں جیسے کہ رسولوں نے ان کے گذشتہ باپ دادا کو ڈرایا تھا۔ (روح المعانی ج22 ص213)۔

مانافیہ نہ ہوگا۔ تعارض اس صورت میں تھا جب مانافیہ تھا۔ امام رازی فرماتے ہیں "ان تكون موصولة معناه لتنذرقوماًالذين انذرآباء هم " ماموصولہ ہے معنی یہ ہوگا تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے آباء کو ڈرایا گیا تھا۔ (تفسیر کبیر ج26 ص42)۔

تعارض: 119 سورۃ النحل

آیت 67

ومن ثمرات النخيل والاعناب تتخذون منه سكراً ورزقاً حسناً"

اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیز بناتے ہو۔

سکر اور رزق حسن کے بنانے کو اللہ نے بطور امتنان اور احسان کے ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حلال ہے۔ حالانکہ نصوص میں شراب کی قطعی حرمت ہے۔ ارشاد ہے۔ "انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه" بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو (سورۃ المائدۃ آیت 90)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں "وفيه وجهان احدهماان تكون منسوخة" یعنی تتخذون منہ سکراً منسوخ ہے۔ "والثانی ان يجمع بين العتاب والمنة" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عتاب اور احسان کو جمع کیا ہے۔ شراب پر عتاب اور رزق حسن کا ذکر بطور امتنان ہے۔ وقيل السكرالنبيذ' یا سکر سے مراد نبیذ ہے۔ اور نبیذ حلال ہے۔ (الکشاف ج2 ص617)

علامہ آلوسی نے سکر میں اقوال ذکر کیے ہیں۔

(۱) السكرالخل بلغة الحبشة. حبشی لغۃ میں سکر سرکہ کو کہتے ہیں۔

(۲) السكرالمطعوم المتفكه به 'سکر وہ کھانا ہے جو تفکہ کے طور پر کھایا جائے۔ (روح المعانی ج14 ص180)

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس نزلت هذه الاية قبل تحريم الخمر' شراب کی حرمت سے قبل یہ آیت نازل ہوئی اس کا حاصل بھی نسخ ہے۔ وقیل

http://mujahid.xtgem.com

السکر العصیر الحلو الحلال 'سکر میٹھے حلال جوس کو کہتے ہیں۔(قرطبی ج 10 ص 128)

ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ السکر ھو الخل بلغة الیمن 'یمنی لغۃ میں سکر سرکہ کو کہتے ہیں۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔ یا سکر بمعنی طعم ہے۔

وانشدوا جعلت عیب الاکرمین سکرا۔

تو نیک لوگوں کے عیوب مزے لے کر بیان کرتا ہے۔(زادالمسیر ج 4 ص 464)

تعارض: 120 سورۃ النحل

آیت 100

انما سلطانہ علی الذین یتولونہ' پس اس کا قابو تو صرف ان ہی لوگوں پر چلتا ہے۔ جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان کا اپنے دوستوں پر تسلط ہے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کا کسی پر بھی تسلط نہیں ارشاد ہے۔

وقال الشیطان لما قضی الامر ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطن' اور جب تمام مقدمات فیصل ہو چکیں گے تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی تم سے وعدے کئے تھے سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور نہ چلتا تھا۔(سورۃ ابراھیم آیت 22)

تطبیق: جس آیت میں شیطان کے تسلط کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان صرف برے اعمال کو مزین کر کے اپنے دوست پر پیش کرتا ہے۔ الا ان دعوتکم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف باطل کی دعوت دیتا ہے اور جس آیت میں شیطان کے

تسلط کی نفی کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر جبر نہیں کر سکتا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ ای یحبونہ ویطیعونہ فیجعلونہ مسلطا علی انفسھم باختیارھم من غیر ان یکون لہ علیھم سلطان یضطرھم الی اتباعہ فلا منافاۃ بین ھذا وبین قولہ ماکان لی علیھم من سلطانہ 'لوگ شیطان کی پیروی اور اس کی محبت کی وجہ سے بہ اختیار خود شیطان کو اپنے اوپر مسلط کر دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ شیطان ان کو اپنی اتباع پر مجبور کر دیتا ہے لہذا آیات کے مابین تعارض نہیں۔(مظہری ج 5 ص 372)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ ماکان لی علیکم من سلطان تسلط فالجئکم الی الکفر والمعاصی۔ میرے ساتھ ایسا تسلط نہیں کہ تم کو کفر اور گناہوں کی طرف مجبور کر دوں۔(بیضاوی ج 1 ص 422)

انما سلطانہ علی الذین یتولونہ میں سلطان سے مراد دلیل ہے۔ شیطان صرف دلائل باطلہ سے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ زور نہیں چلا سکتا قرآن مجید میں دلیل پر سلطان کا اطلاق ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ان عندکم من سلطان بھذا۔ تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔(سورۃ یونس آیت)

پتہ چلا کہ سلطان کا معنی دلیل بھی ہے۔ جس تسلط کی نفی ہے وہ غلبہ ہے اور جس تسلط کا اثبات ہے اس سے مراد دلیل ہے۔ یعنی صرف باطل پر دلائل پیش کر سکتا ہے۔

تعارض: 121 سورۃ بنی اسرائیل

آیت 14

اقرأ کتبک کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا۔ اپنا نامہ اعمال پڑھ لے آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنا حساب خود لے گا.اور یہ خود محاسب ہوگا.لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ محاسب اللہ ہوں گے.فرمان باری تعالی ہے وکفیٰ بنا حاسبین.

تطبیق: ابن الجوزی فرماتے ہیں .حسیبا کے تین معانی ہیں .ایک معنی شاھدا بھی ہے حسیباً کا معنی شاھدا کیا جائے تو تعارض نہیں رہتا.(زادالمسیر ج 5 ص 16)

ابوحیان الاندلسی فرماتے ہیں.قال مقاتل یدیدبنفسہ جوارحہ تشھدعلیہ اذاانکر.نفس سے مراد انسان کے جوارح ہیں جو اس کے خلاف گواہی دیں گے.(البحرالمحیط ج 6 ص 16)

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں.قال السدی یقول الکافر یومئذ انك قضیت انك لست بظلام للعبید فاجعلنی أحاسب نفسی فیقال له اقرأ کتابك کفی بنفسك الیوم علیك حسیباً.کافر اس دن کہے گا کہ اے اللہ تو ظلام نہیں مجھے اپنا محاسب خود مقرر کر.اللہ فرمائے گا چلو خود محاسب بن جاو.(ج 20 ص 169)

امام رازی مسائل الرازی میں فرماتے ہیں.مواقف القیامة مختلفة ففی موقف یکل اللہ حسابھم الی انفسھم وعلمة محیط به.وفی موقف یحسابھم ھو .قیامت میں مختلف مواقف ہوں گے بعض مواقف میں اللہ باوجود یکہ علم رکھتے ہیں ان سے کہیں گے اپنا محاسبہ خود کرو.اور بعض مواقف میں خود محاسب ہوں گے.

وقیل ھوالذی یحاسبھم لاغیرہ اللہ صرف محاسب ہوں گے.کفی بنفسک الیوم حسیبا کا معنی یہ ہے کہ آج تو اپنے گناہوں پر گواہ اور مواقف ہے.زجراً اس سے کہا جائے گا کہ محاسب بن (ص 185)

تعارض:122 سورۃ بنی اسرائیل

آیت 15

وما کنامعذبین حتی نبعث رسولاً .اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو بھیج نہیں دیتے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصحاب فترۃ کو سزا نہیں ملے گا.جس زمانہ میں کوئی نبی نہ ہو اور اس دوران جو کفر پر مرجائے تو اس کو سزا نہیں ملنی چاہیے. جیسے عیسیٰ علیہ السلام اور حضورؐ کے مابین فترۃ کا زمانہ تھا.حالانکہ بعض آیات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سزا ملے گی.ارشاد ہے ان اللہ لایغفران یشرك به ویغفرمادون ذلك لمن یشاء .بے شک اللہ تعالی اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے.اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے.(سورۃ نساء آیت 48)

ایک اور ارشاد ہے.ان الذین کفروا وماتواوھم کفار فلن یقبل من احدھم ملٔ الارض ذھباً.بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ بھی مر گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا.(سورۃ آل عمران آیت 91) اس آیت کے عموم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ فترۃ کے کافر کو سزا ملے گی.

تطبیق: وماکنا معذبین میں جس عذاب کی نفی ہے.وہ دنیا کا عذاب ہے.اللہ تعالی دنیا میں کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرتے جب تک پیغمبر نہ بھیج دے.جن آیات سے کفار کا معذب ہونا معلوم ہوتا ہے.وہ آخرت کا عذاب ہے یعنی زمانہ فترۃ کے کفار کو آخرت میں عذاب ہوگا.امام قرطبی فرماتے ہیں.

والجمھورعلی ان ھذافی حکم الدنیاای ان اللہ لایھلك امة بعذاب الابعدالرسالة الیھم والانذار .کسی امت کو معذب کرنا جمہور کے نزدیک دنیا میں

http://mujahid.xtgem.com

مراد ہے.

اللہ صرف رسالت اور انذار کے بعد ہلاک کرتا ہے.(قرطبی ج 10 ص 231).

امام رازی فرماتے ہیں. حتی نبعث رسولا . میں رسول سے مراد عقل ہے. اگر عقل نہ ہو تو نبی کی تصدیق بھی مشکل ہو جائے بلکہ اصلی رسول عقل ہے. لکھتے ہیں. وما کنا معذبین حتی نبعث رسول العقل . عقل کے رسول کی بعثت کے بعد عذاب دیتے ہیں. ایک اور توجیہ بیان کرتے ہیں. ان نخصص عموم الآیۃ وما کنا معذبین فی الاعمال التی لاسبیل الی معرفتہ وجوبھا الا بالشرع الای بعد مجیئ الشرع. آیت میں تخصیص ہے صرف ان اعمال پر سزا نہ ملے جن کا جاننا شریعت پر موقوف ہو.(کبیر 20 ص 172) رہے وہ اعمال جو عقل کے ذریعے معلوم کئے جاسکتے ہیں ان کا جاننا شریعت پر موقوف نہ ہو ان کی خلاف ورزی پر سزا ملے گی. مثلاً وجود صانع قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں. فالاولیٰ ان یقال ان عدم التعذیب قبل البعثۃ مخصوص بالمعاصی دون الشرک حیث قال ان اللہ لایغفران یشرک الخ.

فالتقدیر ما کنا معذبین علی المعاصی حتی نبعث رسولا یبیّن لھم ما یتقون. بہتر یہ کہ یوں کہا جائے کہ زمانہ فترۃ کے مجرم کو صرف شرک کی سزا ملے گی. بقیہ گناہوں کی سزا اس وقت دیتے ہیں جب رسول کو بھیج دیں. اور وہ ان کو ان گناہوں سے بچنے کے لئے کہے لیکن اس امت پر عمل نہ کرے. وقیل المراد بالرسول اعم من البشر والعقل فان العقل ایضاً رسول من اللہ یدرک بہ الخیر والشر فما یدرکہ العقل ویکفی فی ادراکہ من الواجبات یعذب اللہ العاقل علیھا علی عدم اتباعھا.

یا رسول عام ہے بشر ہو یا عقل کیونکہ عقل بھی اللہ کی طرف ایسا رسول ہے جو خیر اور شر

معلوم کر سکتا ہے. جس چیز کے ادراک کے لئے عقل کافی ہو اس پر عمل واجب ہوگا. عمل نہ کرنے کی صورت میں اس کو عذاب ملے گا.(مظہری ج 5 ص 424).

دنیا میں آج بھی بہت سارے ایسے ممالک ہیں جن کے پاس یا تو کسی نبیؑ کی تعلیمات نہیں یا سرے سے کسی نبیؑ کی تعلیمات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے انہوں نے اپنی عقل سے خیر اور شر میں خط امتیاز قائم کیا ہوا ہے. ہر قوم میں خیر اور شر کا تصور موجود ہے. سزا اور جزا کا نظام ہے. جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہیں مثلاً سچ کو سب پسند کرتے ہیں. جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں. گالی کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا قتل وقتال لڑائی جھگڑے وغیرہ عقلی امور ہیں. بہت سی ایسی باتیں ہیں جو شریعت کے بغیر معلوم نہیں کی جاسکتیں. مثلاً محرمات کے ساتھ شادی پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، حج وغیرہ بے شمار احکامات ایسے ہیں جن کو عقل کے ذریعے معلوم نہیں کیا جاسکتا.

تعارض:123 سورۃ بنی اسرائیل

آیت 85

وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً. اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے. اس آیت میں علم کو قلیل فرمایا. انسان کو بہت کم علم عطا کیا گیا ہے. لیکن دوسری آیت میں علم کو خیر کثیر فرمادیا گیا ہے. ارشاد باری ہے. ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیراً. اور جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی.(سورۃ البقرۃ آیت 269)

تطبیق: مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں. اور یہاں جو علم کو قلیل فرمایا تو بہ نسبت علم الٰہی کے اور دوسری آیت میں جو علم کو خیر کثیر فرمایا تو بہ نسبت متاع دنیا کے پس

http://mujahid.xtgem.com

دونوں میں تصادم نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا کہ قلت صفت علم کی ہے اور کثرت صفت خیر کی اور علم اگرچہ قلیل ہو وہ بھی خیر کثیر ہے۔ اس صورت میں تصادم کا شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ (بیان القرآن ج 6 ص 99)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ لان القلة والكثرة تدوران مع الاضافة فيوصف الشئ بالقلة مضافا الى مافوقه و بالكثرة مضافا الى ماتحته فالحكمة التى أوتيها العبد خير كثير فى نفسها الا انها اذا اضيفت الى علم الله فهى قليلة قلت اور کثرۃ امور اضافیہ سے ہیں کبھی شی مافوق کے اعتبار سے قلیل ہوتی ہے اور ماتحت کے اعتبار سے کثیر پس بندہ کو جو حکمت دی جائے تو وہ فی نفسہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔

دوسرا جواب دیتے ہیں۔ وقيل هو خطاب لليهود خاصة لانهم قالوا للنبى ﷺ قد أوتينا التوراة وفيها الحكمة وقد تلوت (ومن يؤتى الحكمة فقد أوتى خيرا كثيرا) فقيل لهم ان علم التوراة قليل فى جنب الله. یا یہ خطاب خاص یھود کو ہے انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمیں تورات دی گئی ہے۔ اور اس میں حکمت ہے۔ اور آپ بھی اس آیت کو پڑھتے ہیں کہ جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر ملا تو ان یھود کو جواب ملا کہ تورات کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے۔ (الکشاف ج 2 ص 691)

تعارض: 124

سورة الکھف

آیت 20

انهم ان يظهروا عليكم يرجموكم او يعيدوكم فى ملتهم و لن تفلحوا اذا ابدا۔ اگر وہ لوگ کہیں تمہاری خبر پا دیں گے تو تم کو تو پتھروں سے

مار ڈالیں گے۔ یا تم کو اپنے طریقہ پر پھر کریں گے۔ اور ایسا ہوا کہ تو تم کو فلاح نہ ہوگی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر پر مجبور کامیاب نہ ہوگا۔ مگر ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر مجبور کامیاب ہے جبکہ جبکہ دل میں ایمان ہو۔ ارشاد ہے۔ الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے (سورۃ النحل آیت 104)

تطبیق: دل جب ایمان پر مطمئن ہو کفر مجبوری کی حالت میں نقصان دہ نہیں اگر ایمان کی جگہ کفر نے لے لی تو نقصان ہوگا۔ جب کفر حقیقۃً دل کے اندر داخل ہو جائے علامہ آلوسی فرماتے ہیں ای ان دخلتم فيها حقيقة ولو بالكره والالجاء، جب ان کی ملت میں حقیقۃً داخل ہو جائیں اگرچہ یہ داخلہ مجبوراً ہوا ہو۔ آگے فرماتے ہیں ان الاكراه على الكفر قد يكون سببا لاستدراج الشيطان الى استحسانه والاستمرار عليه۔ کبھی مجبور علی الکفر آدمی کو شیطان کفر اچھا دکھا کر اس کو کفر پر قائم کر دیتا ہے۔ (روح المعانی ج 15 ص 232) امام رازی نے بھی یہ سوال اٹھایا ہے کہ آدمی کفر پر مجبور ہو کر اس کا اظہار کرے تو مضر نہیں پھر لن تفلحوا اذا أبدا کا کیا مطلب۔ جواب دیتے ہیں۔ يحتمل ان يكون المراد انهم لو ردوا هؤلاء المسلمين الى الكفر على سبيل الاكراه بقوا مظهرين لذالك الكفر مدة فانه يميل قلبهم الى ذلك الكفر ويصيرون كافرين فى الحقيقة۔ یہ لوگ کفر میں مجبور ہو کر اگر کچھ عرصہ اس پر قائم رہے تو ممکن ہے ان کے دل کفر کی طرف میلان کر کے حقیقۃً کافر بن جائیں۔ (کبیر ج 21 ص 104)

ظاہر بات ہے ایسی حالت میں کامیابی نہیں مل سکتی۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 125 سورۃ الکھف

آیت 27

واتل مااوحی الیك من كتاب ربك لامبدل لكلمته. اورآپ کے پاس جوآپ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعے سے آئی ہے وہ پڑھ دیا کیجئے۔اس کی باتوں کوکوئی بدل نہیں سکتا۔

بظاہرمعلوم ہوا کہ قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی حالانکہ قرآن مجید میں تبدیلی ناسخ منسوخ کے ذریعے آتی ہے۔ارشادربانی ہے۔واذابدلناآیة مکان آیة واللہ اعلم بماینزل ۔اورجب ہم کسی آیت کوبجائے دوسری آیت کے بدلتے ہیں اورحالانکہ اللہ تعالیٰ جوحکم بھیجتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے(سورۃ النحل آیت ۱۰۱)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں۔معنی الاول لامغیرللقرآن من البشر وھو جواب لقولھم للنبی ﷺ ائت بقرآن غیرھذااوبدله.

لامبدل کامعنی یہ ہے کہ کوئی بشراس کے کلام کوبدل نہیں سکتااوریہ کفارکے قول کاجواب ہے۔انہوں نے مطالبہ کیا کہ اس قرآن کی جگہ دوسراقرآن لاویااس کے اندرتبدیلی کرو۔

الثانی ان معناہ لاخلف لمواعیدہ ولامغیرلحکمه .یالامبدل کامعنی یہ ہے کہ وہ وعدہ خلاف نہیں اوراس کواپنے حکم سے کوئی پھیرنہیں سکتا۔معنی الثانی اورجس آیت میں تبدیلی کاذکر ہے اس کامعنی ہے۔النسخ والتبدل من اللہ تعالیٰ فلاتنافی بینھما۔نسخ اورتبدیلی اللہ کی طرف سے ہی لہٰذاآیات میں کوئی منافات نہیں(مسائل الرازی ص199)

ابن الجوزی سورۃ الانعام کی آیت 115)کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

لامبدل لكلمته قولان .احدھماالایقدرون المفترون علی الزیادۃ

فیھاوالنقصان منھا. مفتری اورجھوٹے لوگ ان کلمات میں کمی وزیادتی نہیں کرسکتے(زادالمسیر ج3ص 111)علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ای لایقدر احد علی تبدیلھا وتغیرھا انمایقدرعلی ذلك ھووحدہ' اللہ کے سواکوئی قرآن میں تغیروتبدیلی نہیں لاسکتا۔(الکشاف ج 2ص 716)۔

تعارض:126 سورۃ الکھف

آیت29

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر.سوجس کاجی چاہے ایمان لے آوے اورجس کاجی چاہے کافررہے۔اس آیت سے بظاہرکفرکی اباحت معلوم ہوتی ہے۔حالانکہ دیگرآیات میں صراحتاً کافربننے سے ممانعت ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔یاایھاالناس اعبدواربکم الذی خلقکم .اےلوگوعبادت اختیارکرواپنے پروردگارکی جس نے تم کو پیداکیا۔(سورۃ البقرۃ آیت 21) تفسیرخازن میں ہے(اعبدواربکم) قال ابن عباس وحدواربکم.خداکی توحیدکواپناو(ج 1ص 33)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں معناہ (فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر)یعنی لاایمان ولاکفرالابمشیته.کفراورایمان کاتعلق اللہ کی مشیت کیساتھ ہے۔

الثانی : انه تھدید ووعید.دوسرامعنی اس کی ڈانٹ اوروعید ہے۔

الثالث: ان معناہ لاتنفعون اللہ بایمانکم ولاتضرونه بکفرکم فھواظھارللغنی لاالاطلاق الکفر.تم اپنے ایمان کیساتھ اللہ کونفع نہیں دے سکتے اورکفرکے وجہ سے اس کونقصان نہیں پہنچاسکتے.لہٰذاآیت میں اس کی بے پرواہی بے

http://mujahid.xtgem.com

نیازی اور بے احتیاجی کا ذکر ہے نہ کہ کفر کی اجازت۔(مسائل الرازی ص 200)

ابن الجوزی فرماتے ہیں انہ وعید وانذار۔ ولیس بأمر قاله الزجاج. زجاج فرماتے ہیں یہ وعید اور انذار ہے امر نہیں۔(زاد المسیر ج 5 ص 135)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ وذکر الخفاجی ان الامر بالکفر غیر مراد وھو استعارة للخذلان والتخلیة لتشبیه حال من ھو کذلك بحال المأمور بالمخالفة۔ امر بالکفر مراد نہیں بلکہ یہ خذلان (نامرادی) سے استعارہ ہے جو آدمی مخالف رہے اس کی یہ حالت ہوگی۔(روح المعانی ج 15 ص 266)

تعارض: 127 سورۃ الکھف

آیت 49

مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصھا۔ اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے سب گناہ قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ اور کوئی گناہ محو نہ ہوگا لیکن دیگر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے گناہ دنیا میں محو ہوجاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ ان تجتنبوا کبئر ماتنھون عنه نکفر عنکم سیاتکم۔ جن کاموں سے تم کو منع کیا جاتا ہے ان میں جو بھاری بھاری کام ہیں اگر تم ان سے بچتے رہو تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرمادیں گے۔(سورۃ النساء آیت 31)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں۔ الآیة الاول فی حق الکافرین بدلیل قوله تعالیٰ فتری المجرمین والمراد بھم ھھنا الکافرون۔ پہلی آیت کفار کے حق میں ہے اور فتری المجرمین اس پر دال ہے کیونکہ مجرمین سے مراد کفار ہیں۔

والآیة الثانیة المراد بھا المومنون لان اجتناب الکبائر لایکون متحققا مع وجود الکفر۔ اور دوسری آیت میں مؤمنین کا ذکر ہے۔ کیونکہ کبائر سے بچ کر صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہونا کافر کے حق میں نہیں ہوسکتا۔

الثانی لو ثبت ان المراد بالمجرم مطلق المذنب لم یلزم التناقض لجواز ان تکتب الصغائر لیشاھدہ العبد یوم القیامة ثم تکفر عنه فیعلم قدر نعمة العفو فان اکثر ذنوب العبد ینساھا خصوصا الصغائر۔

یا مجرم میں عموم ہے کافر ہو یا مسلمان پھر بھی تناقض نہیں کیونکہ صغائر تو قیامت تک لکھے ہوں گے تاکہ گنہگار بندہ اس کا مشاہدہ کرلے پھر اللہ ان کو ختم کردیں گے تاکہ اللہ کے عفو کی نعمت کی قدر معلوم ہو۔ اکثر چھوٹے گناہ بندہ کو یاد نہیں رہتے۔(مسائل الرازی ص 202)

ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ وقال ابو سلیمان الصحیح عند المحققین ان صغائر المومنین الذین وُعدو العفو عنھا اذا اجتنبوا الکبائر انما یعفی عنھا فی الاخرة بعد ان یراھا صاحبھا۔

صحیح یہ ہے کہ جن صغائر کی معافی کا وعدہ بشرط اجتناب الکبائر ہوا ہے ان کو صاحب اعمال پہلے دیکھ لے گا پھر اللہ معاف کردیں گے۔(زاد المسیر ج 5 ص 153)

تعارض: 128 سورۃ الکھف

آیت 50

واذقلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن۔ اور جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا۔

http://mujahid.xtgem.com

الاابلیس کان من الجن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس جنات میں سے ہے۔ اور واذقلنا للملائکۃ اسجدو الآدم فسجدو االاابلیس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس ملائکۃ میں سے ہے سورۃ البقرۃ میں مذکور ہے فکیف الجمع.

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں انہ من الجن حقیقۃ عملا بظاہر ھذہ الآیۃ ابلیس حقیقۃ جنات میں سے ہے فعلی ھذا یکون استثناء من الملائکۃ استثناء من غیر الجنس. یہ استثناء من غیر الجنس ہے اویکون استثناء من جنس المامورین بالسجود لامن جنس الملائکۃ یہ استثناء مامورین کی جنس سے ہے۔ مامورین مختلف الجنس تھے لہٰذا ابلیس جنس ہے ملائکہ نہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ملائکہ اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا۔ ابلیس نے انکار کر دیا۔

القول الثانی انہ کان من الملائکۃ قبل ان یعصی اللہ تعالیٰ فلما عصاہ مسخہ شیطانا.

پہلے ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ جب اللہ کی نافرمانی کی تو اس کو شیطان کی شکل میں بدل دیا۔ اس تفسیر کے مطابق کان بمعنی صار ہوگا۔ ایک روایت ہے۔ انہ کان من خزان الجنۃ وھم جماعۃ من الملائکۃ یسمون الجن. جنت کے خزانچیوں میں سے تھا۔ اور یہ ملائکہ کی جماعت جو جن کے ساتھ مسمی ہے۔ (مسائل الرازی ص203).

ویجوزان یکون منقطعا. مستثنی منقطع ہے۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ انہ کان من الملائکۃ والماقیل من الجن لانہ کان قبیل من الملائکۃ یقال لھم الجن قالہ ابن عباس.

ابن عباس کا قول ہے کہ ابلیس ملائکہ کے ایک قبیلہ سے تھا جن جن کہتے ہیں۔ (زادالمسیر ج5 ص153) دیگر مفسرین نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔

تعارض: 129

سورۃ الکھف

آیت 52

ویوم یقول نادوا شرکائی الذین زعمتم فدعوھم فلم یستجیبوا لھم. اور اس دن کو یاد کرو کہ حق تعالیٰ فرمادے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء سے نطق بالکل منفی ہے حالانکہ دوسری آیت سے شرکاء کا نطق ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے واذا را الذین اشرکوا شرکاء ھم قالوا ربنا ھولاء شرکاء نا الذی کنا ندعوا من دونک فالقوا الیھم القول انکم لکذبون. اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار وہ ہمارے شریک بھی ہیں۔ کہ آپ کو چھوڑ کر ہم ان کو پوجا کرتے تھے سو وہ (شرکاء) ان کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ (سورۃ النحل آیت 86)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں (نادوا شرکائی الذی) ای نادوھم للشفاعۃ لکم او لدفع العذاب عنکم فدعوھم لم یجیبوا الذلک فنفی عنھم النطق بالاجابۃ الی الشفاعۃ ورفع العذاب عنھم. مشرک شرکاء کو شفاعت یا دفع عذاب کے لئے پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔ یہاں شفاعت اور دفع عذاب کے نطق کی نفی ہے وفی سورۃ النحل اثبت لھم النطق بتکذیب المشرکین فی دعوی عبادتھم. اور سورۃ نحل میں جو اثبات نطق ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء ان کے دعویٰ عبادت کی تکذیب کریں گے۔ فلا تناقض بین المنفی والمثبت. لہٰذا منفی اور مثبت میں تناقض نہیں۔ (مسائل الرازی ص204)

ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ نادوھم لدفع العذاب عنکم او الشفاعۃ لکم. ان

http://mujahid.xtgem.com

کورفع عذاب یا شفاعت کے لئے پکارو۔(زادالمسیر ج 5 ص 155)

تعارض: 130 سورۃ الکہف

آیت 53

ورای المجرمون النار. اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرمین کی نظر لگے گی لیکن سورۃ طٰہٰ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین اندھے ہوں گے۔ ارشاد باری ہے۔ قال رب لم حشرتنی اعمیٰ۔ وہ کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کیوں اٹھایا۔(آیت ۱۲۵) امام فراء فرماتے ہیں انه یخرج من قبره بصیرا فیعمیٰ فی حشره۔(معانی القرآن ج 2 ص 194)

تطبیق: ابن الجوزی فرماتے ہیں اذا اخرج من القبر خرج بصیرا فاذا سیق الی المحشر عمیٰ۔(زادالمسیر ج ۵ ص ۳۳۲) قبر سے نکلتے وقت بصیر(دیکھنے والا) ہوگا جب محشر کی طرف لے جایا جائے تو اندھا ہوگا۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ لعلهم یکونون فی الابتداء هکذا ثم یجعلون عمیا او لعل هذا فی قوم وذلك فی قوم آخر۔(کبیر ج 2 ص 182)

اس عبارت میں امام رازی نے ایک زائد توجیہ لکھی ہے۔ کہ شاید اندھا ہونا ایک قوم کے بارے میں ہو اور بصیر ہونا دوسری قوم کے بارے میں۔ یعنی کچھ لوگ اندھے اور کچھ بصیر ہوں گے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوگا۔ ونحشرهم یوم القیمة علی وجوههم عمیا وبکما وصما۔ اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن چلائیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے بہرے(آیت)

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔ یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائیں گے۔(تفسیر عثمانی ص 378)

تعارض: 131 سورۃ مریم

آیت 71

وان منکم الا واردها کان علی ربك حتما مقضیا۔ اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر گزر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا آگ پر ورود اور گزر اللہ کا حتمی فیصلہ ہے۔ لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے آگ سے دور رہیں گے۔ ارشاد ہے ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئك عنها مبعدون لایسمعون حسیسها۔ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔ وہ لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ اس کی آہٹ بھی نہ سن سکیں گے۔(سورۃ الانبیاء آیت 102)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ لایبقی برّ ولا فاجر الا دخلها فتکون علی المؤمنین بردا وسلاما کما کانت علی ابراهیم حتی للنار ضجیجا من بردها۔ نیک اور بد سب آگ میں داخل ہوں گے لیکن آگ مؤمنین کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی جیسے حضرت ابراہیم کے لئے ہوئی تھی۔ واما قوله تعالیٰ اولئك عنها مبعدون فالمراد عنها عذابها۔ عنها مبعدون کا معنی ہے آگ کے عذاب سے دور رہیں گے۔

دوسرا جواب: عن ابن مسعودؓ هو الجواز علی الصراط لان الصراط ممدود علیها۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ورود سے مراد پل صراط پر گزرنا ہے۔ کیونکہ

http://mujahid.xtgem.com

پل صراط آگ کے اوپر ہے

تیسرا جواب: عن ابن عباس قد یرد الشئ الشئ ولا یدخله کقوله ولما ورد ماء مدین .ورود کا معنی دخول نہیں .اور جب مدین کے پانی پر پہنچے. یہاں دخول ماء مراد نہیں.

چوتھا جواب: وعن مجاھد ورود المؤمن النار مس الحمیٰ جسده فی الدنیا لقوله علیه السلام الحمی من فیح جهنم وفی الحدیث الحمی حظ کل مؤمن من النار .مجاہد فرماتے ہیں کہ مؤمن کا ورود اس کے بدن کا دنیا میں بیمار ہونا ہے.حضورؐ کا فرمان ہے. بیماری جہنم کا جوش ہے.حدیث میں ہے کہ ہر مؤمن کی بیماری آگ سے ہے.

پانچواں جواب: ویجوز ان یراد بالورود جثوهم حولها. جائز ہے کہ ورود سے مراد ان کا جہنم کے اردگرد ہونا ہو.

چھٹا جواب: وان ارید الکفار خاصة فالمعنی بینٌ .اگر یہ ورود صرف کفار کیلئے ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں.(الکشاف ج 3 ص 35)

قرآن مجید میں لفظ ورود دخول کیلئے استعمال ہوا ہے.انتم لها واردون.تم سب اس میں داخل ہو گے.(سورۃ الانبیاء 98)فاوردهم النار اور پھر ان کو دوزخ میں جا اتارے گا.(سورۃ ہود آیت 98)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: ورود المسلمین المرور علی الجسر بین ظهریها وورود المشرکین ان یدخلوها .مسلمانوں کا ورود جہنم کے پل کے اوپر گزرنا ہے.اور مشرکین کا ورود آگ میں داخل ہونا ہے.کیونکہ ورود کا معنی عدم دخول بھی ہے جیسے ولما ورد ماء مدین میں.مؤمن کا ورود مرور ہے.اور کافر کا ورود دخول ہے.فرماتے ہیں لامنافاۃ بین هذه الآیة وبین

اولئك عنها مبعدون لان المراد مبعدون عن عذابها .دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں.کیونکہ جس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ مؤمن آگ سے دور ہوں گے.مراد اس سے آگ کے عذاب سے دور ہونا ہے.وقیل المراد ابعادهم عنها بعد ان یکون قریبا منه .یا یہ مطلب ہے کہ ان کو آگ کے قریب کر کے دور کر دیا جائے گا.(روح المعانی ج 16 ص 122)

امام قرطبی فرماتے ہیں.وان منکم میں خطاب کفار سے ہے یا عام ہے.اکثریت کے نزدیک یہ خطاب عام ہے.سب داخل ہوں گے لیکن مؤمن کو آگ نقصان نہ دے گی.حدیث ہے.تقول النار للمؤمن یوم القیامة جز یا مؤمن فقد اطفأ نورك لهبی . قیامت کے دن آگ مؤمن سے کہے گی.اے مؤمن جلدی گزر تیرے نور نے میرے شعلے کو بجھا دیا.(قرطبی ج 11 ص 141)

تعارض: 132 سورۃ مریم

آیت 85

یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا.جس روز ہم متقیوں کو رحمان کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ متقی لوگ اپنے رب کی طرف سے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ تشریف لے جائیں گے.لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی طرف ہانکے جائیں گے.ارشاد ہے.وسیق الذین اتقوا ربهم الی الجنة زمرا .اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے اپنے رب سے جنت کو گروہ گروہ.(سورۃ الزمر آیت 73)

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ متقی لوگوں کی توہین ہے.اس لئے کہ کفار بھی

http://mujahid.xtgem.com

ہانکے جائیں گے. حالانکہ مؤمنین معزز ہوں گے.

تطبیق: کفار اور متقین کے سوق میں فرق ہے. امام قرطبی فرماتے ہیں. فسوق اهل النار طردهم اليها بالخزی و الهوان کمایفعل بالاساری و الخارجين على السلطان اذا سيقوا الى حبس اوقتل و سوق اهل الجنان سوق مراكبهم الى دار الكرامة و الرضوان لانه لايذهب بهم الا راكبين كمايفعل بمن يشرف ويكرم من الوافدين على بعض الملوك فشتان مابين السوقين. دوزخیوں کا ہانکنا ایسا ہوگا جیسا کہ ایک بادشاہ کے باغی یا قیدی کو جیل یا مقتل کی طرف ذلت اور رسوائی کے ساتھ ہانکا جاتا ہے. اور جنتیوں کا ہانکنا یہ ہے کہ ان کی سواریوں کو عزت اور رضامندی والے گھر کی طرف لے جایا جائے گا. کیونکہ وہ جنت کی طرف سوار ہو کر ہی جائیں گے جیسا کہ ایک عزت مند وفد کے ساتھ بادشاہوں کے دربار میں ہوتا ہے. (قرطبی ج15 ص284).

یورپ کے شاہی خاندان کے افراد اب بھی اعلیٰ اور قیمتی تانگوں میں سوار ہو کر محلات کی طرف جاتے ہیں. ایک ملک کا معزز وفد جب کسی ملک میں تشریف لے جائے تو سرکاری پروٹوکول کے ساتھ ان کو اعلیٰ ترین گاڑیوں میں بٹھا کر اعلیٰ اعلیٰ محلات کی طرف لے جایا جاتا ہے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ان المراد هنا بسوقهم سوق مراكبهم لانه يذهب بهم الا راكبين. سوق سے مراد ان کا سواریوں کا سوق ہے. کیونکہ جنت والے جنت میں سوار ہو کر ہی جائیں گے. (الکشاف ج3 ص358)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں. والسائق للمتقين شوقهم الى مولاهم. جنتیوں کے سوق کا فاعل ان کا شوق ہے. یعنی ان پر دیدار خداوندی کا شوق اتنا سوار ہوگا. کہ دیکھنے والا و سمجھے شاید ان کو کوئی ہانک رہا ہے. دنیا میں اس قسم کے مظاہر بہت موقعوں پر دیکھنے میں آتے ہیں.

لکھتے ہیں. والمراد بالسوق هنا الحث على المسير لاسراع اى بخلاف ماتقدم فانه لاهانة الكفرة وتعجيلهم الى العتاب والآلام واختير للمشاكلة. سوق سے مراد جنتیوں کا اپنا شوق ہے جو ان کو تیزی سے دوڑائے گا. بخلاف کفار کا سوق ان کو عذاب کی طرف جلدی سے لیجانے کے لئے ہنکایا جائے گا. سوق میں ظاہراً صرف مشاکلت ہے. (روح المعانی ج25 ص33 34)

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں ان کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ جنت میں بھی رؤیت ہوگی. اس لئے جنت میں جاتے ہوئے متردد ہوں گے پس فرشتوں کو سوق کی نوبت آئے گی. اور بعض نے کہا ہے کہ سوق کا فاعل شوق ہے جب ان کو معلوم ہوگا کہ جنت میں رؤیت ہوگی. تو اس شوق میں دوڑتے ہوئے چلے جائیں گے. (بیان القرآن حاشیہ مسائل السلوک ج10 ص32)

تعارض: 133

سورۃ مریم

آیت 91

تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الارض هدًا. اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں. اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں.

اس آیت سے کلمہ شرک کی قوت اور شدت معلوم ہوتی ہے. حالانکہ دوسری آیت سے کلمۃ الشرک کی کمزوری اور خفت معلوم ہوتی ہے. ارشاد باری ہے. ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض مالها من قرار. اور گندہ کلمہ کی

http://mujahid.xtgem.com

مثال ایسی ہے جیسے ایک درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اس کو کچھ ثبات نہ ہو.(سورۃ ابراہیم آیت 26)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں. وصف کلمۃ الشرک فی سورۃ ابراھیم علیہ السلام بالضعف وھنابالقبح فھی فی غایۃ الضعف وفی غایۃ القبح والفظاعۃ فلاتنافی بینھما. سورۃ ابراہیم میں کلمۃ الشرک کے ضعف کا بیان ہے.اور سورۃ مریم میں کلمۃ الشرک کے قبح کا بیان ہے.کلمۃ الشرک انتہائی ضعیف ہونے کے ساتھ انتہائی قبیح بھی ہے. ضعف اور قباحت میں منافاۃ نہیں.(مسائل الرازی ص 217)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ان یکون استعظاما للکلمۃ وتھویلا من فظاعتھا وتصویر الاثرھا فی الدین کلمۃ الشرک کی برائی اور قباحت اور دین کی خرابی میں اس کا ایسا اثر ہوگا.(الکشاف ج 3 ص 45) سورۃ ابراہیم کی آیت میں کلمۃ خبیثہ کی تفسیر میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں. شبہ بھا القول الذی لم یصحۃ فھو داحض غیر ثابت .شجرہ خبیثہ کے ساتھ بے دلیل قول کی تشبیہ دی کہ اس کو کوئی قرار نہیں .(الکشاف ج 2 ص 554) کلمۃ الشرک کی کمزوری کا بیان ہے.

تعارض: 134 سورۃ طٰہٰ

آیت 15

ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیھا .بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں. کاد افعال مقاربہ سے ہے.اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے علم کو بالفعل چھپایا نہیں بلکہ ابھی چھپانے کے قریب ہیں.حالانکہ بعض

آیات میں تصریح ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس مخفی ہے.ارشاد باری ہے. قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے.اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا.(سورۃ الاعراف آیت 187)

تطبیق: اللہ نے قیامت کے علم کو مخفی کر رکھا ہے.صرف علامات قیامت بتادی ہیں۔
علامہ زمخشری فرماتے ہیں. اخفیھا بالفتح من خفاہ اذا اظھرہ ای قرب اظھارھا کقولہ تعالیٰ اقتربت الساعۃ .اخفیھا کو ہمزہ کے فتحہ کیساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی اظہار ہے معنی یہ ہوگا کہ قریب ہے کہ قیامت کے علم کو ظاہر کردوں.جیسے یہ فرمان باری ہے قیامت نزدیک آپہنچی.(الکشاف ج 3 ص 56).

اخفاء سے اظہار کا معنی اس لئے صحیح ہے.کہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں.اخفی من الاضداد بمعنی الاظھار وبمعنی السر.اخفاء اضداد سے ہے.اس کا معنی اظہار اور سر دونوں آتے ہیں.امام قرطبی کہتے ہیں کہ آیۃ مشکلۃ.مشکل آیت ہے.کافی بحث کی ہے.سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے.قد اخفاھا.یعنی قیامت کے علم کو مخفی کر رکھا ہے. لکھتے ہیں وھذا علی ان کاد زائدای ان الساعۃ آتیۃ اخفیھا.کاد زائد ہے.اور معنی یہ کہ قیامت آئے گی لیکن اس کے علم کو میں نے مخفی کر رکھا ہے.کاد زائد ہونے کی صورت میں یہ مفہوم نکلے گا.(قرطبی ج 12 ص 185)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں. وحاصلہ اکاد ابالغ فی اخفاءھا .آیت کا حاصل یہ ہے کہ قریب ہے کہ قیامت کے اخفاء میں مبالغہ سے کام لوں.

ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں. ان المعنیٰ اکاد اخفیھا من نفسی .قریب ہے کہ قیامت کے علم کو اپنے آپ سے چھپا لوں.عرب کی عادت ہے کہ جب کسی بات

http://mujahid.xtgem.com

کو چھپانے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں. تو یوں کہتے ہیں. کدت اخفیه من نفسی. قریب ہے کہ اپنے آپ سے یہ بات چھپالوں تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے. (روح المعانی ج16 ص172) امام نیشاپوری فرماتے ہیں. وقال ابو الفتح الموصل الهمزة للسلب ای اکاد اظهرها معناه قرب ظهورها کقوله اقتربت الساعة. ابوالفتح موصلی کہتے ہیں. کہ اخفیھا میں ہمزہ سلب ماخذ کیلئے ہے. معنی یہ ہوگا قریب ہے کہ قیامت کو ظاہر کردوں جیسے یہ قول ہے اقتربت الساعة. (غرائب القرآن ج16 ص86 حاشیہ طبری). اخفیھا میں ہمزہ سلب کے لئے ہوتو اخفاء اضداد سے نہ ہوگا.

تفسیر قرطبی میں مذکور ہے کہ ابو علی فرماتے ہیں. هذا من باب السلب ولیس من باب الاضداد. (قرطبی ج11 ص184)

اخفاء میں جب ہمزہ سلب کا ہوتو اضداد کے باب سے نہ ہوگا. کہ اخفاء کے دونوں معنی لئے جائیں اظہار اور ستر.

تعارض: 135 سورة طه

آیت 22

واضمم یدك الی جناحك. اور تم اپنا ہاتھ اپنے بغل میں دے لو. دوسری آیت میں ہے. اسلک یدک فی جیبک تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو. (سورۃ القصص 32) ایک اور آیت میں ہے وادخل یدك فی جیبك. اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاو. (سورۃ النمل 12) بغل اور گریبان میں تعارض ہے

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں. والمراد ادخل یدك الیمنی من طوق مدرعتك واجعلها تحت ابط الیسری او تحت عندها عند الابط

او تحتها عنده فلامنافاة بین ماهنا وقوله تعالیٰ ادخل یدك فی جیبك.
دونوں آیتوں میں منافاۃ نہیں کیونکہ مطلب یہ ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ قمیص کے گریبان میں ڈال کر بائیں بغل یا بازو کے نیچے لے جاو. (روح المعانی ج16 ص179).
امام رازی ان آیات کے دفع تعارض میں فرماتے ہیں. لانہ اذا ادخل یده فی جیبه کان قد ضم یده الی جناحه. موسیٰ علیہ السلام جب اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالتے تو اس کو بغل کیساتھ ملا دیتے تھے. (تفسیر کبیر ج22 ص30)

تعارض: 136 سورة طه

آیت 27

واحلل عقدة من لسانی. اور میری زبان پر سے بستگی ہٹا دیجئے.
موسیٰ علیہ السلام نے زبان کی بستگی دور ہونے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے. قد اوتیت سؤلك یا موسیٰ. آپ کی درخواست منظور کی گئی ہے اے موسیٰ (طہ آیت 36)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعا قبول ہوئی تھی لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی بستگی دور نہیں ہوئی. فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ولا یکاد یبین. اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا (سورۃ الزخرف آیت ۵۲).
ایک اور ارشاد ہے. واخی هارون هو افصح منی لسانا. اور میرے بھائی هارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے. (سورۃ القصص آیت ۳۴).
تطبیق: پیغمبر مستجاب الدعوات ہوتے ہیں. ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں. حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی قبول ہوئی ہے. لیکن موسیٰ علیہ السلام نے مطلقاً گرہ کھلنے کی دعا نہیں کی بلکہ ساتھ قید لگائی. یفقهوا قولی. کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں. اور یہ

http://mujahid.xtgem.com

دعا قبول ہوئی ہے۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں بانہ لم یسئل حل عقدۃ لسانہ مطلقا بل عقدۃ تمنع الافہام مطلقاً گرہ کھولنے کی دعا نہیں کی بلکہ ایسی گرہ جو افہام میں مانع ہو۔ (بیضاوی ج2 ص18)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ انہ طلب حل بعضہا ارادۃ ان یفہم عنہ فہما جیدا ولم یطلب فصاحۃ الکاملۃ ومن لسانی حبۃ للعقدۃ کأنہ قیل عقدۃ من عقد لسانی۔ عقدہ نکرہ بعض گرہ کھلنے کے دعا کی تھی۔ اور یہ خواہش تھی کہ لوگ میرے کلام کو اچھی طرح سمجھیں فصاحت کاملہ طلب نہیں کی تھی۔ ان کا سوال گویا یوں تھا۔ زبان کی گروہوں سے ایک گرہ کھول دے۔ (الکشاف ج3 ص61)

تعارض: 137 سورۃ طٰہٰ

آیت 104

یتخافتون بینھم ان لبثتم الا عشرا۔ چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کہیں گے کہ قبروں میں صرف دس روز رہے ہیں۔ لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک ساعت کا اقرار کریں گے۔ دس روز اور ایک ساعت میں منافاۃ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعۃ۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔ (سورۃ الروم/۵۵)

تطبیق: دس روز سے تحدید مراد نہیں کہ بعینہ دس دن مراد لئے جائیں۔ بلکہ مراد تھوڑی مدت ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ ما لبثتم الا عشر لیال وھذا علی طریق التقلیل لا علی وجہ التحدید۔ (زاد المسیر ج5 ص321)۔

کفار اپنی قبروں یا دنیا کی زندگی کے بارے میں کبھی ایک دن کا ذکر کرتے ہیں، کبھی دس دن کا کبھی ایک ساعت کا کہ ان مذکورہ اوقات کے مطابق دنیا یا قبر میں رہے ہیں۔ کیونکہ آخرت کی ہولناکی اتنی سخت ہوگی کہ اپنا گذشتہ زمانہ سرور بھول جاویں گے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ وانما یقدرون وقت لبثھم بذلک علی وجہ استقصارھم لہ او ینسون او یکذبون او یخمنون۔ دنیا یا قبر کے لبث کے بارے میں ان کا وقت مقدر کرنا یا تو اس لئے ہے کہ اس وقت کو کم جانیں گے یا بھول جائیں گے یا جھوٹ بولتے ہیں یا پھر تخمینا بول رہے ہیں۔ (تفسیر کشاف ج 3 ص487)

ایک قول کفار کا یہ بھی ہے۔ ان لبثتم الا یوما۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ فالمراد الا زمنا قلیلا۔ مراد تھوڑی مدت ہے۔ (روح المعانی ج16 ص261)

تعارض: 138 سورۃ طٰہٰ

آیت 115

ولقد عھدنا الی آدم من قبل فنسی۔ اور اس سے پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اس سے غفلت ہوگئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی جس کی وجہ سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا۔ اس کو عاصی نہیں کہیں گے۔ لیکن دوسری آیت سے میں ان کو اس چوک پر عاصی کہا گیا ہے۔ وعصی آدم ربہ فغوی۔ اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 121) معلوم ہوا نسیان نہیں تھا بلکہ قصوروار تھے۔

http://mujahid.xtgem.com

تطبیق: نسیان کا غیر ماخوذ ہونا اس امت کی خصوصیت ہے. حضرت آدم علیہ السلام کے لئے نسیان بھی قصور تھا. امام قرطبی فرماتے ہیں وان کان النسیان منا الیوم مرفوعا. لہذا آدم علیہ السلام کے لئے نسیان اور قصور ایک معنی میں ہے.

دوسرا جواب مفسرین یہ ذکر کرتے ہیں کہ نسیان کا معنی ترک ہے. یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے ترک عہد کیا. ظاہر ہے ترک عہد غلطی ہے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. وان یراد الترک وانه ترک ماوصی به من الاحتراس عن الشجرة واکل ثمرتها. نسیان سے ترک مراد لیں. ان کو درخت اور اس کے پھل سے منع کیا تھا. اس کی پابندی نہ کر سکے. (الکشاف ج 3 ص 91).

امام قرطبی فرماتے ہیں. معناه ترک. (قرطبی ج 11 ص 251).

علامہ آلوسی فرماتے ہیں. فالنسیان مجاز عن الترک. نسیان ترک کی جگہ مجازاً آیا ہے. جب نسیان کا معنی ترک ہو تو ترک عہد اور عصیان دونوں ایک معنی میں ہو گئے. کیونکہ دونوں کا معنی غلطی کرنا ہے. لہذا کوئی تعارض نہیں.

تعارض: 139 سورۃ الانبیاء

آیت 81

ولسلیمن الریح عاصفةً تجری بامره الی الارض التی بارکنا فیها. اور ہم نے سلیمان کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی ہے جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے. اس آیت میں ہوا کی صفت عاصف کے ساتھ بیان ہوئی یعنی زور کی ہوا تھی. لیکن سورۃ ص کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہوا نرم تھی. ہوا کو رخاء کے ساتھ ذکر کیا ہے. ارشاد باری ہے فسخرنا له الریح تجری بامره رخاءً حیث اصاب. سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان

کے حکم سے جہاں وہ چاہتا نرمی سے چلتی. (آیت 36).

تطبیق: رخاء کا ایک معنی مطیعة ہے. تا بعدار اس معنی کے لحاظ سے کوئی تعارض نہیں. ابن الجوزی دفع تعارض میں فرماتے ہیں. فالجواب ان المفسرین قالوا کانت یامر العاصف تارة ویامر الرخاء اخری. کبھی زور کی ہوا کو حکم دیتے کبھی نرم ہوا کو.

دوسرا جواب ذکر کرتے ہیں. کانت تشتد اذا اراد وتلین اذا اراد. جب چاہتے ہوا شدت اختیار کر لیتی کبھی نرم ہوا کا ارادہ کر لیتے. (زاد المسیر ج 7 ص 140).

ابن جریر طبری فرماتے ہیں. کہ تخت تیار ہونے کے بعد جب اس پر سوار ہو جاتے امر العاصف من الریح فدخلت تحت ذلک الخشب فاحتملته حتی اذا استقلت امر الرخاء. زور کی ہوا کو حکم دیتے وہ تخت کے نیچے داخل ہو کر ہوا اس کو اٹھاتی جب تخت بلند ہو جاتا پھر نرم ہوا کو حکم دیتے. اس طرح تخت ہوا میں اڑتا تھا. (تفسیر ابن جریر طبری ج 17 ص 55).

اس کی مثال موٹر اور گاڑی وغیرہ کی ہے. موٹر چلانے کے لئے ڈرائیور پہلے فسٹ گیر لگاتا ہے جس کی طاقت زیادہ ہوتی ہے. گویا گاڑی کی ابتدائی روانگی زیادہ زور اور قوت چاہتی ہے جب گاڑی سڑک پر چل پڑتی ہے پھر ڈرائیور ٹاپ گیر لگاتا ہے. جس میں اول گیر کے مقابلہ میں قوت کم ہوتی ہے. اور گاڑی تیز چلتی ہے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ان تکون رخاء فی نفسها وعاصفة فی عملها. ہوا فی نفسہ نرم تھی لیکن عمل کے اعتبار سے زور والی تھی.

دوسرا جواب ذکر کرتے ہیں. وقیل کانت فی وقت رخاء وفی وقت عاصف لهبوبها علی حسب ارادته. کسی وقت ہوا نرم ہوتی اور کسی وقت زور والی کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے ارادہ اور خواہش کے مطابق چلتی تھی. (تفسیر کشاف

http://mujahid.xtgem.com

ج3 ص130) جس طرح ڈرائیور کبھی گاڑی تیز چلاتا ہے کبھی آہستہ.

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں. یا باعتبار تاثیر فی البدن اور راکب کو حرکت نہ ہونے کے رخاء کی صفت رکھتی تھی. اور باعتبار سرعت سیر اور قطع مسافت کے عاصف کا حکم رکھتی تھی. (بیان القرآن ج 7 ص 54)

تعارض 140 سورۃ المؤمنون

آیت 12

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين. اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا. اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ انسان کو اللہ پاک نے مٹی سے بنایا. جبکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے بنایا ہے. چنانچہ ارشاد باری ہے ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين. پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط یعنی ایک بے قدر پانی سے بنایا. (سورۃ السجدہ آیت 8)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں سورۃ المومنون میں الانسان سے مراد آدم علیہ السلام ہے. والمراد منه آدم عليه السلام فادم سل من طين و خلقت ذريته من ماء مهين. آدم علیہ السلام کو مٹی سے نکالا اور اس کی اولاد کو بے قدر پانی سے پیدا کیا.

اور ایک جواب ذکر کرتے ہیں. وقال الآخرون الانسان ههنا ولد آدم والطين هنا اسم آدم عليه السلام. بعض نے کہا ہے کہ انسان سے مراد بنی آدم ہیں. اور طین سے آدم علیہ السلام کا نام ہے. (تفسیر کبیر ج23 ص84).

سورۃ مومنون میں الانسان سے مراد آدم علیہ السلام لیں تو اس معنی کی تائید سورۃ السجدہ کی آیت سے ہوتی ہے. ارشاد باری ہے. وبدأ خلق الانسان من طين ثم

جعل نسله. انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل کو خلاصہ اخلاط سے. قاضی بیضاوی فرماتے ہیں. وقيل المراد بالطين آدم لانه خلق منه والسلالة نطفة. طین سے مراد آدم علیہ السلام ہے کیونکہ وہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں. اور سلالۃ سے مراد ان کا نطفہ ہے. (تفسیر بیضاوی ج2 ص 61)

اس تفسیر کے مطابق معنی ہوگا کہ انسان کو آدم علیہ السلام کے نطفہ سے پیدا کیا ہے.

ابو السعود فرماتے ہیں. والمراد بالانسان جنس اى و بالله لقد خلقنا جنس الانسان في ضمن خلق آدم عليه السلام خلقا اجماليا. انسان سے مراد جنس انسان ہے. ہم نے جنس انسان کو اجمالی طور پر آدم علیہ السلام کے ضمن میں پیدا کیا ہے. (تفسیر ابو السعود ج4 ص29)

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 141 سورة المؤمنون

آیت 96

ادفع بالتی هی احسن السیئة .آپ ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاوے سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو. اس آیت کا جہاد کی آیت کے ساتھ تعارض ہے. کیونکہ آیات جہاد میں قتل اور خون بہانے کا حکم ہے.

تطبیق: مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں. اور آیت ادفع الخ جہاد کی معارض نہیں کیونکہ جہاد حقوق دین کے لئے ہوتا ہے. اور یہ آیت حقوق نفس کے بارے میں ہے. (بیان القرآن ج 7 ص 99).

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. وقیل هی منسوخة بآية السيف. آیات سیف کیساتھ منسوخ وقیل محکمة لان المداراة محثوث علیها مالم تؤد الی ثلم دین وازراء بمروءة. یا آیت محکم ہے کیونکہ ظاہرداری کی ترغیب دی گئی ہے جب تک دین میں رخنہ نہ پڑے اور خلاف مروت نہ ہو. (الکشاف ج 3 ص 202).

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں. وقیل هی کلمة التوحید و السیئة الشرك. یعنی شرک کا جواب کلمہ توحید سے دو اس معنی کی وجہ سے تعارض پیدا نہیں ہوتا. وقیل الامر بالمعروف و السیئة المنکر. احسن طریقہ سے امر بالمعروف مراد ہے. اور السیئة سے منکر یعنی منکر کا معروف کے ساتھ ازالہ کرو. (بیضاوی ص 460)

تعارض: 142 سورة المؤمنون

آیت 101

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم. پھر جب صور پھونکا جائیگا تو ان میں باہمی

رشتے ناطے اس روز نہ رہیں.

معلوم ہوا کہ رشتے ختم ہو جائیں گے. لیکن بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبی رشتے ختم نہ ہوں گے. ارشاد ہے. یوم یفر المرء من اخیه. جس روز میں آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا. (سورۃ عبس آیت 34) معلوم ہوا کہ نسب برقرار رہے گا.

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں ان المراد انه لا یفتخرون یومئذ بالانساب کما یفتخرون بها فی الدنیا. جیسے دنیا میں نسب پر فخر کرتا ہے وہاں ایسا فخر نہ کر سکے گا. گویا اس کا نسب ہے ہی نہیں. فلا انساب من باب المجاز مجازا. نسب کی نفی ہوئی ہے. (روح المعانی ج 18 ص 65).

ابن الجوزی فرماتے ہیں لا انساب بینهم یومئذ یتفاخرون بها. ایک دوسرے پر فخر کرنے کے لئے نسب نہ ہوگا. (زاد المسیر ج 5 ص 490)

یہ مطلب نہیں کہ نسب بالکلیہ منقطع ہو جائے گا. بلکہ وہ نسب جس کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ نہ ہوگا.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں التناکر عند النفخة الاولی فاذا کانت الثانیة قاموا فتعارفوا. نفخہ اولی میں ایک دوسرے کو نہ پہچانیں گے گویا نسب نہیں. نفخہ ثانیہ میں ایک دوسرے سے تعارف کریں گے. (الکشاف ج 3 ص 203)

تعارض: 143 سورة المؤمنون

آیت 101

فلا انساب بینهم یومئذ ولا یتساءلون. ان میں سے باہم رشتے ناطے اس روز نہ رہیں گے. اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا. اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس روز کفار ایک دوسرے نہ پوچھیں گے لیکن بعض آیات سے معلوم ثابت ہوتا ہے. ایک دوسرے

http://mujahid.xtgem.com

ے پوچھیں گے۔ واقبل بعضهم علی بعض یتساء لون .اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر جواب وسوال کرنے لگیں گے۔(سورۃ الصفت آیت 27)

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں ۔فان تسأل الکفرة المنفی فی موطن وتسألهم المثبت فی موطن آخر ۔ایک دوسرے سے نہ پوچھنا ایک میدان میں ہوگا۔اور پوچھنا دوسرے میدان میں ہوگا۔

وقدیقال ان التساء ل المنفی هناتسأل التعارف .تعارف کیلئے ایک دوسرے سے نہ پوچھیں گے۔ والتساء ل المثبت لاهل النار تساء ل وراء ذلك.

ابن عباس فرماتے ہیں ۔ان نفی التساء ل فی النفخة الاولیٰ حین لایبقی علی وجه الارض شئ. نفخہ اولی کے وقت جب زمین پر کوئی باقی نہ رہے گا تو اس وقت میں تساءل کی نفی ہے۔ واثباته فی النفخة الثانية نفخہ ثانیہ کے وقت ایک دوسرے پوچیں گے۔(روح المعانی ج18 ص 66)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں ۔فیه جوابان احدهماان یوم القیامة مقداره خمسون الف سنة ففيه ازمنة واحوال مختلفة یتساء لون .قیامت کے 50 ہزار سال کے دن میں بہت زمانے ہیں ۔ہر زمانے کے مختلف احوال ہیں بعض ازمنہ میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے اور بعض میں ایک دوسرے سے کلام نہ کریں گے۔(الکشاف ج3 ص 203)

ابن الجوزی فرماتے ہیں ۔لایتساء لون بلاانساب .نسب کے بارے میں ایک دوسرے سے نہ پوچھیں گے۔

والثانی: لایسأل بعضهم بعضاعن شانه .ایک دوسرے کی خیر خیریت دریافت کرنے کیلئے ایک دوسرے سے نہ پوچھ سکیں گے۔

والثالث: لایسأل بعضهم بعضاً من ای قبیل انت کماتفعل

العرب ۔ایک دوسرے سے یہ نہ پوچھیں گے کہ تو کس قبیلے کا ہے جیسے عرب کی عادت ہے اس طرح پوچھ گچھ سے آدمی کی قدر معلوم ہوتی ہے ۔(زادالمسیر ج 5 ص 491) ۔مذکورہ قسم کے سوالات ایک دوسرے سے نہ کر سکیں گے ۔اس کے علاوہ آپس میں گفتگو کر سکیں گے۔

تعارض: 144 سورۃ النور
آیت 3

الزانی لاینکح الازانیة اومشرکة والزانیة لاینکحهاالازان اومشرك وحرّم ذلك علی المؤمنین. زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاک دامن کا زانیہ کیساتھ نکاح اور عفیفہ کا زانی کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن بعض آیات کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں نکاح صحیح ہے ارشاد ہے ۔وانکحوا الایامیٰ منکم .اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔(سورۃ النور آیت 32)

ایک اور ارشاد ہے ۔واحل لکم ماوراء ذلکم .اوران عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہے ۔غیر محرم عورتوں میں زانیہ داخل ہے ۔معلوم ہوا کہ عفیف زانیہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔

تطبیق: اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ زانیہ کا زانی کے ساتھ' عفیفہ کا زانی کے ساتھ یا عفیف کا زانیہ کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ۔کیونکہ جن محرمات کا ذکر ہوا ان میں یہ عورتیں داخل نہیں ۔اس آیت میں صرف زانی اور زانیہ کی گندی طبیعت کا ذکر ہے

http://mujahid.xtgem.com

زنا کے عادی اور خوگر لوگوں کا میلان ہی اس قسم کی گندی طبیعت والوں کی طرف ہوتا ہے. اس برے وصف کے وجہ سے ہم جنس بن جاتے ہیں. ایسے لوگوں کے ذہن میں یہ نہیں ہوتا کہ نکاح کے مقاصد حاصل ہوں مقصد صرف شہوت رانی ہوتی ہے. ان لوگوں کو اگر زنا کے مواقع نکاح کے بغیر میسر نہ ہوتے ہوں تو ان گندی عورتوں کے علاوہ کسی اور کو بیوی بنانا بھی پسند نہیں کرتے.

زانی کو زانیہ کی اور زانیہ کو زانی کی تلاش ہوتی ہے. اور اس برے مقصد کے حصول کے اتنے جنونی ہوتے ہیں کہ نکاح کے وقت مذہب کا پاس بھی نہیں رکھتے. بلکہ زانیہ اور زانی اگر شرک کا ارتکاب کرتے ہوں تو ان کے ساتھ بھی نکاح کے لئے تیار ہو جاتے ہیں. حالانکہ مسلمان اور مشرکہ کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا. اور زنا تو ویسے بھی حرام ہے. ایک شادی شدہ جوڑا ہے دونوں پاک دامن ہیں. ان میں سے ایک زنا کا ارتکاب شروع کرے تو نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا. ہاں زانیہ عورت کا خاوند بے غیرت اور دیوث ضرور بن جائے گا.

اس بات کی دلیل کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ کی صرف گندی طبیعت اور رغبت الی الزنا کا ذکر ہے. اور عفیف اور زانیہ کے عدم جواز نکاح کا کوئی ذکر نہیں ہے. یہ ہے کہ زانی مشرکہ کیساتھ بھی نکاح کے لئے تیار ہو جاتا ہے آیت میں مشرکہ کا ذکر ہے حالانکہ مشرکہ کے ساتھ سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا. نکاح کی اس بحث میں مشرکہ عورت کے ذکر کی ضرورت نہ تھی لیکن پھر بھی ذکر کر دیا معلوم ہوا کہ یہاں بحث نکاح کے جواز اور عدم جواز کی نہیں بلکہ صرف ان لوگوں کی گندی طبیعت کا ذکر ہے اور زنا کی حرمت کی بھی ذکر ہے اس صورت میں آیت محکم ہوگی.

اگر اس آیت سے یہ مفہوم نکالا جائے کہ عفیف اور زانیہ کا نکاح صحیح نہیں تو پھر یہ آیت منسوخ ہے. ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں فقد نسختها الآية التی

بعدها وانكحوا الايامىٰ منكم (الاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۶۶).

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں لكن المراد بيان احوال الرجال فی الرغبة فیهن. آیت میں گندی طبیعت والے مردوں کا بیان ہے کہ ان رغبت اس قسم کی عورتوں کی طرف ہوتی ہے. (بیضاوی ج 2 ص 73).

یا الزانی لاینکح میں نکاح سے مراد جماع ہے. ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں یعنی یہ الجماع حین یزنی معنی ہوگا لا یزنی حین یزنی الا بزانية مثله. زنا کے لئے ہم مثل کی تلاش کرتا ہے.

فرماتے ہیں فحكمه تعالىٰ فی ذلك مساواتهما فی الزنا مساوات فی الزنا مراد ہے. خلاصہ یہ ہوا کہ آیت میں دو باتوں کا بیان ہے. زنا اور نکاح میں ان لوگوں کو ہم مثل کی تلاش ہوتی ہے. ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں. وفقهاء الامصار متفقون علی جواز النكاح وان الزنا لا يوجب تحريمها علی الزوج ولا يوجب الفرقة بينهما. نکاح ان کے ساتھ جائز ہے. زنا سے میاں بیوی کے نکاح پر اثر نہیں پڑتا. اس پر فقہاء کا اتفاق ہے. ابو جعفر طبری فرماتے ہیں واولى الاقوال فی ذلك عندی بالصواب قول من قال عُنی بالنكاح فی هذا الموضع الوطی. صحیح اور بہتر قول میرے نزدیک یہ ہے کہ یہاں نکاح سے وطی مراد ہے. اس کا حاصل بھی وہی مساوات فی الزنا ہے. مزید فرماتے ہیں لم يعن بالآية ان الزانی من المؤمنين لا يعقد عقد نكاح على عفيفة من المسلمين. آیت کا یہ مطلب نہیں کہ مؤمن زانی مسلم عفیفہ سے نکاح نہیں کر سکتا. (طبری ج 18 ص 58)

البتہ حافظ ابن کثیر نے امام احمد کا مذہب نقل کیا ہے کہ عفیف کا زانیہ کیساتھ نکاح صحیح نہیں ہاں توبہ کہ بعد صحیح ہے. (ابن کثیر ج 2 ص 51).

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 145 سورۃ النور

آیت 24

یوم تشهد علیهم السنتهم. جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی.
اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار منہ اور زبان سے گواہی دیں گے حالانکہ سورۃ یٰس
کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مونہوں پر مہر لگی ہوگی تو زبان اور منہ سے کیسے گواہی
دیں گے. اور ارشاد ربانی ہے الیوم نختم علی افواههم آج ہم ان کے مونہوں
پر مہر لگائیں گے.

تطبیق: ابن الجوزی فرماتے ہیں وهولاء غیر الذین یختم علی افواههم
جن لوگوں کی زبانیں گواہی دیں گی وہ ان کے علاوہ ہیں جن کے مونہوں پر مہر لگی
ہوگی. (زاد المسیر ج 6 ص 26)

ابن جریر طبری فرماتے ہوئے سوال ذکر کرتے ہیں. کہ جب مونہوں پر مہر لگ جائے
تو زبان کیسے گواہی دے گی جواب ذکر کرتے ہیں. عنی بذلك ان السنة بعضهم
تشهد علی بعض لان السنتهم تنطق وقد ختم علی الافواه.
بعض کی زبانیں بعض کے بارے میں گواہی دیں گی ایسا نہیں کہ ان کے مونہوں
پر مہر لگی ہو اور ان کی زبانیں بولنا شروع کر دیں. (تفسیر طبری ج 18 ص 105).

علاؤ الدین بغدادی فرماتے ہیں (یوم تشهد علیهم السنتهم) هذا قبل ان یختم
علی افواههم زبانوں کی یہ گواہی مونہوں پر مہر لگنے سے پہلے کی ہے. (تفسیر خازن
ج 4 ص 53)

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور شہادت السنۃ منافی نہیں ختم علی الافواہ کے
کیونکہ ختم علی الافواہ سے معذرت نافعہ کی نفی ہے اور شہادت میں قول معذرکا اثبات
ہے نیز شہادت میں زبان خود متکلم ہوگی متکلم کا آلہ نہ ہوگی یہ مراد ہے ختم

ہے. (بیان القرآن ج 8 ص 12)

جس طرح جملہ اعضاء گواہی دیں گے اسی طرح زبان بھی بدن کا ایک عضو ہے اس
لحاظ سے زبان گواہی دی گی. اس وقت زبان بولنے کا آلہ نہ ہوگی.

علامہ آلوسی تعارض ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں. بان المراد من الختم علی
الافواه منعهم عن التکلم بالالسنة التی فیها وذلك لاینافی نطق الالسنة
نفسها الذی هو المراد من الشهادة کما اشرنا الیه فان الالسنة فی الاول آلة
للفصل وفی الثانی فاعلة له فیجتمع الختم علی الافواه وشهادة الالسن
بان یمنعوا عن التکلم بالالسنة وتجعل الالسنة نفسها ناطقة متکلمة. ختم
علی الافواہ سے مراد زبانوں کا تکلم سے رُک جانا ہے اور یہ زبان کے خود متکلم ہونے
کے منافی نہیں. زبان کی شہادت سے یہی مراد ہے. کہ وہ خود متکلم ہوگی. کیونکہ انسان
کے تکلم کے وقت زبان اسکے لئے آلہ ہوتی ہے اور ختم علی الافواہ کے بعد زبان
خود فاعل بن کر تکلم کرے گی نہ کہ آلہ بن کر اس لحاظ سے ختم علی الافواہ اور شہادۃ
السنۃ میں جمع ممکن ہے. (روح المعانی ج 18 ص 129)

ایک اور جواب ذکر کرتے ہیں. وقیل فی التوفیق یجوز ان یکون کل من
الختم والشهادة موطن وحال. یعنی کسی موطن اور حال میں زبان متکلم ہو اور کسی
موطن اور حال میں زبان پر مہر لگی ہو. وان یکون الشهادة فی حق الرامین
والختم فی حق الکفرة. زبان کی شہادت قاذف کے بارے میں ہے. اور ختم علی
الافواہ کفار کے حق میں ہو. قاذف کی زبان خود اس کے خلاف گواہی دے گی جس
طرح قاذف نے کسی معصوم پر تہمت لگائی تھی تو اس کی زبان خود اس کے خلاف گواہ
بن جائے گی تاکہ جزاء من جنس العمل ہو جائے. تفسیر قرطبی میں بھی یہی لکھا ہے
فرماتے ہیں یوم تشهد السنة بعضهم علی بعض بما کانوا یعملون فی

http://mujahid.xtgem.com

القذف و البهتان. (ج 12 ص 210)

تعارض: 146 سورۃ النور

آیت 26

الخبیثات للخبیثین و الخبیثون للخبیثات و الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات. گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں۔ اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں مناسبت ضروری ہے یا دونوں پاک ہوں یا دونوں ناپاک۔ لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مناسبت ضروری نہیں۔ نوح علیہ السلام پاک تھا اور بیوی ناپاک۔ اس طرح لوط علیہ السلام۔ ارشاد ربانی ہے وضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأة نوح و امرأة لوط۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بی بی کا حال بیان کرتے ہیں۔ (سورۃ التحریم آیت 10)۔

یہ دونوں کافرہ تھیں۔ اور ان کے شوہر انبیاء تھے۔ اس طرح ارشاد ہے۔ وضرب اللہ مثلا للذین آمنوا امرأة فرعون۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمان کے لئے فرعون کی بی بی کا حال بیان کرتے ہیں۔ (سورۃ التحریم آیت 11) فرعون کی بیوی مسلمان تھی اور فرعون کافر۔

تطبیق: آیت میں خبیثات اور طیبات سے اقوال مراد ہیں۔ اس لئے کوئی تعارض نہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس الخبیثات من القول للخبیثین من الرجال و الخبیثون من الرجال للخبیثات من القول و الطیبات من القول للطیبین من الرجال و الطیبون من الرجال للطیبات من القول.

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ گندے اقوال گندے مردوں کے اور گندہ مرد گندے اقوال کے اور اچھے اقوال ستھرے مردوں کے اور ستھرے مرد اچھے اور پاک اقوال کے مناسب ہیں۔ (ابن کثیر ج 5 ص 79)

جب خبیثات اور طیبات سے عورتیں مراد لیں جائیں تو پھر تعارض بنتا ہے بہت سے مفسرین نے یہی مراد لیا ہے۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ الخبیثات من النساء للخبیثین من الرجال و الطیبات من النساء للطیبین من الرجال (زاد المسیر ج 5 ص 27)

علامہ شنقیطی نے ان آیات میں تعارض ذکر کرکے جواب دیا ہے کہ طیبات اور خبیثات سے مراد اقوال بھی ہیں لہذا کوئی تعارض نہیں لیکن اگر ان سے مراد عورتیں لی جائیں تو تعارض رہے گا۔ ممکنہ میسرہ تفاسیر کی ورق گردانی سے ان کے مابین تعارض اور پھر تطبیق کا ذکر کہیں نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تعارض نہیں۔ لیکن عدم تعارض کی وجہ کسی نے ذکر نہیں کی۔ احقر کے نزدیک اگر تعارض مان لیں تو تطبیق یوں ہوگی قباحت اور خباثت کے دو قسمیں ہیں۔ خباثت فی العقیدہ اور خباثت فی الاخلاق۔ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیبیوں میں عقیدہ کی خباثت تھی۔ اخلاقی قباحت اور خباثت نہ تھی۔ تمام انبیاء کرام کی بیبیاں پاک دامن تھیں۔ کس نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں وقال ابن عباس و غیر واحد من السلف مازنت امرأة نبی قط۔ ابن عباس اور اسلاف فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا۔ (ابن کثیر ج 3 ص 556)۔

ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس کانتا منافقتین مازنت امرأة نبی قط۔ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں منافق تھیں۔ انہوں نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ (الاحکام القرآن للجصاص ج 3 ص 467)۔

http://mujahid.xtgem.com

تو کفر بھی جرم ہے اور زنا بھی جرم ہے لیکن کفر باغیرت جرم ہے اور زنا بے غیرت جرم ہے.زنا کار کا خاوند دیوث ہوتا ہے.خاص کسی نبی کی غیرت یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کی بی بی زنا کار ہو.اس کے مقابلے میں کفر ایک ایسا جرم ہے کہ اس میں بے غیرتی نہیں.جس کا جو عقیدہ ہو اس کو حق اور اچھا سمجھتا ہے اگر چہ فی نفسہ عقیدہ غلط ہو. کل حزب بمالدیھم فرحون .ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اس سے خوش ہے (سورۃ المومنون آیت 53) لیکن زنا ایسا گناہ ہے کہ ہر ملک ومذہب میں کسی نہ کسی درجہ میں جرم تصور کیا جاتا ہے.بعض ممالک میں زنا قانوناً جائز ہے لیکن بالجبر ناجائز ہے.شادی شدہ عورت کے لئے ناجائز ہوتا ہے.اس لئے نہیں کہ ایک اخلاقی یا مذہبی جرم ہے بلکہ اس لئے کہ خاوند کا حق مارا جاتا ہے.

اس تشریح کی تائید علامہ زمخشری کی عبارت سے مل گئی والحمد للہ علی ذالک.فرماتے ہیں.ولا یجوز ان یراد بالخیانۃ الفجور لانہ سمج فی الطباع نقیصۃ عند کل احد بخلاف الکفر فان الکفار لا یسمجونہ بل یستحسنونہ ویسمونہ حقاً .خیانت سے مراد فجور (زنا) نہیں کیونکہ ہر آدمی کی طبیعت اس کو براجانتی ہے بخلاف کفر کے.کفار اپنے کفر کو برا نہیں جانتے بلکہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور اپنے کفر کو حق قرار دیتے ہیں.(الکشاف ج4 ص572) جب نبی کی بیوی زنا سے پاک ہوئی تو طیبہ بن گئی.اور نبی طیب تھا.طیبہ طیب کو مل گئی رہا ان کے مابین اختلاف دینیین کی بات تو وہ انکی شریعت کا معاملہ تھا.والعلم عنداللہ.

تعارض: 147 سورۃ الفرقان

آیت 69

یضعف لہ العذاب یوم القیامۃ .کہ قیامت کے روز اس کا عذاب

بڑھتا چلا جاوے گا.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کی طرح اللہ گناہ کا عذاب بڑھا دیں گے.حالانکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ اور اس کی سزا میں مماثلت ہے یعنی گناہ کے برابر سزا ملے گی.سزا بڑھا کر نہیں دی جائے گی.ارشاد باری ہے.ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا .اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی.(سورۃ الانعام آیت 160)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں .اذا ارتکب المشرک معاصی مع الشرک عذب علی الشرک وعلی المعاصی جمیعا فتضاعف العقوبۃ لمضاعفۃ المعاقب علیہ.مشرک جب گناہ کرتا ہے تو اس کو اس کے شرک اور گناہ دونوں پر عذاب ملتا ہے عذاب کا بڑھنا گناہ کے بڑھنے کی وجہ سے.(الکشاف ج3 ص294)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں.ومضاعفۃ العذاب لانضمام المعصیۃ الی الکفر .عذاب اس لئے بڑھتا ہے کہ کفر کے ساتھ معصیت بھی ہوتی ہے. (تفسیر بیضاوی ص484).

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین کے نزدیک یہ مطلب نہیں کہ ایک گناہ کا دوگنا یا زیادہ عذاب ملے بلکہ یضاعف کا لازم معنی مجازاً مراد ہے.اور مضاعفۃ کا لازم معنی شدت ہے.یعنی عذاب کی شدت مراد ہے.فرماتے ہیں بل المراد لازم ذالک وھو الشدۃ فکانہ قیل ومن یفعل ذالک یعذب عذابا شدیدا ویکون ذالک العذاب الشدید جزاء کل من تلک الافعال ومماثلا لہ .لازم معنی شدت مراد ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ جو کوئی ان افعال قبیحہ کا ارتکاب کرے گا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا.اور یہ سخت عذاب ان گناہ کے مماثل اور برابر ہے.(روح

http://mujahid.xtgem.com

المعانی ج10 ص73)

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں. یضاعف له العذاب پر شبہ تعارض آیۃ من جاء بالسیئۃ فلایجزی الامثلها کا نہ کیا جاوے کیونکہ مماثلت باعتبار کمیت کے ہے کہ ایک گناہ کا ایک ہی لکھا جاتا ہے دو یا زیادہ نہیں لکھے جاتے پھر اگر وہ ایک ہی کیفیت میں ایسا شدید ہو کہ مقتضی تضاعف بمعنی زیادۃ کو ہو تو یہ مماثلت کے خلاف نہیں بلکہ یہ بھی معنا مماثلت ہے.(بیان القرآن ج8 ص59)

تعارض: 148 سورۃ الفرقان

آیت 75

اولئك یجزون الغرفة. ایسے لوگوں کو بالاخانے ملیں گے. اس آیت میں غرفہ واحد ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایک غرفہ ملے گا. حالانکہ دیگر آیات میں ہے کہ ایک نہیں بلکہ زیادہ بالاخانے ملیں گے. ارشاد ہے. لهم غرف من فوقها غرف مبنیّة. ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر اور بالاخانے ہیں جو بنے بنائے تیار ہیں.(سورۃ الزمر آیت 20)

ایک اور ارشاد ہے وهم فی الغرفات آمنون. اور وہ بالاخانوں میں چین سے ہوں گے.(سورۃ السباء آیت 37)

تطبیق: جنتیوں کو ایک نہیں بلکہ زیادہ بالاخانے ملیں گے. اس آیت میں جنس غرفہ مراد ہے. اسی لئے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ترجمہ میں "بالاخانے" جمع کا لفظ استعمال کیا ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں. المراد یجزون الغرفات وهی العلالی فی الجنة فوحد اقتصارا علی الواحد الدال علی الجنس والدلیل علی ذلك وهم فی الغرفات آمنون غرفہ سے غرفات مراد ہیں. غرفہ جنت میں

ایک اونچا درجہ ہے. مفرد پر جنس کی دلالت کی وجہ سے اکتفاء کیا. جنس غرفہ مراد لینے کی دلیل یہ آیت ہے وهم فی الغرفات آمنون (الکشاف ج3 ص296).

یا غرفہ سے مراد جنت ہے اس طرح تعارض کا اشکال باقی نہیں رہتا. ابن الجوزی فرماتے ہیں قال ابن عباس یعنی الجنة. آگے فرماتے ہیں والمراد الجنة. (زاد المسیر ج6 ص112)

حافظ ابن کثیر بھی فرماتے ہیں کہ غرفہ سے مراد جنت ہے. اس آیت میں دو مرتبہ فیها کی مؤنث ضمیر جنت کی طرف لوٹائی ہے. کہ غرفہ سے مراد اونچا درجہ ہے. اس توجیہ کے ساتھ بھی اشکال باقی نہیں رہتا. فرماتے ہیں الغرفة الدرجة الرفیعة وهی اعلی منازل الجنة. غرفہ اونچا درجہ ہے جو جنت کا اعلیٰ مقام ہے (قرطبی ج13 ص83)

تعارض: 149 سورۃ الشعراء

آیت 145

وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العلمین. اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا. پس میرا صلہ تو رب العلمین کے ذمہ ہے. قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین آپ کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں.(سورۃ ص ۸۶)

اس طرح اور آیات بھی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنے تبلیغی مشن پر اجرت اور معاوضہ طلب نہیں کیا کرتے تھے. لیکن ایک آیت سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے. کہ آپ نے اجرت طلب کی ہے. ارشاد باری ہے. قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ. آپ یوں کہہ دیجئے کہ میں تم سے اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے

http://mujahid.xtgem.com

محبت کے.(سورۃ الشوریٰ آیت 23)

تطبیق: یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ حضور ﷺ نے تبلیغ دین پر نہ اجرت طلب کی ہے اور نہ لی ہے. تفسیر کشاف میں ہے کہ مشرکین جمع ہوئے بعض نے بعض سے کہا کہ محمدؐ جو کچھ دے رہے ہیں. اس پر اجرت طلب کرتے ہیں. تو الا المودۃ فی القربیٰ والی آیت نازل ہوئی.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں جب مستثنیٰ متصل ہو تو معنی اس طرح ہوگا. لااسئلکم اجرا الاھذا وھو ان تودوا اھل قرابتی ولم یکن ھذا اجرا فی الحقیقۃ لان قرابتہ قرابتھم فکانت صلتھم لازمۃ لھم فی المروۃ. میں تم سے اجر طلب نہیں کرتا مگر یہ یعنی میری قرابت کی محبت اور یہ حقیقت میں اجرت نہیں کیونکہ حضور ﷺ اوران کی قرابت ایک تھی. مروّت کے لحاظ سے ان کفار کے لئے صلہ رحمی لازم تھی. یا مستثنیٰ منقطع ہے ای لااسئلکم اجرا قط ولکن اسئلکم ان تودوا قرابتی الذین ھم قرابتکم ولا تؤذوھم. میں تم سے کبھی بھی اجرت نہیں مانگتا لیکن تم سے اپنی قرابت مانگتا ہوں. میری رشتہ داری تمہاری رشتہ داری ہے ان کو ایذاء نہ دو.(الکشاف ج4 ص209)

امام قرطبی اور امام فراء نے اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ انصار نے حضور ﷺ کے لئے چندہ کیا کہ آپ کی وجہ سے اللہ نے ہم کو ہدایت دی ہے آپ اس رقم سے کام چلائیں حضور ﷺ نے اس کو قبول نہ کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی. آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کفار سے کہا کہ میں تم سے اجرت نہیں لیتا اگر میری مدد نہیں کرتے تو اتنا کرو کہ میرے اور تمہارے مابین جو قرابت کا رشتہ ہے. اس کی وجہ سے مجھے تکلیف نہ دو. قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے امام بغوی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ الا المودۃ فی القربیٰ منسوخ ہے. لیکن بعد میں کہتے ہیں کہ نسخ

کا قول ٹھیک نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی قرابت کی محبت محکم فریضہ ہے. فرماتے ہیں یمکن ان یقال ان المنسوخ انما ھو ما امر اللہ تعالیٰ ورسولہ سوال الاجر. ممکن ہے کہ نسخ سے یہ مراد لیا جائے کہ اللہ نے رسول کو جو اجر کے سوال کا حکم دیا تھا صرف حصہ منسوخ ہے قرابت کی محبت منسوخ نہیں.(مظہری ج8 ص318)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں وقیل القربیٰ التقرب الی اللہ ای الا ان تودو اللہ ورسولہ فی تقربکم الیہ بالطاعۃ والعمل الصالح.(بیضاوی ج2 ص274)

قربیٰ سے مراد رشتہ داری نہیں بلکہ اللہ کا قرب ہے. اللہ کی اطاعت اور عمل صالح کے ساتھ تقرب حاصل کر کے اللہ اور اس کے رسول کی محبت حاصل کرو.

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت ان کی اطاعت اور عمل صالح اجرت نہیں. بلکہ ایسے اعمال ہیں کہ ان کا فائدہ ان ہی کو پہنچے گا.

امام رازی فرماتے ہیں ھو استثناء من غیر الجنس تقدیرہ لکن اذکرکم المودۃ فی القربیٰ. یہ استثناء من غیر جنس سے ہے.(مسائل الرازی ص247) جس اجر کی نفی ہے وہ غیر ہے اس اجر سے جس کا اثبات ہے.

تعارض: 150 سورۃ النمل

آیت 4

ان الذین لایؤمنون بالاخرۃ زیّنالھم اعمالھم فھم یعمھون. جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں. اس آیت میں تزین اعمال کی نسبت اللہ کی طرف ہوئی ہے. حالانکہ تزین اعمال شیطان کا کام ہے ارشاد ہے. زیّن لھم الشیطان اعمالھم.(سورۃ العنکبوت آیت

http://mujahid.xtgem.com

٣٨) اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں مستحسن کر رکھا ہے۔

اس آیت میں تزین اعمال کی نسبت شیطان کی طرف ہے۔

تطبیق: اگر اعمال سے مراد نیک اعمال ہوں تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ اللہ تعالی نیک اعمال مزین کرتا ہے۔لیکن کفار اپنے کفر کی وجہ سے اس کے حسن کو نہیں جانتے۔اور شیطان برے اعمال مزین کرتا ہے۔لیکن اکثر مفسرین نے اعمال سے نیک اور بد دونوں مراد لئے ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اعمالھم اعمال حسنہ لینا بعید ہے۔کیونکہ اس میں ھم کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔اور کفار کا کوئی عمل حسن نہیں۔طیبی کا قول نقل کیا ہے۔ان الذین لایومنون بالآخرة کقوله ان الذین کفروو قوله سبحانه زینّالھم اعمال کقوله جل وعلا ختم الله علی قلوبھم۔جس طرح اللہ تعالی نے کفار کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی اس طرح ان کے کفر کی وجہ سے ان کے اعمال بد کو ان کی نظر میں مزین کر دیا۔تاکہ حیران و پریشان رہیں۔(روح المعانی ج19 ص157)

امام قرطبی نے زجاج کا قول نقل کیا ہے۔جس کا حاصل بھی تقریبا یہی ہے۔قال الزجاج جعلناجزائھم علی کفرھم ان زینّا لھم اعمالھم۔ان کے کفر کے جزاء کے بدلہ میں ہم نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر دیا۔(قرطبی ج13 ص155)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں ونسبة التزین الیه عزوجل عندالجماعة حقیقة تزین اعمال کی نسبت اللہ کی طرف حقیقتا ہے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ تزین اعمال کی نسبت شیطان کی طرف حقیقی ہے اور اللہ کی طرف مجازا ہے۔لیکن اہل سنة اس توجیہ کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اس توجیہ کی بیناد

معتزلہ کا ایک قاعدہ ہے کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہی کام کرے گا جو بندوں کے حق میں بہتر اور مصلحت آمیز ہو۔وہ اس لئے اہل سنت کے نزدیک تزین اعمال کی نسبت اللہ کی طرف حقیقی ہے۔امام رازی نے معتزلہ کے دلائل کا خوب تعاقب کیا ہے پھر فرماتے ہیں۔والمراد من التزین ھوان یخلق فی قلبه العلم لمافیه من المنافع واللذات ولایخلق فی قلبه لمافیه من المضار والآفات فقدثبت بھذه الدلائل القاطعة العقلیة وجوب اجراء ھذه الآیة علی ظاھرھا۔

تزین اعمال کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا کریں کہ اس میں نفع اور لذت ہے اور کسی ضرر کا خیال دل میں پیدا نہ کرے ان عقلی قطعی دلائل سے ثابت ہوا کہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے(تفسیر کبیر ج23 ص179)

تعارض: 151 سورة النمل

آیت 83

ویوم نحشرمن کل امة فوج ممن یکذب بآیتنا۔اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے۔جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ حشر خاص اس گروہ مکذبین کا ہوگا لیکن دیگر نصوص میں ہے کہ حشر عام ہوگا۔ارشاد باری ہے کل اتوہ داخرین اور سب کے سب اس کے سامنے دبے جھکے حاضر ہوں گے۔(سورة النمل آیت 87)

تطبیق: اس میں کوئی شک نہیں کہ حشر عام ہے ساری مخلوقات حشر کے میدان میں جمع ہوں گی لیکن اس آیت میں ایک خاص حشر کا ذکر ہے میسرہ موجودہ تفاسیر میں چھان بین کے بعد صرف روح المعانی میں یہ توجیہ لکھی ہوئی دیکھی کہ حشر کی دو قسمیں ہیں۔حشر کلی اور حشر خاص۔اس آیت میں اس خاص گروہ مکذبین کے

http://mujahid.xtgem.com

حشر کا ذکر ہے. ساری مخلوق کے حشر کے بعد ان کا خاص حشر ہوگا. تا کہ ان کو خوب ذانٹ پلائی جائے اور خوب رسوا ہوں کیونکہ یہ بڑے بڑے رؤساء وہ لوگ ہوں گے جو گمراہی کے بانی تھے اور لوگوں کو گمراہ کیا کرتے تھے. علامہ آلوسی فرماتے ہیں
.والمرادبهذاالحشر الحشرللتوبيخ والعذاب بعدالحشر الكلي الشامل لكافة الخلق (روح المعانی ج 20 ص 26)

تعارض: 152 سورۃ القصص

آیت 56

انك لاتهدى من احببت. آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے.

اس آیت میں حضورؐ سے ہدایت کی نفی ہوئی ہے لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہدایت کر سکتے تھے. بلکہ ہادی آپ کی صفت ہے. ارشاد باری ہے. وانك لتهدى الى صراط مستقيم' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستہ کی ہدایت کر رہے ہیں. (سورۃ الشوریٰ آیت 52)

تطبیق: ہدایت کے اثبات اور نفی میں تعارض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ذہن میں ہدایت کا ایک معنی ہو. حالانکہ ایسا نہیں ہدایت کا استعمال قرآن مجید میں چار معانی کے لئے ہوا ہے. امام راغب الاصفہانی نے مفردات الفاظ القرآن میں لفظ ہدی کے ذیل میں بڑی تفصیل اور وضاحت کیساتھ اس کے معانی اور مواقع استعمال بیان کئے ہیں.

(۱) ہدایت. عقل. ذہانت. سمجھ بوجھ شعور وغیرہ اس قسم کی ہدایت تقریبا کائنات کی ہر شے کو دی ہے ارشاد ہے اعطى كل شئ خلقه ثم هدى. ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی. (سورۃ طٰہٰ آیت 50)

(۲) قرآن مجید اور انبیاء کرام لوگوں کو صحیح راستہ کی طرف بلانا. وجعلنامنهم ائمة يهدون بامرنا. اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے رہیں. (سورۃ الانبیاء آیت 73)

(۳) التوفيق الذى يختص به بمعنی توفیق جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے. ومن يومن بالله يهدقلبه اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو راہ دکھا دیتا ہے. (سورۃ التغابن آیت 11)

(۴) آخرت میں جنت کا راستہ دکھانا. الحمدلله الذى هدانالهذا. اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا (سورۃ الاعراف آیت 43)

مفردات الفاظ القرآن ص 538)

انبیاء کرام کا کام ہے راہ دکھانا حق اور باطل کھول کھول کر بیان کرنا تا کہ خلق خدا اسکے مطابق چلیں. اس راہ پر چلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جس کو توفیق کہتے ہیں. انسان انبیاء کرام کی ہدایات پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو حق راہ پر چلنے کی توفیق دے کر منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں.

جہاں اللہ تعالیٰ حضورؐ سے ہدایت کی نفی کرتے ہیں اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ آپ کسی کو توفیق نہیں دے سکتے کیونکہ توفیق میرے قبضہ میں ہے. اور جہاں حضورؐ کے لئے ہدایت کا اثبات ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آپ لوگوں کو صرف حق راستہ دکھاتے ہیں.

ابن الجوزی فرماتے ہیں. وانك لتهدى اى لتدعو. تو بلاتا ہے لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف. (زاد المسیر ج 7 ص 300)

علامہ آلوسی انك لاتهدى کی تفسیر میں فرماتے ہیں. هداية موصلة الى البغية لامحالة تو منزل مقصود تک حتماً نہیں پہنچا سکتا (روح المعانی ج 20 ص 95)

http://mujahid.xtgem.com

لفظ ہدایت کی اس مذکورہ تشریح کیساتھ ان آیات کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے. کہ ایک طرف تو اللہ تمام لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں. لیکن ظالم اور فاسق سے ہدایت کی نفی کی ہے. قرآن مجید میں اکثر مقامات پر موجود ہے کہ ظالم اور فاسق کو ہدایت نہیں دیتا. اس کا یہی مطلب ہے کہ ظالم اور فاسق کفر اور شرک کے ساتھ اپنی فطری صحیح استعداد کو ضائع کر دیتے ہیں. تو اللہ تعالیٰ ان کو راہ حق پر چلنے کی توفیق نہیں دیتے. قرآن مجید میں ظالم اور فاسق سے کافر مراد ہیں. یہ معنی نہیں کہ ان کو حق و باطل کے بارے میں بالکل نہیں بتایا بلکہ ان کو عقل و شعور دیا انبیاء بھیجے. حق اور باطل کھول کھول کر بیان کر دیا. اس کے بعد بھی وہ لوگ کفر اور شرک پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے توفیق سلب کر لی. اس سلب توفیق سے تعبیر عدم ہدایت کیساتھ کی.

تعارض: 153 سورة القصص

آیت 63

قال الذین حق علیهم القول ربنا هولاء الذین اغوینا اغویناهم کما غوینا تبرأنا الیك ما کانوا ایانا یعبدون. جن پر خدا کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بے شک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے ان کو ویسا ہی بہکایا جیسا ہم خود بہکے تھے. اور ہم آپ کی پیشی میں ان سے دست برداری کرتے ہیں یہ لوگ ہم کو نہ پوجتے تھے.

آیت کے اول اور آخر میں تعارض ہے اغوینا سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین اپنے تبعین کو گمراہ کرنے کا اقرار کرتے ہیں لیکن ما کانوا ایانا یعبدون سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار کر دیں گے.

تطبیق: شیاطین اپنے تبعین کو اغواء کرنے کے منکر نہیں بلکہ اقرار کرتے ہیں انکار

کا مطلب یہ ہے کہ ان کی گمراہی میں صرف ہماری غلط دعوت شامل نہیں بلکہ ان کی اپنی خواہش کا بھی دخل ہے ہم نے ان کو غلط راستے کی دعوت دی یہ اپنے اختیار اور خواہش سے اس پر چل پڑے کما اغوینا سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین نے تبعین کی گمراہی کو اپنی گمراہی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ہم اپنی خواہش اور اختیار سے گمراہ ہوئے ہیں بالکل اس طرح ہمارے تبعین کی گمراہی ہے ما کانوا ایانا یعبدون کا مطلب یہ ہے کہ صرف ہماری ہی پوجا نہیں کی بلکہ ہماری پوجا میں ان کی خواہش بھی شامل ہے. نفی اپنی پوجا کی نہیں بلکہ صرف اپنے اختیار کی نفی ہے کہ ہمارا ان تبعین پر زور نہیں چلتا تھا. مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں.

یہ لوگ درحقیقت بالتخصیص محض ہم کو ہی نہ پوجتے تھے. اس عبارت کا وہی مطلب نکلتا ہے جو اوپر بیان ہوا. علامہ زمخشری فرماتے ہیں (ما کانوا ایانا یعبدون) انما کانوا یعبدون) اهواء هم ویطیعون شهواتهم. یہ لوگ اپنی خواہشات اور شہوات کی عبادت اور اطاعت کرتے تھے. (الکشاف ج 3 ص 426)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں ای ما کانوا یعبدوننا انما کانوا یعبدون فی نفس الامر والحال اهوائهم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ نفس الامر میں اپنی خواہشات کی عبادت کرتے تھے. (روح المعانی ج 10 ص 150)

تعارض: 154 سورة العنكبوت

آیت 24

فما کان جواب قومه الا ان قالوا اقتلوه او حرقوه. سو ان کی قوم کو جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلا دو.

اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل یا جلانے کا ذکر ہے جبکہ دوسری آیت

http://mujahid.xtgem.com

میں صرف حرقوہ مذکور ہے.ارشاد ہے قالوا حرقوہ .وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کو آگ میں جلادو.(الانبیاء آیت 68)

تطبیق: الشیخ احمد الصاوی فرماتے ہیں ان ماھھنا حکایۃ عن اصل تشاورھم وما فی الانبیاء عن عزمھم وتصمیمھم علی مافعلوہ .عنکبوت میں صرف ابراہیم کے مشورے کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کریں یا جلادیں اورالانبیاء میں ان کے عزم مصمم کا ذکر ہے.کہ آخری فیصلہ کیا کہ جلاڈالو.(حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج 3 ص 234)

امام قرطبی فرماتے ہیں.ثم اتفقوا علی تحریقه .پھرحضرت ابراہیم علیہ السلام کوجلانے پرمتفق ہوگئے.(تفسیر قرطبی ج 13 ص 338).دونوں باتوں کے مشورہ کے بعد اس کے جلانے پراتفاق کیا.

تعارض: 155 سورۃ العنکبوت

آیت 27

وجعلنا فی ذریته النبوۃ والکتاب .اورہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اور کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا خاصہ ہے.لیکن سورۃ الحدید میں ارشاد باری ہے.ولقد ارسلنا نوحا وابراھیم وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب .اورہم نے نوح اورابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اورہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی.(آیت 26)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت اور کتاب حضرت ابراہیم کی اولاد کا خاصہ نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں بھی یہ دونوں چیزیں جاری رہیں.

تطبیق: حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رہا.حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس آیت میں صرف حضرت ابراہیم کی اولاد کا ذکر ہے.

حضرت ابراہیم کا ذکر اس لئے ہوا کہ ان کے بعد صرف ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب قائم رہی یہ معنی نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں یہ دونوں سلسلے نہیں تھے ابن الجوزی فرماتے ہیں.وذلك ان الله تعالى لم يبعث نبيا بعدابراهيم الامن صلبه (زادالمسیر ج 6 ص 268)

جلالین میں ہے فکل الانبیاء بعدابراھیم من ذریته (ص 337)

ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء ان کی اولاد میں تھے.اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے اوران سے قبل کا ذکر سورۃ الحدید کی آیت میں ہے.

تعارض: 156 سورۃ الروم

آیت 45

لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصالحات من فضله .جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزادے گا جو ایمان لائے اورانہوں نے اچھے عمل کئے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جزا اور جنت اللہ کے فضل سے ملے گی.ایمان اورعمل کے بدلے نہیں ملے گی لیکن اکثر نصوص میں جنت کے داخلہ کو ایمان اورعمل پر موقوف کیا ہے.ارشاد ہے ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات لھم جنت تجری من

http://mujahid.xtgem.com

تحتہا الانہر. بے شک جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے نیک عمل کیے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی.(سورۃ البروج آیت 11)

ایک اورارشاد باری ہے ونودوان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعلمون .اوران سے پکارکرکہا جاویگا کہ یہ جنت تم کودی گئی ہی تمہارے اعمال کے بدلے(سورۃ الاعراف آیت 43)

اس آیت سے صراحۃ معلوم ہوا کہ جنت اعمال کا بدلہ ہے.حدیث میں بھی آتا ہی کہ کسی کا عمل اس کو جنت میں داخل نہیں کرسکتا پوچھا گیا اورآپ یارسول اللہ فرمایا مجھے بھی جب اللہ کی رحمت اپنے فضل میں ڈھانپ لے.

تطبیق: درحقیقت انسان اللہ تعالی کے فضل سے جنت میں داخل ہوگا.نیک عمل صرف اس کی ایک نشانی اورعلامت ہے.شیخ الہند مولانا محمودحسن ایک مثال کے ذریعہ تطبیق فرماتے ہیں مثال دینے کے بعد فرماتے ہیں گاڑی تورحمت الہیہ کے زور سے چلتی ہے عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پرچلاتے ہیں اورروکتے ہیں.(تفسیر عثمانی ص 21)

دیکھنے والاسمجھتا ہے کہ ریل گاڑی کے گارڈ کی ہری جھنڈی سے گاڑی چل پڑی اورسرخ جھنڈی سے رک گئی.لیکن گاڑی کا چلنا اوررکنا اصل میں انجن کی وجہ سے ہوتا ہے.اسی طرح جنت میں اللہ کے فضل سے جائے گا اورنیک عمل اس کے لئے ہری جھنڈی کی طرح ایک علامت ہے دوزخ میں اللہ کے غضب کی وجہ سے جائے گالیکن براعمل سرخ جھنڈی کی ایک نشانی ہے.

احقر کے ذہن میں آیات کے مابین تطبیق کے لئے یہ توجیہ آئی کہ تعارض اس لئے نہیں کہ نیک عمل کی توفیق اللہ تعالی دیتا ہے.اورتوفیق اس کا فضل ہے اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنت میں داخلہ اللہ کے فضل اورنیک اعمال کی وجہ سے ہوا.بعد میں دیکھا

توامام نیشاپوری نے بعینہ یہ لکھاتھا فرماتے ہیں.لما کان الموفق للعمل الصالح ھو اللہ تعالیٰ کان دخول الجنۃ ذلک بفضلہ وجعل العمل امارۃ علی ذلک.نیک عمل کی توفیق اللہ دیتا ہے تودخول جنت اس کے فضل سے ہوااورنیک عمل دخول جنت کی ایک نشانی ہے.(غرائب القرآن تفسیر طبری ج 8 ص 96)

امام رازی نے بھی اشکال ذکرکرنے کے بعد لکھا ہے.ان العمل لایوجب دخول الجنۃ لذاتہ وانما یوجبہ لاجل ان اللہ تعالیٰ بفضلہ جعلہ علامۃ علیہ ومعرفۃلہ.عمل بالذات موجب داخلہ جنت نہیں صرف دخول جنت کی علامت ہے فرماتے ہیں وایضا لما کان الموفق للعمل الصالح ھو اللہ تعالیٰ کان دخول الجنۃ فی الحقیقۃ لیس الابفضل اللہ.عمل کی توفیق اللہ دیتا ہے تودخول جنت حقیقت میں اللہ کے فضل سے ہے.(تفسیر کبیر ج 14 ص 82)

تعارض: 157 سورۃ الاحزاب

آیت 6

وازواجہ امھاتھم اورآپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں.اس آیت میں اس بات کاذکر ہے کہ ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں.لیکن ایک مقام پرارشاد ہے جواس کے معارض ہے ان امھاتھم الاالّئی ولدنھم ان کی مائیں تووہی ہیں جنہوں نے ان کوجنا ہے.(سورۃ المجادلۃ آیت 2)

تطبیق: مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں ازواج کاامہات ہونا باعتبارتعظیم ہے.(بیان القرآن ج 9 ص 36)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں تشبیہ لھن بالامھات فی بعض الاحکام وھو وجوب تعظیمھن واحترامھن وتحریم نکاحھن وھن فی ماوراء

http://mujahid.xtgem.com

ذلك الاجنبيات (الكشاف ج 3 ص 523) بعض احکام کے لحاظ سے ازواج مطہرات کو ماؤں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تعظیم، احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں. ان احکام کے علاوہ ان کا حکم اجنبی عورتوں کی طرح ہے.

ابن الجوزی فرماتے ہیں وازواجه امهاتهم ای فی تحریم نكاحهن على التابيد ووجوب اجلالهن وتعظيمهن ولا تجرى عليهن احكام الامهات فی کل شيء اذلو كان كذلك لما جاز لاحدان يتزوج بناتهن ولورثن المسلمين ولجازت الخلوة بهن (زادالمسیر ج 6 ص 353) ہمیشہ کیلئے حرمت نکاح اور تعظیم کے لحاظ سے مائیں ہیں ہر اعتبار سے مائیں نہیں ورنہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ کسی کا نکاح جائز نہ ہوتا اور تمام مسلمان ان کے وارث ہوتے

لما كانت شفقتهن عليهم كشفقة الامهات انزلن منزلة الامهات (قرطبی ج 14 ص 123)

جب ازواج مطہرات کی شفقت امت پر حقیقی ماؤں جیسی تھی تو اللہ تعالی نے ان کو بمنزلہ ماں کے قرار دے دیا.

تعارض: 158 سورة السبا

آیت ۱۷

وهل نجزی الا الكفور. اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں. اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کافر کے سوا کسی کو سزا نہیں دیتے حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان گناہگاروں کو بھی سزا ان کے عمل کے مطابق دی جائے گی ارشاد باری ہے. ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره. اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے

گا وہ اس کو دیکھ لے گا

تطبیق: کافر اور مؤمن دونوں کو جزا ملے گی لیکن دونوں کی جزا میں فرق ہے کافر کو جزا جو دی جاتی ہے وہ عقاب ہے اور هل نجزی میں بھی عقاب مراد ہے علامہ زمخشری فرماتے ہیں. وهل نجازى الا الكفور بمعنى وهل يعاقب وهو الوجه الصحيح. مزید لکھتے ہیں کہ جزاء کافر اور مؤمن دونوں کو ہوتی ہے لیکن یہاں جزاء سے خاص عقاب مراد ہے. فرماتے ہیں لانه لم يرد الجزاء العام وانما اراد الخاص وهو العقاب (الکشاف ج 3 ص 576)

مؤمن اور کافر کی جزا میں یہ فرق ہے کہ کافر کو تو حقیقتاً گناہ کی سزا ملتی ہے تا کہ اس کو صرف تکلیف پہنچے لیکن مؤمن کو گناہ بدلہ جو ملتا ہے اس کا مقصد صرف تکلیف پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ مؤمن کی تطہیر مقصود ہوتی ہے. علامہ آلوسی فرماتے ہیں ای ما نجازی مثل هذا الجزاء الشديد المستاصل الا المبالغ فى الكفور او الكفر فلا يتوجه على الحصر اشكال ان المؤمن قد يعاقب فى العاجل وفى الكشف لا يراد ان المؤمن ايضا يعاقب فانه ليس بعقاب على الحقيقة بل تمحيص. ایسی سخت سزا صرف کافر کو دی جاتی ہے لہذا حصر پر اشکال نہیں کہ کبھی مؤمن کو بھی علی الفور سزا ملتی ہے اور کشف میں ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ مؤمن کو بھی سزا ملتی ہے وہ حقیقت میں سزا نہیں بلکہ مؤمن کی تطہیر ہے. (روح المعانی ج 22 ص 128)

ابن جریر طبری فرماتے ہیں ان المجازاة فی هذا الموضع المكافاة مجازاۃ سے مراد یہاں پورا پورا بدلہ دینا ہے. آگے فرماتے ہیں والمكافاة لاهل الكبائر والكفر. مکافاۃ عمل صرف اہل کبیرہ والوں اور کفار کے لئے ہے والجزاء لاهل الايمان مع التفضل. اور اہل ایمان کو صرف جزا ملتی ہے (تفسیر طبری ج 22

http://mujahid.xtgem.com

ص82 مفسرین جزاء اورمجازاۃ میں فرق بھی کرتے ہیں ابوحیان فرماتے ہیں اکثرما یستعمل الجزاء فی الخیر والمجازاۃ فی الشر لکن فی تقییدھما قدیقع کل واحدمنھما موقع الاخر .جزاء کا اکثر استعمال خیر میں ہوتا ہے اورمجازاۃ کا شر میں لیکن ان کومقید کیا جائے توایک دوسرے کی جگہ ان کااستعمال درست ہے.(البحرالمحیط ج 7 ص 271) ابوحیان کے مذکورہ قول کے مطابق نجزی مجازاۃ کی تخصیص صرف کفار کے ساتھ ہے.

اگرکسی مؤمن عاصی کواللہ عذاب تطہیر دیں تو وہ اس کے آیت منافی نہیں.

تعارض: 159 سورۃ السبا

آیت 41

بل کانوایعبدون الجن اکثرھم بھم مؤمنون. بلکہ یہ لوگ شیاطین کو پوجا کرتے ہیں ان میں اکثرلوگ انھیں کے معتقد تھے.

کانوایعبدون سے معلوم ہوتا ہے سب شیاطین کے معتقد تھے لیکن آخر میں ذکر ہوا کہ اکثر معتقد تھے نہ کہ کل.

تطبیق: قاضی بیضاوی فرماتے ہیں اکثرھم بھم مؤمنون الضمیر الاول للانس او المشرکین والاکثر بمعنی الکل والثانی للجن .اکثر بمعنی کل ہے.(بیضاوی ص 571)

جب اکثر کل کے معنی میں ہوا اکثر کے ساتھ تعارض نہ رہا.علامہ آلوسی فرماتے ہیں انھم لم یدعوا الاحاطۃ اذیکون فی الکفار من لم یطلع اللہ تعالیٰ الملائکۃ علیھم السلام علیھم . ملائکہ اس بات کے مدعی نہ تھے کہ سب مشرکین اور کفار جنات کے معتقدین ہیں اس لئے کہ ایسے کفار بھی تھے جن کی حالت پر اللہ تعالیٰ

نے ملائکہ کو مطلع نہیں کیا تھا اور انھم حکموا علی الاکثر بایمانھم بالجن لان الایمان من اعمال القلب فلم یذکروا الاطلاع علی عمل جمیع قلوبھم لان ذلک اللہ عزوجل .فرشتوں نے اکثرھم اس لئے کہ ایمان قلبی چیز ہے قلوب کی اطلاع صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتی ہے لہذا سب کفار پر معتقد ہونے کا حکم نہیں لگایا.(روح المعانی ج 11 ص 222) .یا اکثرھم بھم میں ھم کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے معنی یہ ہوگا کہ ان کفار میں اکثر کا عقیدہ ملائکہ کے بارے میں یہ ہے کہ یہ بنات اللہ ہیں.علامہ آلوسی فرماتے ہیں .وقیل مصدقون انھم بنات اللہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں.

یعبدون میں ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہوئی اور بھم میں ملائکہ کی طرف اس طرح کوئی تعارض نہیں کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ سب مشرک جنات کی عبادت کرتے تھے اور اکثرمشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں.

تعارض: 160 سورۃ فاطر

آیت 3

ھل من خالق غیراللہ .کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیراللہ خالق ہو سکتا ہے.ارشادربانی ہے.فتبرک اللہ احسن الخالقین سوکیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے (سورۃ المؤمنون آیت 14)

اس آیت میں خالقین جمع ذکر کیا اور سب سے بہتر اصلہ التقدیر المستقیم ویستعمل فی ابداع الشیء من غیراصل و لا احتذاء.خلق کا معنی ہے کہ صحیح صحیح اندازہ لگانا اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جب کسی شی کو بغیراصل اور نمونہ کے

http://mujahid.xtgem.com

بنایا جائے۔لوگوں کیلئے لفظ خلق کا استعمال دو معنوں میں ہوسکتا ہے۔ احدھما فی معنی التقدیر و الثانی فی الکذب کقوله و تخلقون افکاً.

(۱) اندازہ لگانا.

(۲) جھوٹ بنانا اگر کوئی کہے کہ احسن الخالقین میں غیر اللہ خلق کیساتھ موصوف ہوا ہے تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ معناہ احسن المقدرین۔سب سے بہتر اندازہ کرنے والا۔ یا خالقین کا ذکر اس لئے ہوا کہ مخاطبین کا خیال تھا کہ غیر اللہ بھی اللہ تعالیٰ کیطرح تخلیق کرسکتا ہے تو ان کے اعتقاد کے مطابق کہا کہ سب سے بہتر موجد اور خالق اللہ ہے۔(مفردات القرآن 157)ابن الجوزی فرماتے ہیں۔فان قیل کیف الجمع بین قوله احسن الخالقین وقوله هل من خالق غیر اللہ فالجواب ان الخلق یکون بمعنی التقدیر فهذا المراد هاهنا ان ابن آدم قد یصورون ویقدرون یصنعون الشئ فاللہ خیر المصورین و المقدرین آیات کے مابین تعارض کو دور کرنے کیلئے جواب یہ ہوگا کہ یہاں خلق بمعنی اندازہ کرنے کے ہے ابن آدم بھی تصویر اندازہ کر کے بناتا ہے چیزیں بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے بہتر مصور اور اندازہ کرنے والا ہے۔اخفش فرماتے ہیں خالقین سے یہاں صانعین مراد ہیں۔سب سے بہتر صناع ہے۔(زاد المسیر ج5 ص64`463)

امام قرطبی فرماتے ہیں اتقن الصانعین یقال لمن صنع شیئا خلقه۔سب سے مضبوط صانع جب کوئی کوئی چیز بنائے تو اس کو کہتے ہیں خلقه۔فرماتے ہیں ولا تنفی اللفظة عن البشر فی معنی الصنع۔صنع کے معنی میں خلق کا اطلاق بشر پر ہوسکتا ہے وانما هی منفیة بمعنی الاختراع و الایجاد من العدم۔اختراع اور کسی شی کو عدم سے وجود میں لانے کے معنی میں غیر اللہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔(قرطبی ج12 ص110)

تعارض: 161 سورۃ فاطر

آیت 24

انا ارسلنٰك بالحق بشیراً و نذیراً ہم ہی نے آپ کو حق دیکر خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپؐ بشیر اور نذیر تھے لیکن اس سے قبل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ صرف نذیر تھے ارشاد باری ہے ان انت الا نذیر آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔۔

تطبیق: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں پس اس حصر سے یا تو بشیر کی نفی اصلاً مقصود نہ ہو بلکہ مقصود آپکے مسئول عنہ ہونے کی نفی ہو کما قال تعالیٰ ولا تسئل عن اصحاب الجحیم اور یا بشیر کی نفی باعتبار کفار کے ہو۔(بیان القرآن (ج9 ص97)

تعارض: 162 سورۃ یٰسٓ

آیت 51

ونفخ فی الصور فاذاهم من الاجداث الی ربهم ینسلون۔اور صور پھونکا جائے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے اپنے رب کیطرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔

اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب دوسری بار صور پھونکا جائے تو سب زندہ ہوکر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے یہی مفہوم سورۃ المعارج میں بھی ہے۔یوم یخرجون من الاجداث سراعا کانهم الی نصب یوفضون۔ جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر دوڑتے جاتے ہیں۔(آیت ۴۳ سورۃ المعارج) لیکن سورۃ الزمر میں ارشاد باری ہے ثم نفخ فیه اخری فاذاهم قیام ینظرون۔پھر پھونکی

http://mujahid.xtgem.com

جائے دوسری بار تو فوراً وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے پہلی آیت میں ہے دوڑے گے اور دوسری آیت میں ہے ان کھڑے ہوں گے دونوں میں تعارض ہے الکشاف وغیرہ میں ہے کہ یہ دونوں کام نفخہ ثانیہ میں ہوں گے۔

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں ولا منافاة بین هاذه الآية وقوله تعالى فاذاهم قيام ينظرون لجواز اجتماع القيام والنظر والمشى ونقارب زمان القيام والنظرين وزمان الاسراع في المشى (روح المعانی ج 23 ص 32)

ان آیات میں تعارض نہیں کیونکہ قیام نظر اور مشی ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں یا زمانہ قیام اور دوڑنے کے زمانے میں بہت کم وقفہ ہے یوں معلوم ہوگا جیسے سب ایک ہی وقت میں ہوا علامہ آلوسی کی پہلی توجیہ میں اللہ اشکال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ قیام اور مشی دونوں جمع ہو جائیں کیونکہ قیام میں سکون ہے اور مشی میں حرکت تو حرکت اور سکون کیسے جمع ہو سکتے ہیں یہ اشکال امام رازی کی توجیہ سے حل ہو جاتا ہے فرماتے ہیں ان القيام لاينافي المشى السريع لان الماشي قائم ولاينافي النظر۔ قیام تیز دوڑنے کے معارض نہیں کیونکہ چلنے والا قائم ہوتا ہے اور دوڑتے ہوئے آدمی ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے تو دوڑنا قیام اور دیکھنا سب ایک ساتھ جمع ہو گئے احقر کے خیال میں تیز چلنے کی قسمیں بن جائیں گے بیٹھے بیٹھے تیز چلنا کھڑے کھڑے چلنا اور دیکھتے ہوئے تیز چلنا آج کل دنیا کے اندر فوجی مشقوں میں ان تینوں کی عملی مثالیں موجود ہیں امام رازی دوسرا جواب دیتے ہیں ان السرعة مجتمعى الامور كان الكل في زمان واحد (تفسیر کبیر ج ۲۴ ص ۸۸) اور جلدی کا مطلب یہ ہے سب امور سب کو پیش آئیں گویا سب ایک زمانہ میں ہیں یعنی قبروں سے اٹھنا کھڑا ہونا دوڑنا اور ادھر ادھر دیکھنا ایسے امور ہیں۔

گویا عرفا ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب امور ایک زمانہ اور وقت میں

ہوئے جیسے کسی میدان میں مختلف کھیلوں کے لئے ایک گھنٹہ مقرر کیا جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب کھیل ایک وقت میں کھیلے گئے حضرت اقدس تھانوی فرماتے ہیں اور یہاں نفخہ ثانیہ کے وقت ینسلون فرمایا اور جگہ ارشاد ہے فاذا هم قيام ينظرون سو ممکن ہے کہ اول وہلہ میں حیرت زدہ کھڑے رہیں پھر فرشتوں کے ہانکنے سے دوڑنا شروع کر دیں (بیان القرآن ج 9 ص 115)۔

تعارض: 163 سورة یٰس

آیت 28

وما انزلنا على قومه من بعده من جند من السماء وما كنا منزلين. اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی ضرورت تھی۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول کبھی ہوا ہے نہ اس کی ضرورت تھی حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول ہوا ہے۔ جیسے بدر کے موقع پر۔ ارشاد خداوندی ہے اذتقول للمؤمنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة الاف من الملائكة منزلين۔ جبکہ آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جاویں گے (سورۃ آل عمران)

تطبیق: ابن الجوزی وما کنا منزلین کا ایک معنی بیان کرتے ھیں۔ وقیل المعنى ما بعثنا اليهم بعده نبيا ولا انزلنا عليهم رسالة ہم نے اس کے بعد اس قوم کی طرف نبی اور رسالت نہیں بھیجی (زاد المسیر ج 7 ص 14)

اس تفسیر کی بنا پر عدم انزال سے عدم نزول ملائکہ نہیں بلکہ عدم ارسال رسل ہے اس تفسیر کے مطابق کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

http://mujahid.xtgem.com

علامہ آلوسی فرماتے ہیں یجوز ان تکون ما زائدۃ ای وقد کنا منزلین علی غیرھم جندمن السماء ۔ ما زائدہ ہو اور معنی یہ ہو کہ ان کے علاوہ دیگر قوموں پر ہم آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتار چکے ہیں۔(روح المعانی ج 23 ص 2)

امام رازی فرماتے ہیں کہ ہم (اللہ) انزال جند کے محتاج ہیں بلکہ اس کے بغیر بھی ان کو ہلاک کر سکتے ہیں۔(تفسیر کبیر ج 26 ص 62)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قوم کی ہلاکت کے لئے ہم کسی جند کے محتاج نہیں اس لئے کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے ایک فرشتہ صرف اپنا پر ہلا دے تو وہ بھی کافی ہے یہ مطلب نہیں کہ کسی اور غرض کے لئے بھی اللہ فرشتوں کو آسمانوں سے نازل نہ فرمائیں گے۔ بلکہ حضور کی تکریم اور تسکین قلب کے لئے نزول ہوا ہے ارشاد باری ہے وما جعلہ اللہ الا بشری ولتطمئن بہ قلوبکم۔

اسی لئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں وما کنا منزلین پر نزول ملائکہ یوم بدر لقتال الکفار سے شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ اس سے مقصود نفی احتیاج ہے نہ یہ کہ دوسری حکمتوں سے بھی نزول نہ ہوگا۔ پس ممکن ہے کہ قصہ ہذا میں کوئی حکمت مقتضی نزول ملائکہ کو نہ ہو اور بدر میں ہو۔(بیان القرآن ج 9 ص 109)

تعارض: 164 سورۃ والصفت

آیت 41

اولئک لھم رزق معلوم ان کے واسطے ایسی غذائیں ہیں جن کا حال معلوم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رزق معلوم ہے اور یرزقون فیھا بغیر حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کیونکہ بلا حساب ملے گا۔

تطبیق: الشیخ احمد الصاوی فرماتے ہیں (لھم رزق معلوم) ای اوقاتہ

وصفاتہ فلا ینافی آیۃ یرزقون فیھا بغیر حساب فان المراد غیر معلوم المقدار۔(رزق معلوم کا مطلب یہ ہے کہ رزق کے اوقات اور صفات معلوم ہوں گے اور مقدار غیر معلوم ہے۔(حاشیۃ الصاوی ج 3 ص 337)

ایک آیت میں ہے ولھم رزقھم فیھا بکرۃ وعشیا یعنی صبح اور شام رزق ملے گا۔

علامہ زمخشری نے ایک قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں وعن قتادۃ الرزق المعلوم الجنۃ ۔ رزق معلوم سے مراد جنت ہے(الکشاف ج 4 ص 42)اس قول کے بنا پر کوئی تعارض نہیں کیونکہ رزق معلوم سے مراد جنت ہوگی اور یرزقون سے مراد کھانے پینے کی اشیاء۔

تعارض: 165 سورۃ الزمر

آیت 53

قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندوں جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسرفین اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے لیکن ایک مقام پر ارشاد باری ہے مسرفین کی ناامیدی تو درکنار وہ تو دوزخ والے ہیں وان المسرفین اصحاب النار اور جو لوگ دائرہ سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے (سورۃ المؤمن آیت 43)

تطبیق: اسراف کہتے ہیں حد سے گزرنے والے کو کبھی آدمی گناہ کرتا ہے لیکن کفر کی حدود تک نہیں پہنچتا کبھی گناہوں کیساتھ کفر کی حدود تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے اسرفوا علی انفسھم میں صرف گناہ کبیرہ مراد ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں انہ اراد

http://mujahid.xtgem.com

بالاسراف الکبائر یا اسراف سے کفر اور معاصی دونوں مراد ہیں. لیکن پھر آیت میں ایمان اور توبہ کی شرط لگانی ضروری ہے اور یہ قید اجماعا مراد ہے. فرماتے ہیں اذا امنتم وتبتم عن الشرک وھذا القید ثابت بالاجماع. جب آدمی ایمان لائے اور توبہ کرے تو اللہ سے ناامید نہ ہو. (مظہری ج 8 ص 222) اوران المسرفین کی تفسیر میں فرماتے ہیں فی الضلالۃ الطغیان بالاشراك (مظہری ج 8 ص 260).

جب شرک کی وجہ سے گمراہ اور سرکش بن جائے ظاہر بات ہے کہ شرک کی حدوں کو چھونے والا دوزخ ہی میں جائے گا.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں وعن قتادۃ المشرکین (الکشاف ج 4 ص 170) ان المسرفین میں مسرفین سے مراد مشرکین ہیں. اور اسرفوا علی انفسھم کی تفسیر میں فرماتے ہیں. جنوا علیھا باسراف المعاصی والغلو فیھما. اپنی جانوں پر معاصی کی وجہ سے زیادتی کی ہو یعنی مسلمان گناہگار ہو (ج 4 ص 135)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں. یا عبادی الذین میں تمام انسانوں کو دعوت توبہ ورجوع دی ہے کافر ہو یا مسلمان خواہ کس درجہ کا مجرم ہو توبہ کرے اور ناامید نہ بنے.

ھذہ الآیۃ دعوۃ لجمیع العصاۃ من الکفرۃ وغیرھم الی التوبۃ والانابۃ. (ابن کثیر ج 6 ص 100) ہر قسم کا گناہ گار کافر یا غیر کافر سب کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت ہے.

تعارض: 166 سورۃ الزمر

آیت 68

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ.

اور صور میں پھونک ماری جاوے گی سو تمام آسمان وزمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے.

جلالین میں صعق کا معنی مات سے کیا ہے یعنی سب مرجاویں گے. استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نہیں مریں گے حالانکہ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موت بلا استثناء سب کے لئے ہے ارشاد باری ہے کل نفس ذائقۃ الموت ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا. (الانبیاء آیت 35)

تطبیق: موت کا قانون ہر ذی روح کے لئے ہے موت سب پر واقع ہوگی استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ بعض افراد موت سے بچ جائیں گے بلکہ آیت میں نفخہ اولی کا ذکر ہے کہ اس وقت سب مرجاویں گے بجز جبرئیل' میکائیل' اسرافیل وملک الموت اور حاملان عرش کے. اس کے بعد یہ سب مرجائیں گے. بغیر اژ نفخہ کے صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی جیسے ارشاد ہے کل شیء ھالك الا وجھہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے (عنکبوت).

لہذا استثناء ایک خاص وقت کیلئے ہے. موت اور فنا کے قانون سے بجز ذات باری تعالی کے کوئی مستثنی نہیں.

تعارض: 167 سورۃ المومن

آیت 7

ویستغفرون للذین آمنوا. اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں. اس آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ حاملین عرش صرف مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے ہیں. لیکن سورۃ الشوری کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اہل زمین کے لئے استغفار کرتے ہیں. ارشاد ہے. ویستغفرون لمن فی

http://mujahid.xtgem.com

الارض اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔ (آیت ۵)

تطبیق: ابن کثیر فرماتے ہیں یستغفرون للذین آمنوا ای من اھل الارض ممن آمنو اہل زمین سے جو مؤمن ہو صرف اس کے لئے مغفرت مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ج6 ص 124)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں یستغفرون لمن فی الارض یدل علی جنسیة اھل الارض وھذہ الجنسیة قائمة فی کلھم وفی بعضھم فیجوز ان یرادبه ھذا وھذا (الکشاف ج4 ص 209)

من فی الارض کی دلالت جنس اہل الارض پر ہے اور یہ جنسیت کل اور بعض کو شامل ہے تو یہ جائز ہے کہ اس جنسیت سے بعض مراد لیں اور بعض مراد لیں گویا من فی الارض سے سب مراد نہیں۔ بلکہ صرف مؤمن مراد ہے۔ یا آیت میں تخصیص نہیں بلکہ اپنے عموم پر ہے اس کا معنی یہ ہوگا۔ طلب الحلم والغفران حلم اور غفران طلب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں والمراد الحلم عنهم وان لا یعالجھم بالانتقام فیکون عاما ان کے بارے میں صبر سے کام لے اور انتقام میں جلدی نہ کر۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔ فلفظ هذه الآية عام و معناها خاص ویدل علی التخصیص ویستغفرون للذین آمنوا (زادالمسیر ج 7 ص 272) من فی الارض تو عام ہے لیکن مراد خاص ہے کیونکہ آیت میں ہے کہ مؤمنین کے لئے مغفرت مانگتے ہیں امام قرطبی نے ایک اور قول نقل کیا ہے کہ حاملین عرش صرف مؤمنین کے لئے دعا مانگتے ہیں اور من فی الارض کے لئے اور فرشتے مقرر ہیں جو تمام زمین والوں کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ وللہ ملائکة اخر یستغفرون لمن فی الارض (قرطبی ج16 ص5)

تعارض: 168 سورۃ المؤمن

آیت 68

فاذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون۔ پھر جب وہ کسی کام کا پورا کرنا چاہتا ہے سو بس اس کی نسبت فرمادیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اشیاء کی تخلیق دفعی ہے یکدم شی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء کی تخلیق تدریجی بھی ہے۔ مثلا ارشاد ربانی ہے خلق الارض فی یومین زمین کو دو روز میں پیدا کیا۔ ایک اور ارشاد ہے فقضھن سبع سموات فی یومین۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے۔ (سورۃ حٰم السجدۃ آیت 12)

تطبیق: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں اور اس سے تخلیق تدریجی کی نفی نہ سمجھ لی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا قادر ہے کہ اگر کسی چیز کو دفعۃ پیدا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے تو تدریجا تو بدرجہ اولی (بیان القرآن ج10 ص 46)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں اور تکون اشیاء میں گو اسباب میں تدریج بھی ہوتی ہے مگر افاضہ صورۃ نوعیہ کا دفعی ہے یا تدریجیات میں کن تدریجا حکم ہوتا ہے اور دفعیات میں کن دفعۃ (بیان القرآن ج9 ص118)

تعارض: 169 سورۃ المؤمن

آیت 72

یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون۔ ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے پانی میں لیجائیں گے پھر یہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل جہنم کو پہلے حمیم میں ڈالا جائیگا اس کے بعد جحیم یعنی جہنم میں۔ اس طرح بظاہر معلوم

http://mujahid.xtgem.com

ہوتا ہے کہ حمیم جہنم سے باہر کوئی جگہ ہے سورۃ صٰفٰت کی آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ثم ان مرجعهم لالى الجحيم اور پھر آخر ٹھکانا ان کا دوزخ ہی کی طرف ہوگا (آیت 68)

معنی یہ ہے کہ اہل جہنم کو حمیم پلانے کے لئے باہر لایا جائیگا پھر جہنم میں لوٹا دیا جائیگا لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیم جہنم میں ہے چنانچہ ارشاد باری ہے هذه جهنم التى يكذب بها المجرمون يطوفون بينها وبين حميم آن. یہ ہے وہ جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلاتے تھے وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے (سورۃ الرحمٰن آیت 44)

ایک اور ارشاد ہے خذوه فاعتلوه الى سواء الجحيم ثم صبوا فوق رأسه من عذاب الحميم. اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر کے اوپر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو. (سورۃ الدخان آیت 49) ایک اور ارشاد ہے وماهم بخارجين من النار اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا (سورۃ البقرۃ آیت 167) اسی طرح ایک اور آیت ہے وما هم عنها بغائبين اور پھر اس (دوزخ) سے باہر نہ ہوں گے (سورۃ الانفطار آیت 16)

تطبیق: جہنم کے بہت سے طبقات ہیں جن میں مختلف قسم کے عذاب ہوں گے ایک طبقہ حمیم ہے بوجہ ممتاز اور الگ ہونے کے اس کو جہنم سے خارج بھی کہا جا سکتا ہے اور اس بنا پر کہ جہنم کا ایک طبقہ ہے اس لئے اس کو جہنم ہی کہتے ہیں. حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں. يسحبونهم على وجوههم تارة الى الحميم وتارة الى الجحيم. چہروں کے بل اہل جہنم حمیم کی طرف کھینچا جائے گا اور کبھی جحیم کی طرف (تفسیر ابن کثیر ج 6 ص 156)

علامہ زمخشری حمیم کے بارے میں فرماتے ہیں وقيل ان واديا من اودية جهنم يجتمع فيه صديد اهل النار فينطلق بهم فى اغلال فيغمسون فيه حتى تنخلع اوصالهم حميم جهنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جو اہل نار کے پیپ سے بھری ہوگی اہل النار کو جکڑ کر اس میں غوطہ دیا جائیگا. (الکشاف ج 4 ص 451)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں احقر کو آیات میں غور کرنے سے ظنا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ میں انواع انواع عذاب ہوں گے کبھی کچھ کبھی کچھ ان میں سے حمیم اور جحیم بھی ہے پس دونوں کا سلسلہ برابر جاری رہے گا. پس ہر نوع باعتبار ایک فرد کے دوسری نوع سے مقدم بھی ہے اور باعتبار دوسرے فرد کے اس سے مؤخر بھی ہے.

کبھی ہے اور دوزخ کا اطلاق کبھی حمیم کے مقابل پر آتا ہے کبھی حمیم سے عام مفہوم پر کیونکہ حمیم کا حمیم ہونا خود اسی نار کا اثر ہے پس اس سے ملابست عین ملابست بالنار ہے معنی اول کے اعتبار سے حمیم کو خارج از جحیم کہہ سکتے ہیں اور معنی ثانی کے اعتبار سے عدم خروج من النار کا حکم صحیح رہتا ہے اس تقریر پر تمام آیتیں جمع ہو گئیں. (بیان القرآن ج 10 ص 48)

تعارض: 170 سورۃ المؤمن
آیت 74

قالوا ضلوا عنا وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سب سے غائب ہو گئے. (آیت 74)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء مشرکین سے آخرت میں غائب ہو جائیں گے لیکن بعض آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکاء ان کے ساتھ ہوں گے. ارشاد ہے انكم

http://mujahid.xtgem.com

وماتعبدون من دون الله حصب جهنم ۔ بلاشبہ تم اور جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوج رہے ہو سب جہنم میں جھونکے جاؤ گے۔(سورۃ الانبیاء آیت 98) اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء ان کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔

تطبیق: قاضی بیضاوی فرماتے ہیں وذلك قبل ان يقرن بهم الهتهم ۔ مشرکین کا قول ضلوا عنا اس وقت ہوگا جب یہ شرکاء کیساتھ ابھی یکجا نہ کئے گئے ہوں اوضاعوا عنا فلم نجدهم ماكنا نتوقع منهم یا غائب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شرکاء ہماری توقع پر پورے نہ اترے (بیضاوی ج 2 ص 262)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں قالو ا ضلوا عنا ای ذهبوا فلم ينفعونا شرکاء کھو گئے اب ان کا کوئی فائدہ نہیں۔(ابن کثیر ج 6 ص 155)

علامہ آلوسی فرمائے ہیں وهذا لاينافي مايشعر بان الهتهم مقرونون بهم في النار لان النار طبقات ولهم فيها مواقف فيجوز غيبتهم عنهم في بعضها واقترانهم بهم في بعض آخر ۔ جن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء اور مشرکین آگ میں یکجا ہوں گے ضلوا عنا ان کے منافی نہیں کیونکہ آگ کے طبقات ہیں جس میں ان کے مختلف مواقف ہیں تو ممکن ہے بعض مواقف میں شرکاء اور مشرکین یکجا اور بعض میں ایک دوسرے سے جدا ہوں۔

(۲) ويجوز ان يكون ضلالهم استعارة لعدم النفع فحضورهم كالعدم فذكر على حقيقة في موضع وعلى مجازه في آخر ۔ شرکاء کا مشرکین سے غائب ہونا ان کے بے کاری سے استعارہ ہو شرکاء کا موجود ہونا گویا کالعدم ہوتا ہے۔ ان کے یکجا ہونے میں کلام حقیقت پر مبنی ہے اور غائب ہونے میں کلام مجاز پر مبنی ہے۔(روح المعانی 242 ص 86)

تعارض: 171 سورة حم السجدة

آیت 5

وقالوا قلوبنا في اكنة مما تدعونا اليه ۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں۔ کفار کے اس قول کے نقل سے مقصود ان کی مذمت ہے جس سے ان کا باطل اور کاذب ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ بعض آیات میں خود ان چیزوں کا اثبات ہے جیسے ارشاد باری ہے وجعلنا على قلوبهم اكنة وفي آذانهم وقرا ۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ۔۔۔ ے ہیں۔(سورۃ الانعام آیت 25)

تطبیق: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال ر... طرح سورۃ بقرہ میں فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم ان کے دلوں پر مہر لگانے ... ذات کی طرف کی اس لئے کہ ہر چیز کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں ابی السعود فرماتے ... واسناد احداث تلك الحالة في قلوبهم الى الله تعالىٰ لاستناد جميع الحوادث عندنا من حيث الخلق اليه سبحانه وتعالىٰ۔ اور ان کے قلوب کی اس حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسلئے ہوئی ہے کہ ہمارے نزدیک تمام حوادث من حیث الخلق اللہ کی طرف منسوب ہیں۔(تفسیر ابی السعود ج 1 ص 30)

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں مقصود کفار کا ان اقوال سے فقدان مطلق استعداد کا تھا اور یہ باطل ہے اور مقصود حق تعالیٰ کا فقدان استعداد قریب من الفعل کا ہے اور یہ حق ہے دوسرے غرض ان کی اس کلام سے اخبار تھا اپنے عزم اصرار علی الکفر سے اور یہ مذموم اور شنیع ہے اور اسی اعتبار سے ہے کیونکہ کلام کا رد کرنا گا ہے

http://mujahid.xtgem.com

مدلول کے اعتبار سے نہیں ہوتا بلکہ غرض کے اعتبار سے ہوتا ہے۔(بیان القرآن ج10 ص51)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ کفار کا یہ کہنا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس سے غرض حضورؐ کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے آپ کو نا امید کرنا تھا فرماتے ہیں۔ قصدوا به اقناط النبی ﷺ عن الاجابة (روح المعانی ج1 ص391)

کفار کے اس غرض فاسد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو بطور مذمت ذکر فرمایا۔امام رازی فرماتے ہیں قالوا انا کنا کذلک لم یجز تکلیفنا و توجیه الامر والنهی علینا کفار نے یہ قول اس بنا پر کہا کہ ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہماری طرف امر اور نہی متوجہ کرنا اور ہمیں مکلف ٹھہرانا صحیح نہیں۔(تفسیر کبیر ج27 ص98) بالکل اپنے استعداد کی نفی کردی امام نیشاپوری فرماتے ہیں۔ وجه الجمع بینه وبین قوله وجعلنا علی قلوبهم اکنة ان یفقهوه وفی اذانهم وقرا وهو ان الذم انما یتوجه علی اعتقادهم انهم اذا کانوا کذلک لم یجز تکلیفهم ولا خطابهم بالامر والنهی ان آیات کے مابین توفیق اس طرح ہے کہ کفار کی مذمت ان کے اعتقاد پر ہوئی ان کا یہ خیال تھا کہ ہماری یہ حالت اس قابل نہیں کہ مکلف بن جائیں۔اور انهم قالوا ذلك علی سبیل الاستهزاء بالله نے ان کی مذمت اس لئے کی کہ کفار نے یہ بطور استہزاء کے کہا تھا۔(غرائب القرآن ج24 ص62 حاشیہ طبری)

تعارض: 172 سورۃ حٰم السجدۃ

آیت 47

قالوا اذنّٰك ما منا من شهيد۔ وہ کہیں گے ہم تو آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم

میں کوئی مدعی نہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین عقیدہ شرک سے بیزار ہو جائیں گے۔شرکاء کا انکار کردیں گے لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیزار نہ ہوں گے بلکہ ان کو پکاریں گے۔ارشاد ہے وقیل ادعوا شرکاء کم فدعوهم اور کہا جائے گا کہ اپنے ان شرکاء کو بلاؤ چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے۔(سورۃ القصص آیت 64)

تطبیق: شرک اور شرکاء کے انکار اور دوبارہ ان کو پکارنے میں کوئی منافاۃ نہیں کیونکہ یہ پکارنا بدحواسی اور حیرانی کی وجہ سے ہوگا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔فدعوهم لفرط الحيرة والافليس هناك طلب حقيقة للدعاء۔ انتہائی حیرانی کی وجہ سے پکاریں گے کیونکہ وہاں ان کے پکار کی کوئی حقیقت نہیں۔

۲: دعوهم لضرورة الامتثال علی ان هناك طلبا والغرض من طلب ذلك منهم تفضيحهم علی رؤس الاشهاد۔ ان کا یہ پکارنا امتثال امر کی وجہ سے ہوگا۔کیونکہ جب ان سے کہا جائے کہ شرکاء کو پکارو تو مشرکین پکاریں گے۔اور مقصد اس سے ان کا تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرنا ہوگا۔(روح المعانی ج20 ص101)

دفع تعارض کے لئے آیت کی یہ توجیہ بھی ہے کہ جملہ ما منا من شہید مشرکین کا قول نہیں بلکہ ان کے معبودین کا قول ہے۔

امام فراء فرماتے ہیں۔هذا من قول الآلهة التي كانوا يعبدونها في الدنيا قالوا اعلمناك ما منا من شهيد بما قالوا۔جن معبودان باطلہ کی دنیا میں عبادت کی تھی وہ عرض کریں گے کہ ہم مشرکین کے قول کا اقرار نہیں کرتے۔(معانی القرآن ج3 ص20)

فدعوهم مشرکین کا قول ہوا اور ما منا من شهيد شرکاء کا لہٰذا دونوں میں کوئی

http://mujahid.xtgem.com

تعارض نہیں.

تعارض: 173 سورۃ حٰم السجدۃ

آیت 49

لایسئم الانسان من دعاء الخیروان مسّہ الشر فیؤس قنوط .آدمی ترقی کی خواہش سے اس کا جی نہیں بھرتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب انسان کو شر پہنچتا ہے تو ناامید ہو جاتا ہے لیکن ایک آیت میں ہے کے ایسے وقت میں لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے ارشاد ہے واذامسّہ الشر فذو دعاء عریض .اور جب اس کو تکلیف پہنچی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے.(سورۃ حٰم السجدۃ 51)

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ شر کے وقت ناامید ہو جاتا ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شر کے وقت پرامید ہو جاتا ہے.

تطبیق: علامہ آلوسی فرماتے ہیں الحال الثانی شان بعض غیرالبعض الذی حکی عنہ الیاس والقنوط .پہلی آیت میں ایک انسان کی حالت کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں دوسرے انسان کی حالت کا ذکر ہے. اوشان الکل فی الکل فی بعض الاوقات یا انسان بعض اوقات پرامید ہو کر اللہ سے مانگتا ہے اور کسی وقت ناامید ہو جاتا ہے یہ اختلاف اوقات پر محمول ہے .(روح المعانی ج25 ص5)

علامہ شبیر احمد عثانی فرماتے ہیں اور تماشہ یہ کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں قلب میں ناامیدی بھی ہے اور زبان پر یااللہ

بھی.(تفسیر عثانی 625) ناامیدی دل میں اور زبان پر دعا ہو تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں.

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں زبان سے دعا کرتا ہے مگر دل میں مایوسی ہوتی ہے یا یوں کہا جاوے کہ اول اول دعا خوب کرتا ہے پھر بعد چندے مایوس ہو کر چھوڑ دیتا ہے.(بیان القرآن ج5 ص5)

تعارض: 174 سورۃ الشوریٰ

آیت 45

وتراھم یعرضون علیھا خشعین من الذل ینظرون من طرف خفی. اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو پیش کیے جائیں گے مارے ذلت کے جھکے ہوئے ہوں گے اور ست نگاہ سے دیکھیں گے.سورۃ ق میں ہے .فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید.سو اب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے.(آیت 22) ست نگاہ اور تیز نگاہ میں تعارض ہے.

تطبیق: طرف خفی سے مراد دل کی آنکھ ہے امام قرطبی فرماتے ہیں. وانما ینظرون بقلوبھم لانھم یحشرون عمیا وعین القلب طرف خفی .یہ دل کی آنکھوں سے دیکھیں گے کیونکہ ان کا حشر اس حال میں ہوگا کہ اندھے ہوں گے اور دل کی آنکھ طرف خفی ہے.(قرطبی ج16 ص45)

امام قرطبی فبصرک الیوم حدید کی تفسیر میں فرماتے ہیں .وقیل المراد بصرالعین وھو الظاھر.مراد آنکھ کی نظر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے(قرطبی ج16 ص15)

ابن الجوزی فرماتے ہیں. احدھا البصر المعروف والثانی العلم

http://mujahid.xtgem.com

(زادالمسیر ج 8 ص 22) تیز نگاہ سے مراد علم ہے یعنی دنیا میں اس کے ہدایت کے راستے بند تھے. ختم اللہ علی قلوبھم. لیکن آج پردے ختم ہو جائیں گے اور حق کو بالکل ظاہر باہر دیکھ کر جان لے گا. کہ واقعی دنیا میں جو کچھ انبیاء کے واسطے سے آیا تھا وہ بالکل سچ اور حق تھا تیز نگاہ سے مراد علم لیں تو تیز نگاہ اور ست نگاہ میں کوئی منافاۃ نہیں.

تعارض: 175 سورۃ الشوریٰ

آیت 45

ینظرون من طرف خفی. ست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی آخرت میں آنکھیں ہوں گی اس سے دیکھیں گے لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے ہوں گے ارشاد باری ہے ونحشرہ یوم القیمۃ اعمیٰ. اور قیامت کے روز ہم ان کو اندھا کر کے اٹھائیں گے. (سورۃ طٰہٰ)

تطبیق: ابن جریر طبری فرماتے ہیں. لانھم ینظرون الی النار بقلوبھم لانھم یحشرون عمیا. ان کا دیکھنا دل کی آنکھوں سے ہوگا کیونکہ یہ لوگ اندھے اٹھائے جائیں گے اس لحاظ سے اندھا ہوتے اور دیکھنے میں کوئی منافاۃ نہیں. دوسری تفسیر بیان کرتے ہیں کہ ان پر اس روز ایسی ذلت سوار ہوگی کہ ذلت سے دیکھتے دیکھتے ان کی نظر چلی جائے گی. حتی کادت اعینھم ان تغور فتذھب

(تفسیر طبری ج 13 ص 42)

اس تفسیر کے مطابق ابتدا میں ان کی نظر ہوگی لیکن انتہاءً اندھے ہو جائیں گے.

امام فراء فرماتے ہیں وقال بعضھم نظروا الی النار بقلوبھم ولم یروھا باعینھم لانھم یحشرون عمیاً. (معانی القرآن ج 3 ص 26)

دل کی آنکھوں سے دیکھنے کی تفسیر کو علامہ زمخشری اور علامہ آلوسی نے تعسف اور تکلف فرمایا ہے امام رازی اس تعارض کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں. قلنا لعلھم یکونون فی الابتداء ھکذا ثم یجعلون عمیا ولعل ھذا فی قوم و ذلک فی قوم آخرین. شاید ابتدا میں نظر لگتی ہو پھر اندھے ہو جائیں. یا دیکھنا ایک قوم کے بارے میں ہو اور اندھا ہونا کسی دوسری قوم کے بارے میں ہو (تفسیر کبیر ج 25 ص 182)

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں اور دوسری آیت میں جو اعمیٰ ہونے کی خبر دی ہے وہ حشر کے وقت ہے اور یہ (دیکھنا) اس کے بعد چنانچہ وہاں نحشرہ مصرح ہے.

(بیان القرآن ج 10 ص 77)

لفظ نحشرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر کے وقت اندھے ہوں گے.

تعارض: 176 سورۃ الزخرف

آیت 31

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم. اور کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے نزدیک نبوت بشریت کے منافی نہیں کیونکہ قرآن کا نزول کسی بڑے آدمی پر ہو تو اس کو تسلیم کرتے ہیں حالانکہ سورۃ التغابن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی عقیدہ تھا کہ کیا کہیں بشر بھی پیغمبر اور ہادی ہو سکتا ہے ارشاد باری ہے. ذلک بانہ کانت تاتیھم رسلھم بالبینت فقالوا ابشر یھدوننا.

یہ اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کے پاس پیغمبر دلائل واضحہ لیکر آئے تو انھوں نے

http://mujahid.xtgem.com

کہا کہ آدمی ہم کو ہدایت کریں گے.

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ماز الوایتکرون ان یبعث اللہ بشراً رسولا فلما علموابتکریر اللہ الحجج ان الرسل لم یکونو الا رجال من اهل القرئ جاء وا بالانکار من وجه آخر وهو تحکمهم ان یکون احدهذین. کفار مکہ کا یہ عقیدہ تھا کہ بشر رسول نہیں ہوسکتا لیکن جب دلائل سے اللہ نے ثابت کردیا کہ رسول اہل قریٰ کے رجال ہی ہوسکتے ہیں تو کفار نے انکار کا ایک اور طریقہ اختیار کر کے تحکماً کہا کہ رسالت کسی بڑے آدمی کو ملنی چاہیے. (تفسیر کشاف ج4 ص248)

اس تفسیر کے مطابق کفار نبوت اور بشریت کے مابین تنافی کے قائل ہیں. کیونکہ ان کا یہ قول اقراراً نہیں بلکہ تحکماً ہے. مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور ان کا لولا انزل الخ پر ان اس کہنے سے شبہ نہ کیا جائے کہ بشر اور نبوت میں منافاۃ ہے اصل یہ ہے کہ ایک ان کا عقیدہ تھا اور ایک علی سبیل التنزل والتسلیم. (بیان القرآن ج10 ص87)

تعارض: 177 سورۃ الدخان

آیت 49

ذق انك انت العزيز الكريم. لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے. آیت سے ظاہراً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ دوزخی عزت واکرام والا ہوتا ہے. حالانکہ وہ تو خوار اور ذلیل ہوں گے ذلت اور توہین کی انتہاء ہوگی جیسے ایک ارشاد باری ہے. سیدخلون جهنم داخرین.

تطبیق: دراصل یہ آیت ابوجہل کے بارے میں ہے اس نے حضورؐ سے کہا تھا

مابین جبلیها اعز ولا اکرم منی "مجھ سے زیادہ عزت اور اکرام والا کوئی نہیں.

زمخشری فرماتے ہیں علی سبیل الهزؤ والتهکم بمن کان یتعزز ویتکرم علی قومه. (الکشاف ج4 ص282)

یہ بطور استہزاء اس سے کہا جائے گا جو اپنی قوم میں اپنے تئیں معزز ومکرم جانتا تھا. حافظ ابن کثیر ابن عباس کا قول نقل کرتے ہیں ای لست بعزیز ولا کرم. (ابن کثیر ج6 ص260) تو معزز ومکرم نہیں.

امام قرطبی فرماتے ہیں ای ماقاله انك انت الذلیل المهان تو ذلیل وخوار ہے (قرطبی ج16 ص151).

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں فی زعمك قال البغوی (مظہری ج8 ص376) بغوی کہتے ہیں کہ اس کے گمان کے مطابق اس کو معزز ومکرم کیا جائے گا.

ابن الجوزی اس کے تین معنی بیان کرتے ہیں

۱. انه قبل ذلك استهزاء" قاله سعیدبن جبیر ومقاتل. مقاتل اور سعید بن جبیر کہتے ہیں یہ اس کو استہزاء کہا جائے گا.

۲. انت العزیزالکریم عندنفسك قاله قتادة. قتادہ کہتے ہیں کے معنی یہ ہے کہ تو اپنے تئیں معزز ومکرم ہے.

۳. انت العزیزفی قومك الکریم علی اهلك حکاه الماوردی. ماوردی بیان کرتے ہیں کہ تو اپنی قوم میں معزز ہے اور اپنے اہل کے نزدیک مکرم. (زادالمسیر ج 7 ص 350) اللہ تعالیٰ اور شریعت کے نزدیک دوزخی ہرگز مکرم ومعزز نہیں.

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 178 سورة الجاثية

آیت 28

وتری کل امة جاثية اورآپ ہرفرقہ کودیکھیں گے کہ زانو کے بل گر پڑیں گے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کوبھی قیامت کی ہولناکیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حالانکہ بعض آیات میں اس کی نفی ہے ارشاد ہے وهم من فزع يومئذ آمنون۔ اوروہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روزامن میں رہیں گے۔(سورة النمل آیت 89)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں وعن ابن عباس رضی الله عنهما جاثية مجتمعة۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں تمام فرقے مجتمع ہوں گے۔(الکشاف ج4 ص292) فرقوں کے مجتمع ہونے میں ضروری نہیں کہ نیک لوگوں کوقیامت کی ہولناکی کا سامنا ہو امام قرطبی فرماتے ہیں قیل هو خاص بالکفار زانو کے بل گرنا کفار کے ساتھ خاص ہے۔(قرطبی ج16 ص174) مسلمان اس سے محفوظ رہیں گے امام فراء فرماتے ہیں کل اهل دین جاثیه مجتمعه للحساب ہرملت والے حساب کے لئے مجتمع ہوں گے۔(معانی القرآن ج3 ص48)۔

امام نیشاپوری فرماتے ہیں۔والجثو للکفار خاصة۔زانو کے بل گرنا صرف کفار کے ساتھ خاص ہے۔وقیل عام یاس کیلئے ہوگا مؤمن اورکافر(غرائب القرآن ج25 ص96 حاشیہ طبری)۔

ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں۔والظاهر عموم کل امة من مؤمن وکافر۔آیت کے ظاہر سے عموم معلوم ہوتا ہے(البحرالمحیط ج8 ص50)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔لفظ کل اگر عام ہو توظاہر ہول کا ثبوت مقبولین

کے لئے بھی لازم آتا ہے۔لیکن ممکن ہے کہ بہت تھوڑی دیر کے لئے ہونے سے وہ معتدبہ نہ ہواس لئے نفی فزع کی نصوص سے اس کا تعارض نہ ہوگا۔(بیان القرآن ج10 ص114)

تعارض: 179 سورة الجاثية

آیت 32

قلتم ماندری ماالساعة ان نظن الاظنا۔ تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کوبھی ہوتا ہے۔

ان نظن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ جی اٹھنے میں ان کا شک تھا جبکہ اس قبل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعث بعدالموت کو یقیناً نہیں مانتے ارشاد باری ہے۔ وقالوا ماهی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا ۔اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔(سورۃ الجاثیہ آیت 24)

تطبیق: الشیخ احمد الصاوی فرماتے ہیں۔ویمکن الجواب بان الکفار لعلهم افترقوا فرقتين فرقة جازمة بنفي البعث وفرقة متحيرة فيه۔ جواب ممکن ہے کہ کفار کے دو گروہ ہوں ایک فرقہ یقیناً نفی بعث کا قائل ہے اوردوسرا بعث بعدالموت میں شک کرنے والا ہو۔(الصاوی ج4 ص73)۔

علامہ آلوسی نے بھی ایک یہی جواب دیا ہے۔کہ دونوں اقوال بعث بعدالموت کی نفی اوراس کا ظن اس بارے میں دوفرقے ہیں ہرایک قول کا الگ الگ فرقہ قائل ہے۔

دوسرا جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں اقوال کے قائل ایک ہی فرقہ

http://mujahid.xtgem.com

کے لوگ ہوں. الاان کل قول فی وقت وحال .دونوں اقوال کا وقت اور حال کے مطابق ہے کبھی جزماً بعث بعد الموت کی بات کرتے ہیں کبھی تردد کا قول کرتے ہیں.

تیسرا جواب دیتے ہیں. وقیل الجزم هناك بنفی وقوعها والظن من غیر ایقان ههنا بمجرد امکانها فهم متردون بامکانها الذاتی جازمون بعدم وقوعها بالفعل. تو قیامت کے عدم وقوع کا یقین ہے لیکن امکان ذاتی کے طور پر وقوع قیامت کے بارے میں تردد ہے (روح المعانی ج13 ص242).

یعنی یہ یقین تھا کہ بالفعل تو قیامت واقع نہیں ہوگی لیکن بالذات وقوع ممتنع بھی نہیں اس کے امکان ذاتی میں تردد تھا.

تعارض: 180 سورۃ الاحقاف

آیت: 9

وماادری مایفعل بی ولا بکم. اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ. اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حضور کو اپنا انجام اور حسن خاتمہ کا پتہ نہیں. حالانکہ حضور کو دوسری آیت میں حسن خاتمہ کا بتادیا. ارشاد باری ہے. لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر. تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمائے. (سورۃ الفتح آیت 2).

تطبیق: اس آیت میں حضورؐ نے اپنے علم غیب کی نفی کی ہے. جس کی مجھے وحی ہوئی ہے وہ تو بتادیں لیکن جس کی وحی نہیں ہوئی اس کا مجھے علم نہیں. حضور ﷺ کو اپنا اور مؤمنین کا انجام معلوم تھا اس لئے مولانا تھانوی ماادری کی تفسیر میں فرماتے ہیں مجھ کو مغیبات میں سے بجز معلومات بطریق الوحی کے اور کسی بات کی خبر نہیں. (بیان

القرآن ج11 ص3)

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں لانہ لاعلم لی بالغیب .ماادری اس لئے کہا کہ مجھے غیب کا علم نہیں جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے سوال کیا .قال فمابال القرون الاولیٰ فرعون نے کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا کے جواب میں فرمایا قال علمها عند ربی فی کتاب. موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے. (سورہ طٰہٰ آیت 51 ص 52).

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں جب ماادری مایفعل نازل ہوئی تو کفار خوش ہوئے کہ ہم میں اور رسول میں اب کچھ فرق نہ رہا اللہ تعالیٰ نے آیت لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتاخر نازل کی تو صحابہ کرام نے کہا هنیئا لك یا نبی قد علمنا مایفعل بك' تجھے مبارک ہوا اے نبی ﷺ ہم نے جان لیا کہ آپ کا انجام کیا ہے. (مظہری ج۸/ص۳۹۵)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں لیغفرلک اللہ کے نزول کے ساتھ ماادری والی آیت منسوخ ہوگئی لیکن پھر فرماتے ہیں نسخ کا قول صحیح نہیں ہے اس وجہ سے کہ یہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوتی.

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں تمام تر خطاب مشرکین سے ہے حضور ﷺ کو کفار کا اور اپنا انجام آخرت کے بارے میں معلوم تھا۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ اس کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ پھر کیسے فرما سکتے ہیں کہ مجھے تمہارا اور اپنا انجام معلوم نہیں۔ اس لیئے حسن کے قول کو صحیح کہہ کر نقل کیا ہے۔ وما ادری ما یفعل بی ولا بکم فی الدنیا مجھے اپنے بارہ میں اور کفار کے بارے میں دنیا کے اندر معلوم نہیں کہ کس قسم کے حالات پیش آئیں گے۔ بیماری، صحت، غنی یا فقر وغیرہ۔ امام قرطبیؒ نے ایک اور معنی بھی نقل کیا ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

وقیل المعنی لاادری مایفرض علی وعلیکم من الفرائض. مجھے معلوم نہیں کہ آئندہ مجھے اور آپ کو کیا فرائض سونپے جائیں گے۔ (قرطبی ج16 ص186)

حافظ ابن کثیر نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے۔ ماادری بماذا امروبماذا انھی بعدھذا۔ ابن کثیر ج6 ص277) مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا کیا امر اور نہی ہوگی۔

تعارض: 181 سورۃ محمد

آیت 36

ولایسئلکم اموالکم۔ اور وہ تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی سے کسی کا مال طلب نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ بعض آیات میں صراحۃً مال طلب کیا گیا ہے خاص کردہ آیات جن میں زکوۃ کا ذکر ہے ارشاد ہے خذمن اموالھم صدقۃ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے۔ ایک اور ارشاد ہے من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کون شخص ہے جو اللہ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا۔ (سورۃ البقرۃ آیت 245)

تطبیق: ای ولایسئلکم جمیعا انما یقتصر منکم علی ربع العشر۔ تمام اموال طلب نہیں کرتا صرف چالیسویں حصے پر اکتفا کرتا ہے۔ (الکشاف ج4 ص330)۔

یعنی سارا مال نہیں لیتا بلکہ صرف ڈھائی فیصد لیتا ہے علامہ آلوسی نے کئی توجیہات بیان کی ہیں۔

۱. والمعنی ان تؤمنوا لایسئلکم جمیع اموالکم کمایاخذ من الکافر جمیع مالہ۔ ایمان لے آؤ تو تم سے کافر کی طرح سارا مال نہ لیا جائیگا۔ جنگ میں کافر کا سارا مال مال غنیمت بن جاتا ہے۔

۲. لایسئلکم ماھولکم حقیقۃ وانما یسئلکم مالہ عزوجل فھو مالک لھا۔

تم سے جو مال لیا جاتا ہے وہ حقیقۃً اللہ تعالی کا ہے معنی یہ ہوا کہ تم سے جو لیتا ہے وہ تمہارا مال نہیں وہ اس کا دیا ہوا ہے گویا وہ اپنا مال لے رہا ہے اس لئے فرمایا کہ تم سے نہیں مانگتا۔

۳. ولایسئلکم اموالکم لحاجتہ سبحانہ الیھا بل لیرجع انفاقکم۔ اللہ تعالی تم سے مال نہیں لیتا بلکہ دوبارہ تم پر خرچ کرنے کے لئے لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ مال کا محتاج نہیں۔

۴. لایسئلکم رسول اللہ ﷺ شیء من اموالکم اجرا علی تبلیغ الرسالۃ۔ رسول اللہ ﷺ تم سے تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتا کہ تمہارے اموال تبلیغ کی اجرت میں تم سے لے لے (روح المعانی ج26 ص81)

تعارض: 182 سورۃ الحجرات

آیت 13

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکروانثی۔ اے آدمیوں ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے۔ اس آیت میں انسان کی تخلیق کی نسبت ایک مرد اور ایک عورت کی طرف ہوئی ہے ایک اور جگہ ارشاد ہے فانا خلقنکم من تراب تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے (سورۃ الحج آیت 5)

ایک مقام پر فرمایا خلق من ماء دافق بنا ہے ایک اچھلتے ہوئے پانی سے (سورۃ الطارق آیت 6)۔

ایک اور ارشاد ہے ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے (سورۃ الاعراف آیت 189) انسان کی تخلیق کی نسبت مرد

http://mujahid.xtgem.com

عورت کی طرف، مٹی کیطرف، منی کیطرف اور ایک نفس کی طرف کرنے میں بظاہر بڑا تضاد ہے یہ سب نسبتیں ایک وقت میں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں.

تطبیق: ہر انسان کی تخلیق کی نسبت نفس واحدہ، مٹی، منی اور ماں باپ کی طرف صحیح ہے ان میں سے ہر ایک انسان کے لئے اصل ہے اور اپنے اصل کی طرف نسبت صحیح ہوتی ہے. فرق صرف یہ ہے کہ بعض اصل بعید ہے اور بعض اصل قریب انسان کی تخلیق کی نسبت کبھی اصل قریب کی طرف ہوتی ہے کبھی اصل بعید کی طرف. مٹی تمام انسانوں کے لئے اصل بعید ہے اول اللہ تعالیٰ نے مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا. پھر ان سے انسانیت کا سلسلہ چلا. مٹی کی طرف نسبت اس لحاظ سے بھی صحیح ہے کہ انسان کی تمام خوراکیں مٹی سے تیار ہوتی ہیں. اللہ تعالیٰ زمین سے غلے، اناج، پھل اگاتا ہے انسان خوراک کھاتا ہے اس سے خون اور منی بنتی ہے منی سے انسان بنتا ہے.

ماں باپ کی طرف بھی نسبت صحیح ہے کیونکہ ان دونوں کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے منی کی طرف بھی نسبت صحیح ہے کیونکہ رحم مادر کے اندر اسی قطرہ سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے.

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں. اللہ کا ارشاد ہے وقد خلقکم اطواراً اور اس نے بنایا تم کو مختلف اطوار (طرح طرح) سے (سورۃ نوح آیت 14) تراب طور اول ہے حضرت آدم بھی ایک طور ہیں منی اور ماں باپ بھی اطوار ہیں. (اضواء البیان ج 10 ص 272)

ہر طور کی طرف نسبت صحیح ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں وقد خلقکم اطواراً. ای تارات خلقکم اولا ترابا ثم خلقکم نطفا (الکشاف ج 4 ص 618)

تعارض: 183 سورۃ ق

آیت 45

فذکر بالقرآن من یخاف وعید. سو آپ قرآن کے ذریعے سے ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا ہے. اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو وعید سے ڈرتا ہے اس کو نصیحت کیجئے جو نہیں ڈرتا اس کو نصیحت نہ کیجئے. لیکن تذکیر کے بارے میں جو اور آیات ہیں ان میں مطلقا نصیحت کا حکم ہے خواہ کوئی وعید سے ڈرتا ہے یا نہیں ارشاد باری ہے فذکر انما انت مذکر سو آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں. (سورۃ الغاشیۃ آیت 21)

تطبیق: تذکیر اور نصیحت کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص. عام وہ تذکیر ہے کہ جس سے کسی کو نفع ملے یا نہ ملے لیکن آپؐ کا کام ہے کہ برابر نصیحت کرتے رہیں. جیسے ارشاد ہے ان علیك الا البلاغ. آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے. (سورۃ الشوریٰ آیت 48)

اسی طرح فرمایا ما انت علیھم بجبار آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں. دوسری تذکیر اور نصیحت خاص اور فائدہ مند ہے جس سے نفع ہو تو نفع ان لوگوں کو ملتا ہے جو اللہ کی وعید سے اور اس سے ڈرتے ہیں جیسے ارشاد ہے. انما انت منذر من یخشاھا مومن بھی آپ کی تذکیر سے فائدہ حاصل کرتا ہے. ارشاد باری ہے وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین. اور سمجھاتے رہیے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا. (سورۃ الذاریات آیت 55).

امام قرطبی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وخص المومنین لانھم المنتفعون بھا. (قرطبی ج 17 ص 55) علامہ زمخشری فرماتے ہیں من یخاف وعید کقولہ انما انت منذر من یخشاھا لانہ لاینفع الا فیہ دون المصر علی

http://mujahid.xtgem.com

الکفر. (الکشاف ج 4 ص 394).

جو کفر پر مصر نہ ہو اس کو نفع ملے گا تو حضورؐ کو مطلقاً تذکیر کا حکم ہے لیکن مؤمن اور ڈرنے والے کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ لوگ اس تذکیر سے فائدہ حاصل کرنے والے ہوتے ہیں. یہ مطلب یہ نہیں کہ کسی اور کو نصیحت نہ کی جائے. جس کی وجہ سے تذکیر کی آیات کے مابین تعارض پیدا ہو جائے. حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں عام تذکیر سے سب کو اور خاص تذکیر نافع سے فذکر بالقرآن من یخاف وعید (بیان القرآن ج 11 ص 57)

تعارض: 184 سورة الذاریات

آیت 50

ففروا الی اللہ تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عباد کو اپنی ذات کی طرف ترغیب دی ہے. لیکن دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات ڈرایا ہے جس کے وجہ سے اس کی طرف بظاہر عدم رغبت معلوم ہوتی ہے. فرمان باری ہے. ویحذرکم اللہ نفسہ. اور خدا تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں. (آل عمران آیت 30).

تطبیق: امام فراء فرماتے ہیں. معناہ فروا الیہ الی طاعتہ من معصیتہ. اللہ کی معصیت سے اس کو طاعت کی طرف دوڑو. (معانی القرآن ج 3 ص 89)

ابن الجوزی فرماتے ہیں (ففروا الی اللہ) بالتوبۃ من ذنوبکم. اپنے گناہوں سے توبہ کے ذریعہ اللہ کی طرف دوڑو. (زاد المسیر ج 8 ص 41)

امام رازی ویحذرکم اللہ نفسہ کا معنی بیان کرتے ہیں ای یخوفکم عذاب نفسہ اوعقاب نفسہ. تم کو اپنے عذاب یا عقاب سے ڈراتا ہے. (مسائل الرازی

ص 326). اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف دوڑنا اور اس کے عذاب سے ڈرانا ان دونوں میں کوئی منافات نہیں بلکہ یہی اصلی ایمان ہے کیونکہ ایمان تو خوف اور امید کے درمیان ہے.

اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات سے ڈرانا بھی اس کی رحمت ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں وعن الحسن من رأفتہ بھم ان حذرھم نفسہ. یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ عباد کو اپنی ذات ڈراتا ہے (الکشاف ج 1 ص 353).

قرآن مجید میں اس جملہ ویحذرکم اللہ نفسہ کے بعد واللہ رؤف بالعباد. مذکور ہے جس سے علامہ زمخشری سے نقل کردہ قول کی تائید ہوتی ہے.

تعارض: 185 سورة الذاریات

آیت 58

ان اللہ ھو الرزّاق ذو القوۃ المتین. اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے قوت والا نہایت ہی قوت والا ہے.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے لیکن بعض آیات سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ارشاد ہے واللہ خیر الرّازقین. اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے (سورۃ الجمعہ آیت 11) معلوم ہوا کہ غیر اللہ بھی رازق ہو سکتا ہے.

تطبیق: ایک رزّاق ہے اور ایک رازق ہے رزّاق کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا. امام راغب فرماتے ہیں والرزاق لایقال الا للہ. فرماتے ہیں والرازق یقال لخالق الرزق ومعطیہ والمسبب لہ وھو اللہ تعالیٰ ویقال ذلک للانسان الذی یصیر سببا فی وصول الرزق. رازق رزق کے خالق اور اس کے عطا کرنے والے کو کہتے ہیں

http://mujahid.xtgem.com

رازق کا اطلاق اس انسان پر بھی ہوتا ہے جو رزق کا سبب بن جائے.(مفردات القرآن ص 194) خیر الرازقین میں رازق کا ذکر ہے.جلالین میں ہے افضل المعطین (ص 284) سب سے بہتر عطا کرنے والا.

علامہ آلوسی سورۃ الحج آیت وان اللہ ھو خیر الرازقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں.استدل بذلک علی انہ قد یقال لغیرہ تعالی رازق والمراد بہ معطی.اس سے معلوم ہوا کہ کبھی غیر اللہ پر رازق کا اطلاق ہوتا ہے جب معنی میں عطا کرنے والے کے ہو.(روح المعانی ج 17 ص 188).

جلال الدین المحلی فرماتے ہیں یقال کل انسان یرزق عائلتہ ای من رزق اللہ . کہا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے کنبہ کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق سے. (جلالین ص 461)

تعارض: 186 سورۃ الطور

آیت 9

یوم تمور السماء مورا.جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا.دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا.ارشاد ہے اذا السماء انشقت جب آسمان پھٹ جاویگا.(الانشقاق 1)

تطبیق: مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں دونوں میں کوئی تعارض نہیں علی سبیل التعاقب دونوں کا تحقق ہوسکتا ہے.(بیان القرآن ج 11 ص 65)

علامہ آلوسیؒ تمور کا معنی بیان کرتے ہیں .تضطرب کما قال ابن عباس وفی روایۃ عنہ. تشقق ابن عباس سے ایک روایت بھی ہے کہ تمور کا معنی تشقق ہے یعنی آسمان پھٹ جائے گا.اس روایت کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں.کیونکہ انشقاق اور مور کا معنی ایک ہے.(روح المعانی ج 27 ص 46)

تعارض: 187 سورۃ الطور

آیت 21

کل امری بما کسب رھین.اور ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے.

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک نفس اپنی کمائی یعنی عمل میں پھنسا ہوا ہے.کوئی مستثنی نہیں لیکن سورۃ المدثرؒ کی آیت کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحب الیمین .ہر ایک جی اپنے کئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے.مگر داہنی طرف والے(آیت 39)

اس آیت میں اصحاب الیمین مستثنی ہیں اور یہ دونوں آیات میں تعارض ہے.

تطبیق: علامہ شنقیطی فرماتے ہیں ان آیۃ الطور ھذہ تخصصا آیۃ المدثر.سورۃ مدثر کی آیت سورۃ الطور کے عموم سے خارج ہے یعنی عام کی تخصیص کی گئی ہے.(اضواء البیان ج 10 ص 275)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں فان عمل صالحاً فکھا وخلصھا والا اوبقھا (الکشاف ج 4 ص 411) اگر نیک عمل کیا ہو تو جان چھوٹ جائے گی ورنہ ہمیشہ کی ہلاکت اور بربادی ہوگی.

انسان کو اللہ تعالی نے اعمال کا مکلف بنایا ہے یہ اس پر قرضہ ہے جس کی وجہ سے اس کا نفس گروی رہے گا.اگر نیک عمل کیا ہو تو جان چھوٹ جائے گی ورنہ ہلاکت اور بربادی ہوگی تقریباً اکثر تفاسیر میں یہی لکھا ہے.

تعارض: 188 سورۃ النجم

آیت 43

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی .اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش

http://mujahid.xtgem.com

سے بات کرتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے۔ جو ان پر بھیجی جاتی ہے اس آیت میں
اس بات کا ذکر ہے کہ آپ کی ہر بات وحی کی ہے۔ لیکن دیگر نصوص سے ثابت ہوتا ہے
کہ آپ اجتہاد بھی کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم اللہ نے
آپ کو معاف کر دیا ہے آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی۔ (سورۃ التوبۃ
آیت 43)

تطبیق: امام فراء فرماتے ہیں۔ یقول مایقول ھذا القرآن برأیہ
انما ھو وحی وذلک ان قریشا قالوا انما یقول القرآن من تلقاء منزل
تکذیبھم (معانی القرآن ج ۳ ص ۹۵)

اس آیت میں صرف کفار کے قول کی تردید ہے ان کا خیال تھا یہ قرآن حضورؐ اپنی
طرف سے بناتے ہیں تو جواب آیا کہ اللہ کی طرف سے ہے اس سے اس بات کی نفی نہیں
ہوتی کہ آپ اجتہاد نہیں کرتے تھے۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں ویحتج بھذہ الآیۃ من لا یری الاجتھاد للانبیاء
ویجاب بان اللہ سوغ لھم الاجتھاد کان الاجتھاد وما یستند الیہ کلہ وحیاً
لا نطقاً عن الھوی۔ (الکشاف ج4 ص418)

بعض اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لئے اجتہاد کی گنجائش
نہیں لیکن اللہ نے ان کو اجتہاد کی اجازت دی ہے ان کا اجتہاد اور ہر وہ بات جو ان
کی طرف منسوب ہو اس کی بنیاد خواہش نفس نہیں بلکہ وحی ہوتی ہے۔ یعنی نبی کا اجتہاد
بھی مآلاً وحی بن جاتا ہے کیونکہ نبیؐ کے اجتہاد کی وحی کیساتھ تائید اور تصحیح ہو جاتی
ہے۔ نبی غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں وھذا مما یحتج بہ من لا یجیز للنبیؐ ان
یجتھد ولیس مما ظنوا لان اجتھاد الرأی اذا صدر عن الوحی جاز ان

ینسب الی الوحی۔ (زاد المسیر ج 8 ص 63) جن کا گمان ہے کہ اس آیت
سے ثابت ہوتا ہے کہ نبیؐ کے لئے اجتہاد کی اجازت نہیں یہ صحیح نہیں کیونکہ اجتہاد کی
اجازت جب وحی سے ہوئی تو اب نبیؐ کے اجتہاد کو وحی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔

تعارض: 189 سورۃ النجم

آیت 39

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے
گی۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کو دوسرے کے عمل سے فائدہ نہ ملے گا لیکن ایک
ارشاد خداوندی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ملے گا۔ والذین
آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم ۔ اور جو لوگ ایمان لائے
اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے
ساتھ شامل کر دیں گے۔ (سورۃ الطور آیت 21) اولاد کے درجے بلند ہوں گے۔ یہ
ان کو ان کے آباء کے عمل کی وجہ ملے۔

تطبیق: ابن الجوزی نے ان دونوں آیتوں کے تعارض کو دور کرنے کے لئے کئی
جوابات دئے ہیں۔

(۱) لیس للانسان الا ما سعیٰ منسوخ ھے اس آیت سے والذین
آمنوا واتبعتھم ذریتھم' لیکن اس قول کی تردید کی ہے کہ ھذا خبر والاخبار
لا تنسخ' یہ خبر ہے اور اخبار میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں کہ
لیس للانسان الا ما سعیٰ جمہور کے نزدیک محکم ہے۔

(۲) ان ذلک کان لقوم ابراھیم وموسیٰ واما ھذہ الامۃ فلھم
ما سعوا وما سعیٰ غیرھم۔ دوسرے کی سعی سے فائدہ نہ ملنا حضرت ابراہیم

http://mujahid.xtgem.com

اورحضرت موسیٰ کی امت کے لئے تھاامت محمدیہؐ کے لئے اپنی اور غیر کی سعی سے فائدہ ملتاہے.(ورنہ ایصال ثواب کا مسئلہ ختم ہوجاۓگا.)(نعمانی)

۳: ان المراد بالانسان ھھنا الکافر فاما المؤمن فله ماسعیٰ ومایسعیٰ له قاله الربیع بن انس. ربیع بن انس کہتے ہیں الانسان سے مراد کافر ہے مؤمن کو اپنے اور دوسرے کے عمل کا فائدہ ملے گا.لیکن قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس قول کی لیس بشی کہہ کر تردید کی ہے.کیونکہ کافر کا عمل ضائع ہوجاتا ہے.امام رازی نے اس سے کافر مراد لینے کے قول کو ضعیف کہا ہے.

۴: انه لیس للانسان الاماسعیٰ من طریق العدل فامامن باب الفضل فجائز ان یزیده الله عزوجل مایشاء قاله الحسن بن فضل.حسن بن فضل کہتے ہیں صرف اپنے عمل کا فائدہ اللہ کا عدل ہے اور دوسرے کے عمل سے فائدہ ملنا اس کا فضل ہے.جس کے لئے جتنا چاہیں زیادہ کردیں.(اللہ کا فضل اس کے قانون کا پابند نہیں.﴿ نعمانی ﴾

۵: ان ماسعیٰ مانویٰ قاله ابوبکر الوراق کہتے ہیں ماسعیٰ سے مراد مانویٰ ہے.یعنی اس نے جونیت کی ہے.امام قرطبی نے بھی یہ قول نقل کرکے ساتھ حدیث ذکر کی ہے یبعث الله الناس یوم القیامة علی نیاتھم. اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن ان کی نیتوں کے مطابق اٹھائیں گے.

۶: لیس للکافر من الخیر الاماعمله فی الدنیا فیثاب علیھا فیھا حتی لایبقیٰ له فی الاخرة ذکره الثعلبی.ثعلبی فرماتے ہیں کافر کو اپنے عمل کا بدلہ صرف اس دنیا میں ملے گا.آخرت میں کچھ نہ ملے گا.(اس قول میں بھی الانسان سے کافر مرادلیا ہے.نعمانیؔ)

۷: ان اللام بمعنی علی فتقدیرہ لیس علی الانسان الاماسعیٰ.

ہرانسان کے عمل کا بوجھ صرف اس پر ہوگا.اس معنی کے بناپر یہ آیت ماقبل آیت کے لئے تفسیر بن جائے گی.ولا تزروازرة وزراُخری.کہ اٹھاتانہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا.

۸: انه لیس له الاسعیه غیران الاسباب مختلفه .انسان کو اپنی ہی سعی کا فائدہ ملے گا.لیکن سعی کے اسباب مختلف ہیں.فتارةً یکون سعیدفی تحصیل قرابته ولدیترحم علیه وصدیق تارة یسعیٰ فی خدمة الدین والعبادة فیکتسب محبة اھل الدین فیکون ذلک سببا حصل بسعیه.کبھی آدمی کسی سے قرابت حاصل کرے گا کبھی اس کا بیٹا ہوگا جن کو اس ساعی پر رحم آۓ گا کبھی ساعی دین کی خدمت یا عبادت کرے گا جس کی وجہ سے اہل دین اس سے محبت کریں گے.ان لوگوں کے ایصال ثواب کی وجہ سے اس کو فائدہ ہوگا کیونکہ یہ ساعی ان کے ایصال ثواب کا باعث بنا.(زادالمسیر ج8 ص80*81)

امام قرطبی فرماتے ہیں ویحتمل ان قوله وان لیس للانسان الاماسعیٰ خاص فی السیئة یہ احتمال ہے کہ خاص سیئات کی سعی کا اثر صرف اس پر ہوگا.(قرطبی ج16 ص115) حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں ایمان کے بارہ میں صرف اپنی کمائی ملے گی یعنی کسی کو دوسرے کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا (بیان القرآن ج11 ص79) ایک دوسرے کے ایمان سے فائدہ نہ ملنا اور ایک دوسرے کے عمل سے فائدہ ملنا دونوں میں کوئی تعارض نہیں.

تعارض: 190 سورة القمر

آیت19

انا ارسلنا علیھم ریحاصرصرافی یوم نحسٍ مستمر.ہم نے ان پر ایک تند

http://mujahid.xtgem.com

ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم عاد پر تند ہوا کا عذاب ایک دن کے لئے تھا لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی دن تک یہ عذاب قائم تھا. ارشاد خداوندی ہے فارسلنا علیهم ریحاً صرصراً فی ایام نحسات. تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے. پہلی آیت میں یوم مفرد ہے اور اس آیت میں ایام جمع آیا ہے دونوں میں تنافی ہے. ایک اور آیت میں ہے سبع لیالٍ وثمانیة ایام حسوماً (سورۃ الحاقه آیت 7)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں والمراد من الیوم هنا الوقت والزمان کمافی قوله تعالیٰ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا. یوم سے مراد صرف وقت اور زمان ہے. (تفسیر کبیر ج29 ص46).

پس یوم اور ایام میں کوئی تعارض نہیں. یا یوم سے مراد پہلا دن ہے عذاب کا کیونکہ عذاب دائم اور مستمر تھا. اور وہ پہلا دن ایک قول کے مطابق یوم اربعاء ہے تو سورۃ القمر میں صرف عذاب کے شروع ہونے والے دن کا ذکر ہے.

علامہ آلوسی فرماتے ہیں. والمراد بالیوم مطلق الزمان. مطلق زمانہ مراد ہے تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں لان الیوم الواحد لم یستمر. زمانہ اس لئے مراد ہے کہ یوم واحد میں استمرار کا ذکر ہے. اس لئے مطلق زمانہ مراد ہے. دوسری جگہ جو ایام آیا ہے اس کا معارض نہیں.

تعارض: 191 سورۃ القمر

آیت 29

فنادوا صاحبهم فتعاطی فعقر. سو انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا سو اس نے وار کیا

اور مار ڈالا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاقر یعنی ناقہ کو قتل کرنے والا ایک تھا لیکن دیگر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ زیادہ تھے. ارشاد ہے فکذبوه فعقروها. سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا. (سورۃ الشمس آیت 14) ایک اور ارشاد ہے فعقروها فاصبحوا ندمین سو انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا پھر پشیمان ہوئے. (سورۃ الشعراء آیت 157).

تطبیق: اونٹنی کا قتل اگرچہ ایک نے کیا تھا لیکن بقیہ سب لوگ اس پر راضی تھے اس لئے اونٹنی کے قتل کی نسبت سب کی طرف ہوئی. امام قرطبی نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس شقی قدار بن سالف نے اس اونٹنی کو اس وقت قتل کیا جب ان کے سب مرد، عورتیں چھوٹے بڑے اس جرم کے لئے آمادہ ہو گئے اور اس بدبخت کے موافق ہو گئے.

امام قرطبی فرماتے ہیں واضیف الی الکل لانهم رضوا بفعله. (قرطبی ج20 ص79)

علامہ آلوسی سورۃ قمر کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں. ونسبة العقر الیهم فی قوله فعقروا الناقة لانهم کانوا راضین به. (روح المعانی ج27 ص90)

تعارض: 192 سورۃ الرحمن

آیت 35

یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران. تم ان دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا. پھر تم نہ ہٹا سکو گے. اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس قسم کا عذاب انعام نہیں ہو سکتا لیکن اس کے ساتھ متصل آیت "فبای آلاء ربکما تکذبان" پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے سے معلوم

http://mujahid.xtgem.com

ہوتا ہے کہ عذاب نعمت ہے دونوں میں تضاد ہے۔

تطبیق: قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں وقیل من الالاء التهديد على موجبات العذاب فيجتنب منها. موجبات عذاب سے ڈرانا تاکہ بچ جائیں یہ بھی نعمت ہے (مظہری ج9 ص153)

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں. فان التهديد لطف والتميز بين المطيع والعاصي بالجزاء والانتقام من الكفار من عداد الآلاء. ڈراوا مہربانی ہے کفار سے انتقام اور مطیع اور عاصی میں جزا کے ساتھ فرق انعامات میں شمار ہوتا ہے. علامہ شنقیطی فرماتے ہیں. لان الانذاره فى دار الدنيا من الاهوال يوم القيامة من اعظم نعم الله. قیامت کی ہولناکیوں سے دنیا میں ڈرانا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے. (اضواء البیان ج10 ص283).

مثال دی ہے کہ ایک انجان مسافر کو ایسے ہلاکت خیز گڑھے کی اطلاع دینا جس میں اس کے گرنے کا امکان ہوتا کہ وہ بچ جائے یہ اس مسافر پر بہت بڑا انعام ہے. حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں اور اس کا بتانا بھی بوجہ ذریعہ ہدایت ہونے کی ایک نعمت عظمٰی ہے. (بیان القرآن ج11 ص91).

یعنی اس عذاب کی خبر دی گئی ہے تو یہ بھی انسان کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہو سکتی ہے اس لئے ایک نعمت عظمٰی بن گئی.

تعارض: 193 سورۃ الرحمن

آیت 39

فيومئذ لايسال عن ذنبه انس ولا جان. تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے متعلق نہ پوچھا جاوے گا.

ولا يسئل عن ذنوبهم المجرمون. اور اہل جرم سے ان کے گناہوں کا سوال نہ کرنا پڑے گا. (سورۃ القصص آیت 78) ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ مجرمین میں سے بازپرس نہ ہوگی.

لیکن بعض آیات میں ذکر ہے کہ ان سے ضرور پوچھ ہوگی. فرمان باری ہے فوربك لنسئلنهم اجمعين. سو آپ کے پروردگار کی قسم ہم ان سے انکے اعمال کی ضرور بازپرس کریں گے. (سورۃ الحجر آیت 92) ایک اور ارشاد ہے وقفوهم انهم مسئولون. اور ان کو ٹھیراو. ان سے ضرور پوچھا جاوے گا. (سورۃ الصفات آیت 24)

تطبیق: علامہ شوکانی فرماتے ہیں. ان ماهنا يكون فى موقف والسوال فى موقف آخر من مواقف القيامة. قیامت کے دن بہت مواقف ہیں ایک موقف میں سوال نہ ہوگا. دوسرے موقف میں ہوگا. دوسرا جواب یہ ہے. انهم لايسالون هنا سوال استفهام عن ذنوبهم. ان سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ بتاؤ کونسا گناہ کیا ہے. لان الله سبحانه قد احصى الاعمال وحفظها على العباد. کیونکہ اللہ نے بندوں کے اعمال کا احاطہ کیا ہے ولكن يسالون سوال توبيخ وتقريع. ان کو ڈانٹنے کے لئے ان سے سوال کیا جائے گا.

ایک اور جواب بھی دیا ہے. ان عدم السوال هو عند البعث والسوال هو فى موقف الحساب. بعث کے وقت سوال نہ ہوگا اور حساب کے اسٹیشن پر سوال ہوگا. (فتح القدیر ج5 ص138)

ابن الجوزی فرماتے ہیں 'لايسئلون ليعلم حالهم' ان کا حال معلوم کرنے کیلئے سوال نہ کیا جائے گا. کیونکہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے.

(۲) لايسال بعضهم بعضا عن حال لاشتغال كل واحد منهم

بنفسه.لوگ نفسانفسی کی وجہ سے ایک دوسرے سوال نہ کریں گے.

(۳) لایسألون عن ذنوبھم لانھم یعرفون بسیماھم.اس لئے نہیں پوچھاجائے گا کہ وہ اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے.کافر سیاہ چہرے والا ہوگا.اور مؤمن کے وضوء کے اعضاء چمکدار ہوں گے.(زادالمسیر ج 8 ص 118)

امام فراءفرماتے ہیں لانھم یعرفون بسیماھم کماوصف اللہ.اس لئے سوال نہ ہوگا کہ چہروں سے پہچانیں جائیں گے اس کے بعدوالی آیت نے خود یہ بات صاف کردی .یعرف المجرمون بسیماھم پہچانے جائیں گے گناہ گاراپنے چہرے سے.(معانی القرآن ج3 ص117)

تعارض: 194 سورة الحدید

آیت4

ثم استوی علی العرش .پھر قائم ہواتخت پر.اس آیت میں ہے کہ اللہ عرش پرمستوی ہےلیکن وھومعکم اینما کنتم اس کے منافی ہے کیونکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو.(سورۃ الحدید آیت 4)

تطبیق: اللہ تعالٰی اپنی شان کے مطابق عرش پرمستوی ہےلیکن ساری مخلوق پرعلم وقدرت کے لحاظ سے احاطہ کئے ہوئے ہے.اسکےعلم وقدرت سے کوئی شی باہرنہیں.

علامہ آلوسی نے ابن عباس کا قول امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات کے حوالہ سے نقل کیا ہے.عالم بکم اینما کنتم(روح المعانی ج27 ص168)

تم جہاں بھی ہو اللہ تم کوجانتا ہےسفیان ثوری سے جب اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا.توفرمایا علمہ معکم یعنی علم کے لحاظ سےتمہارے ساتھ ہے.امام رازی

فرماتے ہیں قال المتکلمون ھذہ المعیة امابالعلم وامابالحفظ والحراسة .تفسیر کبیر(ج 29 ص215) متکلمین کہتے ہیں کہ علمی یاحفاظت کی معیت مراد ہے.امام قرطبی کہتے ہیں استوی علی العرش اورھومعکم اینما کنتم دونوں میں تاویل ضروری ہے اگردونوں آیتوں کوظاہرپرمحمول کیاتو یہ تناقض کا اعتراف ہوگا.وھومعکم کی تاویل میں فرماتے ہیں یعنی بقدرته وسلطانه وعلمه (قرطبی ج17 ص237) معیت سے مراداس کی قدرت'غلبہ اورعلم ہے.استوی علی العرش پرکافی بحث کے بعدلکھتے ہیں وقدیوول العرش فی الآیة بمعنی الملك ای مااستوی الملك الاله عزوجل (قرطبی ج7 ص221) عرش سے مرادملک ہے معنی یہ ہے کہ اس کاراج قائم ہوا.

تعارض: 195 سورة الحدید

آیت 8

ومالکم لاتؤمنون باللہ والرسول یدعوکم لتؤمنوبربکم وقداخذمیثاقکم ان کنتم مؤمنین.

اورتمہارے لئے اس کاکون سبب ہے کہ تم اللہ پرایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کواس بات کی طرف بلارہے ہیں کہ تم اپنے رب پرایمان لاواورخود خدانے تم سے عہد لیا تھا اگرتم کوایمان لاناہے.

آیت کے شروع سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار میں ایمان نہیں تھا لیکن ان کنتم مؤمنین سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان تھا.

تطبیق: جلالین میں ہے ان کنتم مؤمنین ای مریدین الایمان به فبادروا الیه. اگراللہ پرایمان لانے کاارادہ ہےتواس کی طرف جلدی کرو(ص449)

http://mujahid.xtgem.com

معنی یہ ہے کہ ایمان ہے تو نہیں اگر لانا چاہتے ہو تو اس کا مقتضی موجود ہے.

الشیخ احمد الصاوی فرماتے ہیں ان کنتم مؤمنین بموسیٰ وعیسیٰ فان شرعھما مقتضیۃ لالایمان بمحمد ﷺ. اگر تمہارا موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے تو ان دونوں کی شریعت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضا کرتی ہے. (حاشیہ الصاوی ج4 ص170)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں ان کنتم مؤمنین بموجب مافان ھذا الموجب لامزید علیہ. اگر تمہارا ان باتوں پر ایمان ہے جو ایمان کی مقتضی ہیں تو وہ سب امور بدرجہ اتم موجود ہیں. (الکشاف ج4 ص473).

علامہ آلوسی نے تطبیق میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں فرماتے ہیں وجوزان یکون المراد ان کنتم ممن یؤمن فمالکم لاتؤمنون والحالۃ ھذہ. اگر تم ان لوگوں سے ہو جو مؤمن ہیں تو کیوں ایمان نہیں لاتے حالانکہ تمہاری یہ حالت ہے کہ ایمان نہیں لاتے.

(۲) وقال الواحدی ای ان کنتم مؤمنین بدلیل عقلی اونقلی فقدبان وظھرلکم علی یدمحمد ﷺ ببعثہ وانزال القرآن علیہ. اگر تمہارا دلیل عقلی اور نقلی پر ایمان ہے تو اس طرح کے تمام دلائل حضور ﷺ کے ہاتھ پر آپ کی بعثت اور آپ پر نزول قرآن کی وجہ سے ظاہر ہو گئے.

(۳) وقال الطبری فی ذلک المراد ان کنتم مؤمنین فی حال من الاحوال فآمنوا الآن تم کسی بھی حال میں ایمان لانا چاہتے ہو تو ابھی لے آو. ان کنتم مؤمنین بالمیثاق الماخوذ علیکم فی عالم الذر فآمنو الآن. اگر تمہارا عالم ذر میں لئے گئے عہد پر ایمان ہے تو اب ایمان لے آو.

(۴) وقیل المراد ان دمتم علی الایمان فانتم فی [illegible]

واقدار رفعیۃ. اگر تم نے ایمان پر مداومت اختیار کی تو بلند اقدار اور اعلیٰ رتبوں کے مالک بن جاو. (روح المعانی ج14 ص216).

ابی عبداللہ القرطبی فرماتے ہیں ان کنتم مؤمنین باللہ خالقکم وکانوا یعترفون بھذا. اگر تمہارا اللہ کی خالقیت پر ایمان تھا. اور وہ اس بات کے معترف تھے. (القرطبی ج16 ص239) یعنی اگر اللہ کو خالق مانتے ہو تو اللہ کی ذات پر ایمان لے آو.

تعارض: 196 سورۃ المجادلۃ

آیت 12

یاآیھاالذین آمنوا اذاناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ. اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو. اس آیت میں حضور ﷺ کے ساتھ سرگوشی سے قبل صدقہ دینے کا حکم ہے لیکن اس سے بعد والی آیت میں اس حکم کی نفی ہے. فرمان باری ہے ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات فاذلم تفعلوا وتاب اللہ علیکم. کیا تم اپنی سرگوشی کے قبل خیرات دینے سے ڈر گئے سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت کی. (سورۃ المجادلۃ آیت 13) اس آیت میں صدقہ نہ دینے کا حکم ہے صدقہ دینا اور نہ دینا دونوں میں تعارض ہے.

تطبیق: قاضی بیضاوی فرماتے ہیں ولکن منسوخ بقولہ ءاشفقتم. صدقہ کا حکم ءاشفقتم کے ساتھ منسوخ ہے (بیضاوی ج2 ص354).

امام فراء فرماتے ہیں ایک درہم صدقہ دینے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا. فنسخت الزکاۃ ذلک الدرھم. زکوۃ سے یہ درہم منسوخ ہو گیا. (معانی القرآن ج3

http://mujahid.xtgem.com

ص142)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں قال ابن عباس ھی منسوخۃ بالآیۃ التی بعدھا آگے لکھتے ہیں رخص لکم ان لاتفعلوا۔(الکشاف ج4 ص494) یعنی منسوخ ہوا اور یہ حکم پورا نہ کرنے کی اجازت مل گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں خفف بنسخ الصدقۃ۔ صدقہ کا حکم نسخ کے ساتھ آسان اور ہلکا ہوگیا۔(مظہری ج9 ص226)

تعارض: 197 سورۃ الممتحنۃ

آیت 8

لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کے برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ نیکی اور احسان کی اجازت ہے لیکن بعض آیات سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ نیکی اور احسان کی اجازت مطلقاً منع ہے۔ خواہ قتال کیا ہو یا نہ کیا ہو مسلمانوں کو گھروں سے نکالا ہو یا نہ نکالا ہو۔ ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ اور جو شخص تم سے ان کیساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ ان میں سے ہوگا۔ (سورۃ المائدہ ۵۱) ومن یتولھم منکم فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔(سورۃ التوبۃ 23)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔ والمعنی لاینھاکم عن مبرۃ ھؤلاء وانما ینھاکم عن تولی ھؤلاء۔ ان کفار کیساتھ نیکی واحسان سے منع نہیں کیا بلکہ

دوستی سے منع کیا ہے۔ یا اس سے خزاعہ والے مراد ہیں جنہوں نے حضورؐ سے صلح کی تھی کہ نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ یا یہ آیت آیت القتال سے منسوخ ہے۔ وعن قتادۃ نسختھا آیۃ القتال (الکشاف ج4 ص516)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ ومن ھھنا یظھر ان المنھی عنہ انما ھو موالاۃ اھل الحرب دون مبرتھم بشرط ان لایضر بالمؤمنین وقال اللہ تعالیٰ فی الاساری من اھل الحرب امامنابعد وامافداء والمن نوع من البر۔ اہل حرب سے دوستی منع ہے ان کے ساتھ احسان منع نہیں بشرطیکہ مسلمانوں کو ضرر نہ ملے اللہ نے اہل حرب کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا من یا فدیہ۔ من اور احسان ایک قسم کی نیکی ہے دوستی اہل حرب اور ذمی دونوں سے منع ہے۔(مظہری ج9 ص262)۔

ابن الجوزی فرماتے ہیں لاینھاکم جوہے انھاعامۃ فی جمیع الکفار وھی منسوخۃ بقولہ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم یانزلت فی النساء والصبیان۔ یہ آیت سب کفار کے بارے میں ہے لیکن منسوخ ہے آیۃ القتال کے ساتھ۔ یا اس سے مراد صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ ابن الجوزی کہتے ہیں لاوجہ لادعاء النسخ۔ یعنی منسوخیت کے دعوی کے لئے کوئی وجہ نہیں لان بر المؤمنین للمحاربین سواء کنوا قرابۃ اوغیر قرابۃ غیر محرم اذالم یکن فی ذلک تقویۃ لھم علی الحرب بکراع او سلاح (زادالمسیر ج8 ص237)۔ کیونکہ محاربین اپنے ہوں یا پرائے ان کے ساتھ نیکی کرنا ناجائز نہیں بلکہ بشرط محاربین کے لئے اس احسان کی وجہ سے جنگ میں اسلحہ وغیرہ کی تقویت نہ ملے اور دوستی بہرصورت ناجائز ہے۔

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 198 سورۃ المنافقون

آیت 1

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله و الله يعلم انك لرسوله و الله يشهد ان المنفقين لكذبون . جب آئیں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں منافقین نے گواہی دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ کا رسول ہونا ایک حق بات ہے اس لئے انہوں نے ایک حق بات کی گواہی دی اللہ کو بھی معلوم ہے کہ محمدؐ اس کا رسول ہے لیکن اللہ نے و الله يشهد ان المنفقين لكذبون کے ساتھ منافقین کی تکذیب کردی. تو اللہ کے نزدیک جو حق بات تھی بظاہر اس کی تکذیب ہوگئی اور یہ تکذیب ان منافقین کی تصدیق ہوگئی. کیونکہ وہ بھی حقیقت میں آپ کو رسول تسلیم نہیں کرتے تھے.

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ارادوا بقولهم نشهد انك لرسول الله شهادة واطأت فيها قلوبهم السنتهم ان کا ادعا گواہی کا تھا جس میں دل زبان کا ساتھ دیتا ہے اللہ نے ان کی گواہی کی تکذیب کردی کیونکہ ان کے دل زبانوں کے موافق نہ تھے. دراصل یہاں دو باتیں ہیں ایک ان کا نفس قول انك لرسول الله ایک اس قول کی گواہی تو نفس قول تو درست ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی گواہی کی تکذیب سے قبل کہہ دیا کہ اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کا رسول ہے لیکن انك لرسول الله کے بارے میں ان کی گواہی درست نہ تھی کیونکہ ان کی زبانیں ان کے دلوں کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں اس لئے اللہ نے ان کی گواہی کی تکذیب کردی. علامہ زمخشری ایک اور توجیہ بھی بیان کرتے ہیں. او اراد و الله يشهد انهم لكاذبون عند انفسهم (الکشاف ج 4 ص 538)

یعنی اللہ گواہی دیتا ہی کہ یہ خود اپنے زعم میں بھی جھوٹے ہیں کیونکہ انک لرسول کو کذب خیال کرتے تھے. قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں انهم لكاذبون فی اخبارهم عن هذا القول صادر عن علمهم واذعانهم حتى يصدق على هذا القول لفظ الشهادة. ان سے جو قول ان کے علم اور اذعان کے مطابق صادر ہوا اس میں یہ جھوٹے ہیں چہ جائیکہ اس پر لفظ شہادت صادق آئے. (مظہری ج 10 ص 307).

امام فراء فرماتے ہیں انما كذب ضميرهم ان کا ضمیر جھوٹ بولتا ہے. پھر فرماتے ہیں لانهم اضمروا غير ما اظهروا کیونکہ انہوں نے اپنے مافی الضمیر کے خلاف کا اظہار کیا (معانی القرآن ج 3 ص 158)

تعارض: 199 سورۃ المعارج

آیت 4

فی يوم كان مقداره خمسين الف سنة. ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے. اس آیت میں قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی جبکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہزار سال ہے. ارشاد ہے. فی يوم كان مقداره الف سنة. ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار برس ہوگی. (سورۃ السجدہ آیت 5)

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں. قيل فيه خمسون موطنا كل موطن الف سنة. اس دن پچاس میدان ہوں گے. ہر میدان ایک ہزار سال کے برابر ہے. الف سنۃ سے ایک موطن مراد ہے. اور خمسین سنۃ سے پچاس موطن مراد ہیں. (الکشاف ج 4 ص 609)

http://mujahid.xtgem.com

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے. جہاں ہزار سال کا ذکر ہے اس سے مراد زمین و آسمان میں آنے جانے کی مسافت کا وقت ہے. فرشتے ایک دن میں آتے جاتے ہیں. اگر کوئی انسان زمین اور آسمان کی مسافت کو طے کرنا چاہے تو ایک ہزار سال لگیں گے. قال هذا في الدنيا تعرج الملائكة في يوم كان مقداره الف سنة وفي قوله تعالىٰ في يوم كان مقداره خمسين الف سنة قال هذا يوم القيامة. (مظہری ج 10 ص 62).

امام قرطبی فرماتے ہیں. وقيل معنى ذكر خمسين الف سنة تمثيل وهو تعريف طول مدة القيامة في الموقف ومايلقى الناس فيه من الشدائد. پچاس ہزار سال کا ذکر موقف میں زیادہ دیر رہنے کی طرف ایک مثال ہے. کہ زیادہ وقت گزاریں گے. (قرطبی ج 18 ص 283) مجرمین کی قسمیں ہیں ممکن ہے بعض کا موقف ایک ہزار سال کے برابر ہو اور بعض کا موقف پچاس ہزار سال کے برابر ہو.

امام قرطبی سورۃ السجدۃ کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں. ان يوم القيامة فيه ايام فمنه مامقداره الف سنة ومنه مامقداره خمسون الف سنة. قیامت کے دن ایام ہیں بعض ایک ہزار سال کا یوم اور بعض پچاس ہزار سال کا دن ہے. وقیل اوقات القيامة مختلفة فيعذب الكافر بجنس العذاب الف سنة ثم ينتقل الى جنس آخر مدته خمسون الف سنة. قیامت کے دن مختلف اوقات ہیں کافر کو ایک جنس کا عذاب ایک ہزار سال تک دیا جائے گا. پھر دوسرے جنس کی عذاب کی طرف منتقل کر دیا جائے گا جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی. وقیل مواقف القيامة خمسون موقفا كل موقف الف سنة. قیامت کے دن پچاس

موقف ہوں گے ہر موقف کی مقدار ایک ہزار سال ہے. (قرطبی ج 14 ص 88)

تعارض: 200 — سورۃ المعارج

آیت 8

يوم تكون السماء كالمهل. جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا. اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان کا رنگ اسود ہوگا لیکن سورۃ الرحمٰن کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کا رنگ سرخ ہوگا. ارشاد ربانی ہے فاذا انشقت السماء فكانت وردة كالدهان. غرض جب آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جاویگا جیسے سرخ نری. (37)

تطبیق: مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں جمع دونوں میں یہ ہے کہ شدت حمرت سے سواد کے مشابہ رنگ پیدا ہوتا ہے پس احمر اور اسود دونوں کہنا صحیح ہے یا اول ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جاوے. (بیان القرآن ج 12 ص 40)

تعارض: 201 — سورۃ نوح

آیت 27

انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرا كفارا. اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ ہی کریں گے. اور ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی ظاہراً اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو علم غیب حاصل تھا جب کہ دیگر آیات اس کے خلاف ہیں. قل لايعلم من في السموات والارض الغيب الا الله. آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہے کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ

http://mujahid.xtgem.com

کے.(سورۃ النمل آیت 65).

نوح علیہ السلام نے خود بھی اپنے آپ سے علم غیب کی نفی کی ہے.سورہ ھود میں ہے ولااعلم الغیب اورنہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں.(آیت 31).

تطبیق: علامہ زمخشری نے اس تعارض کوسوال وجواب کی شکل میں ذکر کیا ہے جواب میں فرماتے ہیں.لبث فیھم الف سنۃ الاخمسین عامافذاقھم واکلھم وعرف طباعھم واحوالھم وکان الرجل من ینطلق بابنہ الیہ ویقول احذرھذا فانہ کذاب وان ابی حذر نیہ فیموت الکبیر وینشاء الصغیر علی ذلک وقداخبراللہ عزوجل انہ لن یؤمن من قومک الامن قدآمن (الکشاف ج4 ص621) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے مابین 950 سال گزارے تھے.ان کیساتھ کھایا پیا ان کی طبیعتوں اوراحوال کوجانا ایک آدمی اپنے بیٹے کونوح علیہ السلام کے پاس لاکرکہتا کہ بیٹااس سے بچ کررہنا یہ جھوٹا ہے مجھے بھی اپنا باپ اس سےڈرایا کرتا تھا.بڑااسی حالت کفر میں مرتا اورچھوٹے کی اس حالت میں تربیت ہوتی تھی.اوراللہ تعالیٰ نے آپ کوخبر بھی دی تھی.

علامہ آلوسی فرماتے ہیں وقدعلم کل ذلک بوحی (روح المعانی ج290 ص80)

یہ سب کچھ وحی سے معلوم کیا تھا حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں.وذلک لخبرتہ بھم ومکثہ بین اظھرھم الف سنۃ الاخمسین عاماً (ابن کثیرج7 ص129) ان میں 950 سال کاعرصہ گزارا گویا تجربہ کے بنیاد پر یہ بات کہی.امام رازی فرماتے ہیں. قلنا للنص والاستقراء اماالنص فقولہ تعالیٰ انہ لن یؤمن من قومک الامن قد آمن .امام رازی فرماتے ہیں کوئی سوال کرے کہ نوح

کوکیسے پتہ چلا توہم جواب دیں گے کہ نص کی وجہ سے کہ سوان کے جوایمان لاچکے ہیں اورکوئی شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لائے گا. واماالاستقراء فھوانہ لبث فیھم الف سنۃ الاخمسین عامأفعرف طباعھم (کبیرج30 ص146) یاتونص کے وجہ سے جان گئے یااستقراء کی وجہ سے کیونکہ 950 سال ان میں گزارکران کے طبائع کوجان گئے اوران کوآزمایا توپتہ چلا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں.

تعارض: 202 سورۃ المزمل

آیت 9

رب المشرق والمغرب .وہ مشرق اورمغرب کامالک ہے.رب المشرقین ورب المغربین.وہ دونوں مشرق اوردونوں مغرب کامالک ہے(سورۃ الرحمٰن آیت 17)

فلااقسم برب المشارق والمغارب .پھرمیں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اورمغربوں کے مالک کی.(سورۃ المعارج آیت 40)

ایک آیت میں مشرق ومغرب کومفرد کہادوسری آیت سے معلوم ہواکہ مشرق ومغرب ایک نہیں بلکہ دوہیں.تیسری آیت سے معلوم ہواکہ مشرق ومغرب بہت زیادہ ہیں.کیونکہ جمع کی دلالت دو سے زیادہ پرہوتی ہے.تینوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے.

تطبیق: تینوں آیتوں میں کوئی تناقض نہیں.جہاں ایک مشرق اورایک مغرب کاذکر ہے اس سے مراد ایک جہت اورطرف مشرق ہے اوردوسرا طرف مغرب عام طورپرلوگ ان دوجہتوں کوہی جانتے ہیں جہاں سے سورج نکلتا ہے

http://mujahid.xtgem.com

اس کو مشرق کہتے ہیں اور جہاں غروب ہوتا ہے اس کو مغرب کہتے ہیں. مشرق اور مغرب سے یہی دو اطراف مراد ہیں. جہاں مشرقین اور مغربین فرمایا اس سے مراد گرمی اور سردی کا مشرق اسی طرح گرمی اور سردی کا مغرب. مشاہدہ سے یہ بات معلوم کرنا بالکل واضح ہے. جس آیت میں مشارق اور مغارب جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ہر روز کا مطلع اور غروب ہے کیونکہ سورج کے طلوع کی جگہ اور نقطہ روزانہ نیا ہوتا ہے. اس طرح جائے غروب روزانہ نئی ہوتی ہے. یہ سلسلہ پورا سال چلتا رہتا ہے. سارا سال روزانہ نئے نئے دائرے میں سورج طلوع اور غروب ہوتا رہتا ہے.

جدید سائنسی تحقیق اس پر شاہد عدل ہے مشرق اور مغرب کو ہر روز کے نئے مطلع اور جائے غروب کے لحاظ سے جمع کہنا صحیح ہے. سمین حلبی فرماتے ہیں. وافرد المشرق والمغرب اذالمراد ناحیتاهما اولانهما مصدران وجاء المشارق والمغارب باعتبار وقوعهما فی کل یوم والمشرقین والمغربین باعتبار مشرق الشتاء والصیف ومغربیهما . مشرق اور مغرب سے جہت. مشارق ومغارب سے ہر روز کا نیا مطلع ومغرب اور مشرقین ومغربین سے گرمی اور سردی کا مشرق اور مغرب مراد ہے. (الدر المصون ج 2 ص 80) تمام تفاسیر کی توجیہات کا حاصل تقریباً یہی ہے اس لئے ایک حوالہ پر اکتفاء کیا گیا.

تعارض: 203 سورۃ المدثر

آیت 54

کلاانہ تذکرۃ. ہرگز نہیں یہ قرآن نصیحت ہے. انہ میں ضمیر مذکر ہے لیکن سورۃ عبس میں ضمیر مؤنث کی طرف راجع ہے. ارشاد ہے کلاّ انها تذکرۃ ہرگز ایسا نہ کیجیے

قرآن نصیحت کی چیز ہے. (آیت ۱۱)

تطبیق: تاج القرآ الکرمانی فرماتے ہیں. لان تقدیر الآیة فی هذه السورة ان القرآن تذکرة وفی عبس . ان آیات القرآن تذکرة. سورۃ مدثر میں مقدر مرجع قرآن ہے اس لئے ضمیر مذکر کی ہے. اور عبس میں مقدر مرجع آیات ہیں اس لئے ضمیر مؤنث کی ذکر ہوئی (البرهان فی توجیه متشابه القرآن ص 190)

عبدالقادر عطا فرماتے ہیں. ویحتمل ان تکون التذکرة الثانیة متوجهة الی قصة الاعمیٰ والآیات نزلت فیهما. سورۃ عبس میں مؤنث کی ضمیر اعمٰی کے قصے اور اس میں نازل شدہ آیات کی طرف راجع ہو. اما الاولیٰ فللقرآن کله اور سورہ مدثر میں پورے قرآن کی طرف ضمیر راجع ہو. (حاشیہ البرهان فی توجیه متشابه القرآن ص 190)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں وانما ذکر لانها فی معنی الذکر او القرآن. مذکر ضمیر اس لئے لائے کہ تذکرہ سے مراد ذکر ہے یا قرآن (تفسیر الکشاف ج 4 ص 657)

ابی السعود العمادی فرماتے ہیں. فالضمیران للقرآن وتانیث الاول لتانیث خبره وقیل الاول للسورة او للآیات السابقة والثانی للتذکرة والتذکیر لانها فی معنی الذکر والوعظ. سورۃ عبس میں انها اور ذکرہ کی دونوں ضمیریں قرآن کی طرف راجع ہیں اول ضمیر اس لئے مؤنث ہے کہ اس کی خبر مؤنث ہے یا پہلی ضمیر مؤنث سورۃ یا سابقہ آیات کی طرف راجع ہے. (تفسیر ابی السعود ج 5 ص 237)

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 204 سورة الدهر

آیت 21

وحلوا اساور من فضة .اوران کو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے سورۃ حج میں ہے یحلّون منها من اساور من ذهبٍ ولؤلؤاً. پہنائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی .پہلی آیت میں چاندی کے کنگن کا ذکر ہے .جبکہ دوسری آیت میں سونے کے کنگن کا دونوں میں تعارض ہوا.

تطبیق: علامہ زمخشری تعارض نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں .وهذا صح لااشكال فيه على انهم يسورون بالجنسين اماعلى المعاقبة واماعلى الجمع كماتزاوج لنساء الدنيا بين انواع الحلى ويجمع بينهما سونے اور چاندی کے کنگن یا تو ایک ساتھ یا کبھی سونے کے اور کبھی چاندی کے پہنیں گے .جیسے دنیا کی عورتیں مختلف قسم کے زیورات جمع کر کے استعمال کرتی ہیں .اس کے بعد بڑے طربیہ انداز میں لکھتے ہیں. وما احسن بالمفصم ان يكون فيه سواران سوار من ذهب وسوار من فضة.کیا ہی اچھی کلائی ہوگی جس میں سونے اور چاندی کے کنگن پہنیں گے (الکشاف ج 4 ص 674)

امام قرطبی فرماتے ہیں. حلی الرجل الفضة وحلی المرأة الذهب وقيل تارة يلبسون الذهب وتارة يلبسون الفضة. آدمی کا زیور چاندی ہوگی اورعورت کا زیور سونا ہوگا یا کبھی سونے کے زیور استعمال کریں گے کبھی چاندی کا (قرطبی ج 19 ص 148).

امام رازی فرماتے ہیں .ان الطباع مختلفة فرب انسان يكون استحسانه لبياض الفضة فوق استحسانه لصفرة الذهب فالله يعطى كل احدماتكون رغبة فيه اتم وميله اليه اشد.

اللہ تعالیٰ نے مختلف طبیعت کے لوگوں کو پیدا کیا ہے کسی کو چاندی کی سفیدی اچھی لگتی ہے کسی کو سونے کا سنہری رنگ .ہر آدمی کو اس کی رغبت اور میلان کے مطابق اللہ تعالیٰ سونا یا چاندی عطا فرمائیں گے .ایک اور توجیہ کی ہے .ان هذه الاسورة من الفضة انماتكون للولدان الذين هم الخدم واسورة الذهب للناس. (تفسیر کبیر ج 30 ص 253' 254)

چاندی کے کنگن خدام لڑکوں کے لئے ہوں گے اور سونے کے کنگن لوگوں کے لئے.

تعارض: 205 سورة الدهر

آیت 28

نحن خلقنهم وشددنااسرهم .ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے .اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان خلقتاً مضبوط ہے لیکن ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقتاً کمزور ہے فرمان باری ہے .وخلق الانسان ضعیفا .اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے (سورۃ النساء)

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں .قال ابن عباس رضی الله عنه والاكثرون المراد به انه ضعيف عن الصبر عن النساء فلذلك اباح الله له نكاح الأمة كماسبق قبل هذه الآية.

عورتوں سے رک کے رہنے میں ضعیف ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کیساتھ نکاح اس کے لئے مباح کر دیا ہے .وقال الزجاج معناه انه يغلبه هواه وشهوته فلذلک وصف بالضعف شہوت سے مغلوب ہونے کے اعتبار سے ضعیف ہے واما قوله تعالىٰ (وشددنااسرهم) فمعناه ربطنا اوصالهم بعضها الى بعض بالعروق والاعصاب .اور شددنا اسرھم کا معنی یہ ہے کہ اس کے اعضاء

http://mujahid.xtgem.com

کورگوں اور پٹھوں کیساتھ مضبوط کیا ہے. وقیل المراد بالاسر العصص فان الانسان فی القبر یصیر رفاتا الاعصصه فانه لاُیتفتت. یا اسر سے مراد دُم کی ہڈی ہے کیونکہ انسان قبر میں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن دُم کی ہڈی باقی رہتی ہے. وقال مجاهد المراد بالاسر مخرج البول والغائط فانه یسترخی حتی یخرج منه الاذی ثم ینقبض ویجتمع ویشتد بقدرة الله تعالیٰ. مجاہد فرماتے ہیں کہ اسر سے مراد بول وبراز کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کیساتھ خود بخود کھلتی اور سکڑتی ہیں. (مسائل الرازی ص 363).

علامہ زمخشری (خلق الانسا ضعیفا) کی تفسیر میں فرماتے ہیں. لایصبر عن الشهوات وعلی مشاق الطاعات. شہوات سے رکنے اور طاعات کی مصیبتیں جھیلنے میں کمزور ہے. (الکشاف ج1 ص 501)

تعارض: 206 سورة المرسلات

آیت 35

هذا یوم لاینطقون. یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے. اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن نہ بول سکیں گے. لیکن سورة الانعام کی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بول سکیں گے. الاان قالوا والله ربنا ما کنا مشرکین. مگر یہیں کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم نہ تھے شرک کرنے والے.) آیت 23) لہذا دونوں آیتوں کے مابین منافاة ہے.

تطبیق: ابن الجوزی فرماتے ہیں. قال المفسرون هذا فی بعض مواقف القیامة. قیامت میں جو مختلف مواقف ہیں تو بعض موقف میں بات نہ کر سکیں گے بعض میں کریں گے. قال عکرمة تکلموا واختصموا ثم ختم

علی افواهم فتکلمت ایدیهم وارجلهم فحینئذ لاینطقون بحجة تنفعهم. (زاد المسیر ج8 ص 451).

عکرمہ کہتے ہیں کہ حجت بازی کریں گے اور بولیں گے پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی پھر ان کے ہاتھ پاؤں بولنا شروع کر دیں گے اس وقت نفع بخش حجت بازی کے لئے نہ بول سکیں گے.

علامہ زمخشری لکھتے ہیں. ویوم القیامة طویل ذو مواطن ومواقیت ینطقون فی وقت ولا ینطقون فی وقت ولذلک ورد الامران فی القرآن (الکشاف ج4 ص 681).

قیامت کا دن طویل ہے کئی میدان اور اوقات ہوں گے بعض اوقات بات کر سکیں گے بعض اوقات نہ کر سکیں گے اسی لئے قرآن مجید میں دونوں کا ذکر ہے. هذا یوم لاینطقون. میں یوم سے مراد ساعت ہے امام رازی فرماتے ہیں قال الفراء اراد بقوله یوم لاینطقون تلک الساعة. صرف ایک ساعت مراد ہے سارا دن نہیں جیسے کوئی کہے آتیک یوم یقدم فلان. صرف ساعة قدوم مراد ہے لہذا ایک ساعت میں بول لیں گے دوسرے میں خاموش ہوں گے. امام قرطبی فرماتے ہیں ومعنی الیوم الساعة والوقت. امام قرطبی فرماتے ہیں قال الحسن لاینطقون بحجة وان کانوا ینطقون (قرطبی ج19 ص 144) حجت والا کلام نہ کر سکیں گے اگرچہ بول سکیں گے. علامہ زمخشری ایک اور جواب دیتے ہیں. او جعل نطقهم کلا نطق لانه لاینفع ولا یسمع. ان کے بولنے کو نہ بولنا کہا کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا امام رازی فرماتے ہیں کہ ان کے کلام کو کلا کلام کہا کیونکہ حجت والا کلام پیش نہ کر سکیں گے فرماتے ہیں. ونظیره مایقال لمن ذکر کلاما غیر مفید ماقلت شیئا. غیر مفید بات کرنے والے کو کہا جاتا ہے آپ نے کچھ بھی نہ کہا.

http://mujahid.xtgem.com

تعارض: 207 سورة المرسلات

آیت 36

ولا یؤذن لهم فیعتذرون. اور نہ ان کو اجازت ہوگی سو عذر بھی نہ کر سکیں گے. اس آیت میں اعتذار کی نفی ہے. لیکن دوسری آیت سے اعتذار کا ثبوت معلوم ہوتا ہے. ارشاد باری ہے. یوم لاینفع الظلمین معذرتهم. جس دن کہ ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی. (سورة المومن آیت ۵۲).

تطبیق: امام رازی فرماتے ہیں (لاینفع الظالمین معذرتهم) لایدل علی انهم ذکروا لاعذار بل لیس فیه الاانه لیس عندهم عذر مقبول نافع وهذاالقدر لایدل علی انهم ذکروه ام لا. ظالمین سے معذرت کی نفی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذر پیش کریں گے بلکہ صرف یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس نافع اور مقبول عذر نہ ہوگا اور اس عذر نافع کی نفی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذر پیش کریں یا نہیں.

وایضاً فیقال یوم القیامة یوم طویل فیعتذرون فی وقت ولایعتذرون فی وقت آخر.

یہ دوسرا جواب ہے کہ قیامت کا دن بڑا طویل ہے کسی وقت معذرت کریں گے اور بعض اوقات معذرت نہ کر سکیں گے. (تفسیر کبیر ج 27 ص 77).

مسائل الرازی میں ایک اور جواب ذکر ہے اس کو ضعیف کہا ہے فرماتے ہیں اثبات معذرت مسلمانوں کے لئے ہے اور اعتذار کی نفی کفار کے لئے ہے. (ص 363)

تعارض: 208 سورة النبأ

آیت 23

لابثین فیهااحقاباً. رہا کریں اس میں قرنوں.

احقاب حقب کی جمع ہے. حُقب ضمہ کیساتھ اَسّی (۸۰) سال کو کہتے ہیں. حقب بمعنی الدھر احقاب بہت زمانے. بظاہر اس سے تناھی معلوم ہوتی ہے. دوزخ میں محدود مدت تک رہیں گے لیکن دیگر آیات میں صاف مذکور ہے کہ کفار اور مشرکین ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے. خالدین فیها ابداً. جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے. (سورة البینة آیت 8).

اس آیت سے بظاہر تناہی معلوم ہوتی ہے خٰلدین فیهامادامت السماء والارض الاماشاء ربک. ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب متناہی اور لامتناہی میں تناقض ہے.

تطبیق: علامہ زمخشری فرماتے ہیں کلمامضی حقب تبعه آخر الی غیرالنهایة ولایکاد یستعمل الحقب والحقبة الاحیث یراد تتابع الازمنة وتوالیها. ایک حقب ختم ہونے کے بعد دوسرا حقب شروع ہو جائے گا اسی طرح نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہے گا. حقب اور حقبہ کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں زمانے ایک دوسرے کے پیچھے تسلسل سے لگے ہوں. دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر زمانہ متناہی مان لیں تو آیت کا معنی یہ ہے کہ شراب حمیم اور غساق کے عذاب میں کافی عرصہ تک مبتلی رہنے کے بعد دوسری نوع کے عذاب کی طرف منتقل کر دئے جائیں گے لیکن نفس عذاب سے نہ نکلیں گے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ثم یبدلون بعدالاحقاب غیرالحمیم والفساق من جنس آخر من العذاب. حمیم اور غساق کے عذاب کے بعد دوسری

http://mujahid.xtgem.com

نوع کے عذاب میں منتقل کردیے جائیں گے. اس توجیہ کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے. هذا فليذوقوه حميم وغساق وآخر من شكله ازواج. یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور بھی اس قسم کی طرح طرح کی چیزیں ہیں. (سورۃ ص آیت 58)

ایک اور جواب بھی دیا ہے حقب میں حقب عام ہے. اذاقل مطره وخيره معنی ہوگا لابثين حقبين مجدبين. حقب سے مراد ہمارا وہ سال ہے کہ جس میں بارش اور خیر کم ہو یعنی جہنمی تنگی پریشانی اور بے خبری میں رہیں گے ان کو کسی قسم کا مرغوب رزق نہ دیا جائے گا. (الکشاف ج 4 ص 689).

گویا آیت میں تناہی اور عدم تناہی کا ذکر نہیں بلکہ صرف جہنمیوں کی بے خبری و تنگی کا ذکر ہے.

امام قرطبی فرماتے ہیں جو لاتنقطع فكلما مضىٰ حقب جاء حقب. احقاب ختم نہ ہوں گے. ہر حقب کے بعد دوسرا حقب شروع ہو جائے گا. اس کے بعد فرماتے ہیں اگر احقاب سے محدود اور متناہی مراد ہوتے تو کلام یوں ہونا چاہیئے تھا. خمسة احقاب یاعشرة احقاب. لیکن احقاب کے ساتھ عدد مذکور نہیں اسی لئے امام قرطبی فرماتے ہیں. وهي كناية عن التابيد اى يمكثون فيها ابداً

احقاب تابید اور ہمیشگی سے کنایہ ہے. یعنی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے. امام قرطبی ایک اور جواب بھی دیتے ہیں اگر احقاب سے محدود مدت مراد ہو تو پھر گناہ گار مسلمان مراد ہیں. جو جہنم سے نکالے جائیں گے فرماتے ہیں ويمكن حمل الآية على عصاة الذين يخرجون من النار بعد احقاب. آیت کو گناہ گار مسلمانوں پر حمل کرنا ممکن ہے. جو احقاب کے بعد آگ سے نکالیں جائیں گے. (قرطبی ج 19 ص 178، 179).

امام رازی کی بھی تقریبا مذکورہ تحقیق ہے.

تعارض: 209

سورۃ عبس

آیت 2

ان جاءه الاعمٰى. اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا. اندھا برا لقب ہے. اللہ تعالٰی نے ابن ام مکتوم کو اندھا کہا. حالانکہ دوسرے مقام پر خود ارشاد باری ہے ولا تنابزوا بالالقاب. اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو. (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) اس آیت میں بُرے القاب اور بُرے ناموں سے روکا گیا ہے.

اس طرح دونوں آیات میں تعارض ہوا.

تطبیق: دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں. برے القاب سے روکا گیا ہے. لیکن یہاں اللہ نے ابن ام مکتوب کو بُرے لقب سے نہیں پکارا بلکہ ترحم کیلئے لفظ اعمٰی سے اس کا ذکر کیا ہے. ہم روزانہ کی بول چال میں اس کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک اندھا بے چارہ آیا تھا ایک لنگڑا آیا تھا. یہ صرف اس لئے کہتے ہیں کہ مخاطب کو اس پر رحم آجائے کیونکہ معذور قابل رحم ہوتا ہے. حضورؐ صنادید قریش کے ساتھ اہم سلسلہ میں محو گفتگو تھے کہ ابن ام مکتوم آگئے تو لفظ اعمٰی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اے رسول اس کے آنے کی وجہ سے آپکی قطع کلامی ہوئی تو وہ اس میں معذور تھے. اندھے ہیں اگر ان کی آنکھیں ہوتی تو وہ ایسا ہرگز نہ کرتے. گویا اللہ تعالٰی نے لفظ اعمٰی ذکر کر کے ابن ام مکتوم کے عذر کی طرف اشارہ کردیا. کہ ان کو معذور جانو. قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں. وذكر الاعمىٰ فى الآية اشعار بعذره فى الاقدام على قطع كلام النبى ﷺ. (مظہری ج 10 ص 197)

http://mujahid.xtgem.com

امام رازی فرماتے ہیں .ان ذکرہ بلفظ الاعمیٰ لیس لتحقیر شانه کأنه قیل انه بسبب عماه استحق مزید الرفق والرافة فکیف یلیق بک یامحمد ان تخصه بالغلظة (کبیر ج 31 ص 55) لفظ اعمٰی تحقیر کے لئے نہیں ذکر کیا بلکہ اس لئے ذکر کیا کہ وہ تو زیادہ نرمی اور شفقت کے قابل ہے تو اے محمد آپ کے لئے مناسب نہیں کہ ان پر غصہ کریں.

تو اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ ان کی توہین نہیں بلکہ تعظیم کے لئے ذکر کیا ہے .علامہ آلوسی فرماتے ہیں .فی ذکر الاعمیٰ نحو من ذلک لانه وصف یناسب الاقبال والتعطف (روح المعانی ج 3 ص 39).

اعمٰی ایسا وصف ہے کہ جس کی طرف مہربانی کے ساتھ توجہ اور التفات کیا جاتا ہے.

تعارض: 210 سورة التکویر

آیت 19

انه لقول رسول کریم .یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا.

قول کی اضافت رسول کریم کی طرف ہے .اور رسول سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جبرئیل کا کلام ہے .کیونکہ انه کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے .لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے بلکہ مسلم الثبوت بات یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے .جیسا کہ اس آیت میں ہے .

تنزیل من رب العلمین .رب العلمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے .(سورۃ الحاقۃ آیت 43)

فاجره حتی یسمع کلام الله .تو آپ ان کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی

لے .(سورۃ التوبۃ آیت 6) کتاب احکمت آیاته ثم فصلت من لدن حکیم خبیر .یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے (سورۃ ھود آیت 1) لہذا یہ کھلا تناقض ہے.

تطبیق: منشاء اشکال لفظ قول ہے لیکن جواب بھی اسی آیت میں ہے .لفظ رسول سے خوب واضح ہے کہ جبرائیل کا کلام نہیں کیونکہ رسول خود مبعوث ہوتا ہے .آیت کا مطلب یہ ہے .ای تبلیغه عمن ارسله من غیر زیادة ولا نقص .جس نے اس کو بھیجا اس کے کلام کو من وعن آگے بھیجنا.

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں .من حیث انه رسول .یعنی جبرئیل کا قول اس حیثیت سے کہ فرستادہ ہے اس کا اپنا کلام نہیں.

امام قرطبی فرماتے ہیں .والمعنی انه لقول رسول عن الله کریم علی الله واضاف الکلام الی جبرئیل علیه السلام ثم عداہ عنه بقوله تنزیل من رب العلمین لیعلم اهل التصدیق ان الکلام لله عزوجل .(قرطبی ج 19 ص 240) رسول کا قول ہے اللہ کی طرف سے جو اللہ کے یہاں مکرم ہے .کلام کی اضافت جبرئیل کی طرف کرکے پھر اپنی طرف کی کہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے .تاکہ تصدیق کرنے والا جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے.

علامہ آلوسی فرماتے ہیں .ونسبته الیه علیه السلام لانه واسطة فیه وناقل له عن مرسله وهو الله عزوجل (روح المعانی ج 30 ص 59) جبرئیل علیہ السلام کی طرف قول کی نسبت اس لئے ہوئی کہ وہ واسطہ اور ناقل ہے مرسل کی طرف سے جو اللہ ہے.

امام رازی فرماتے ہیں .انما هو قول جبرئیل اتاہ به وحیاً من عند الله .

http://mujahid.xtgem.com

(تفسیر کبیر ج 31 ص 73). یہ جبرئیل کا قول ہے جو اللہ کی طرف سے وحی ہے۔

تعارض: 211 سورۃ الانشقاق

آیت 10

وامامن اوتی کتابہ وراء ظھرہ .ترجمہ اور جس شخص کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے ملے گا لیکن سورۃ الحاقۃ میں ارشاد ہے۔ وامامن اُوتی کتابہ بشمالہ ترجمہ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا(آیت 25).

ان دونوں آیات میں تعارض ہے کیونکہ ایک میں ذکر ہے کہ اعمالنامہ پیٹھ پیچھے سے ملے گا اور دوسرے میں ذکر ہے کہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔

تطبیق: علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔ تغل یمناہ الی عنقہ وتجعل شمالہ وراء ظھرہ فیؤتیٰ کتابہ بشمالہ من وراء ظھرہ .دایاں ہاتھ گلے کا طوق بنایا جائے گا۔ اور بایاں ہاتھ پشت کی طرف لے جا کر اعمال نامہ اس میں تھما دیا جائے گا۔ ایک اور قول ذکر کیا ہے۔ وقیل تخلع یدہ الیسریٰ من وراء ظھرہ یعنی اس کا بایاں ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جائے گا۔(الکشاف ج 4 ص 726)

امام فراء فرماتے ہیں۔ یقال ان ایمانھم تغل الی اعناقھم وتکون شمائلھم وراء ظھورھم . ان کے دائیں ہاتھ گردن کا طوق بن جائیں گے اور بائیں ہاتھ پشت کی جانب کر دیے جائیں گے۔(معانی القرآن ج 3 ص 250).

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ قال قتادۃ ومقاتل یفک الواح صدرہ وعظامہ ثم تدخل یدہ وتخرج من ظھرہ فیاخذ کتابہ کذالک.(تفسیر قرطبی ج 19 ص 272).

قتادۃ اور مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے سینہ کو چیر کر اس کے ہاتھ کو پشت کی جانب نکال دیا جائے گا۔ اور اس طرح وہ اپنا اعمال نامہ لے گا۔

تعارض: 212 سورۃ الطارق

آیت 17

فمہل الکافرین امھلھم رویداً.

آپ ان کافروں کو یوں ہی رہنے دیجئے ان کو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے اس آیت میں کفار کو مہلت دینے کا ذکر ہے لیکن فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سو ان مشرکین کو جہاں پاؤ مارو۔(سورۃ التوبۃ آیت 5) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ ان دونوں حکموں میں منافات ہے۔

تطبیق: امام قرطبی فرماتے ہیں۔ ثم نسخت بایۃ السیف فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (تفسیر قرطبی ج 20 ص 12)

امہال مشرکین کا حکم آیت سیف کیساتھ منسوخ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ وھذا منسوخ بآیۃ القتال علی تقدیر النھی عن الانتقام منھم. (تفسیر مظھری ج 10 ص 242)

کفار اور مشرکین سے انتقام نہ لینے کا حکم ہے تو یہ قتال کی آیت کیساتھ منسوخ ہے۔

امہال کافرین کا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کی ہلاکت کیلئے بددعا میں جلدی نہ کیجئے انتظار کیجئے آپ دیکھ لیں گے میں ان کو کسی طرح عذاب اور مصیبت میں قبل موت یا بعد الموت مبتلی کرتا ہوں. قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

لا تستعجل باھلاکھم بالدعاء علیھم .حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ای انظرھم ولا تستعجل لھم. تھوڑا آگے لکھتے ھیں .وستریٰ ماذا احل

http://mujahid.xtgem.com

بهم من العذاب والنكال والعقوبة والهلاک کماقال نمنعهم قليلا ثم نضطرهم الى عذاب النار. (ابن کثیر ج 7 ص 266) اور عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ میں ان کسی قسم کا عذاب نازل کرتا ہوں اور کیسے ان کو ہلاک کرتا ہوں جیسے اللہ نے فرمایا.

امہال کافرین کی اس تشریح اور توجیہ کیساتھ آیات قتال کے ساتھ کوئی تعارض نہیں. اس لئے تطبیق کی ضرورت نہیں رہتی.

تعارض: 213 سورۃ الاعلیٰ

آیت 6'7

سنقرئک فلاتنسیٰ الاماشاء الله .ہم آپ کوقرآن پڑھادیا کریں گے پھرآپ نہیں بھولیں گے مگر جس وقت اللہ کومنظور ہو. اس آیت میں اس بات کی دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہیں جتنا قرآن چاہیں حضورؐ کو بھلادیں . اس آیت کابظاہران علینا جمعه وقرآنه کے ساتھ ٹکراو ہے. کیونکہ اس آیت کا معنی ہے ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوادینا (القیامۃ 17)

اسی طرح فرمان باری ہے. انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحفظون.ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں.(سورۃ الحجر آیت 9) یعنی قرآن ضائع نہ ہوگا.ہم اس کے محافظ ہیں لیکن پہلی آیت کے بموجب جو بھلا دیا جائے وہ ضائع ہو جائے گا.بظاہر یہ تناقض ہے.

تطبیق: امام فراء فرماتے ہیں. لم یشاء ان ینسیٰ شیئا وهو کقوله خلدين فيها مادامت السموات والارض الاماشاء ربک ولايشاء وانت قائل فی الکلام لأعطينک كل ماسالت الاماشئت

والاان اشا ان امنعک والنية ألا تمنعه. (معانی القرآن ج 3 ص 256) اللہ نہیں چاہیں گے کہ کچھ بھلادیں جیسے اللہ کا فرمان ہے کہ شقی لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے لیکن اللہ ایسا نہ چاہیں گے جیسے تو مخاطب سے کہتا ہے کہ جو مانگے عطا کروں گا مگر جو میں چاہوں نہ دوں گا لیکن نیت نہ دینے کی نہ ہو.امام فراء کی اس توجیہ کے ساتھ تعارض ختم ہو جاتا ہے.

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. اوقال الاماشاء الله الغرض نفى النسيان راسا كمايقول الرجل لصاحبه انت سهيمی فيماامک الاماشاء الله ولايقصد استثناء شئ وهومن استعمال القلة فی معنی النفی. (الکشاف ج4 ص739).

یعنی سرے سے نسیان کی نفی ہے جیسے کوئی کسی دوست سے کہے کہ میں جس چیز کا مالک بنوں تو اس میں میرا برابر کا شریک رہے گا مگر جو میں چاہوں اور نیت استثناء کی نہ ہو. بعض مفسرین کہتے ہیں اس آیت میں ناسخ اور منسوخ کا ذکر ہے قرآن محفوظ ہے لیکن اس آیت میں نسخ کا ذکر ہے.

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں والنساء نوع من النسخ (مظہری ج 10 ص 244) نساء ایک قسم کا نسخ ہے. امام قرطبی نے متعدد جوابات دئے ہیں ایک توجیہ یہ ذکر کی ہے. ولكنه لم ینس شيئا منه بعدنزول هذه الآية (قرطبی ج 20 ص 19) اس آیت کے نزول کے بعد کچھ بھی نہیں بھلایا گیا یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس آیت کے نزول کے بعد کچھ بھی نہیں بھولا تو الا ماشاء اللہ کس لئے ذکر فرمایا.امام رازی اس کا جواب دیتے ہیں.

(۱) التبرک بذکرهذه الکلمة تبرک کے لئے یہ کلمہ ذکر کیا معنی یہ کہ میں

http://mujahid.xtgem.com

باوجود عالم الغیب ہونے کے کوئی خبر اس کلمہ کے بغیر نہیں دیتا تو تم بھی ماشاء اللہ یا ان شاء اللہ کہا کرو۔

(۲) دوسرا جواب یہ دیا ہے اللہ کو اپنی قدرت معلوم ہے کہ عدم نسیان اس کا فضل اور احسان ہے یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے اس کے بعد جو وحی بھی اترے حضورؐ اس کے لئے ہر حال میں بیدار رہ کر اس کی حفاظت کے لئے تیار رہیں۔(تفسیر کبیر ج 31 ص 142'143)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ قال الحسن وقتادة وغيرهما وهذا مما قضى الله تعالىٰ نسخه وان يرتفع حكمه وتلاوته والظاهران النسيان على حقيقته۔(روح المعانی ج 30 ص 105)۔

حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں نسخ کا ذکر ہے جس آیت کی تلاوت اور حکم کے نسخ کا فیصلہ ہو جائے نسیان حقیقۃً اس نسخ پر محمول ہے۔

حاصل یہ ہے کہ باوجود ناسخ منسوخ کے قرآن محفوظ ہے نسخ کے بعد جو رہ جائے اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔اس میں کوئی کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں کرسکتا۔

تعارض: 214 سورة الغاشية

آیت 6

ليس لهم طعام الا من ضريع۔

ترجمہ: ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا۔اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کی خوراک صرف ضریع ہے۔لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ضریع کے علاوہ غسلین اور زقوم بھی دوزخیوں کی خوراک ہے جیسا کہ اس

آیت میں ذکر ہے ولا طعام الا من غسلين۔اور نہ اس کو کوئی کھانے کے چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون کے۔(سورۃ الحاقۃ آیت 36)۔

اس آیت میں بھی غسلین کے خوراک کا حصر ہے لہٰذا ان آیات میں تعارض ہوا۔

تطبیق: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔اور ضریع میں حصر طعام کا اضافی ہے یعنی اطعمہ مرغوبہ لذیذہ کی نفی مقصود ہے پس زقوم اور غسلین کے اثبات سے اس کا تعارض نہیں(بیان القرآن ج 12 ص 94)۔

ان آیات میں خوراک کا ذکر ہے وہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو لذیذ اور مرغوب خوراک نہیں ملے گی۔غیر مرغوب اور غیر لذیذ خوراک جس جس کا ذکر ہے وہ ملے گی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔والقصر اضافی (تفسیر مظہری ج 10 ص 56)۔قاضی صاحبؒ اور مولانا تھانویؒ دونوں کی تطبیق ایک جیسی ہے۔امام قرطبی نے اول تعارض کا ذکر کیا پھر لکھتے ہیں۔ووجه الجمع ان النار دركات فمنهم من طعامه الزقوم ومنهم من طعامه الغسلين ومنهم من طعامه الضريع ومنهم من شرابه حميم ومنهم من شرابه الصديد قال الكلبي الضريع في درجة ليس فيها غيره والزقوم في درجة اخرى۔ دوزخیوں کے طبقات ہیں بعض کی خوراک زقوم ہے اور بعض کی غسلین اور بعض کی ضریع بعض حمیم پئیں گے اور بعض صدید کلبی کہتے ہیں جس درجہ میں ضریع والی خوراک ہوگی اس کے ساتھ دوسری نہ ہوگی۔اور زقوم دوسرے درجہ میں ہوگی۔

امام قرطبی ایک اور توجیہ بھی بیان کرتے ہیں۔ويجوز ان تحمل الآيتان على حالتين كما قال يطوفون بينها وبين حميم آن۔دونوں آیتیں مختلف حالتوں پر محمول ہیں ایک حالت اور وقت میں ایک قسم کی خوراک اور دوسری حالت اور وقت

http://mujahid.xtgem.com

میں دوسری قسم کی خوراک ملے گی جیسا کہ سورۃ رحمٰن کی اس آیت میں ذکر ہے۔ پھریں گے بیچ اس (دوزخ) کے اور کھولتے پانی کے۔(تفسیر قرطبی ج 20 ص 31)۔یعنی کبھی آگ اور کبھی کھولتے پانی کا عذاب ہوگا۔

تعارض: 215 سورۃ الفجر

آیت 22

وجاء ربک والملک صفاً صفاً۔

الملک سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فرشتہ ہے لیکن صفاً صفاً سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی جماعتیں ہوں گی اس ایک آیت میں والملک اور صفاصفا میں تعارض ہوا۔

تطبیق: قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔ والملک اللام للجنس ای وجاء ت الملائکۃ (تفسیر مظہری ج 10 ص 258)۔الملک میں الف لام جنسی ہے یعنی سب ملائکہ۔قرآن مجید میں اس کے نظائر ملتے ہیں۔ارشاد باری ہے ثم استوی الی السماء فسواھن۔سماء مفرد ہے لیکن اس کی طرف ضمیر جمع مؤنث کی لوٹ رہی ہے۔اس کا جواب یہی ہے کہ السماء میں الف لام جنسی ہے۔اسی طرح او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء۔الطفل مفرد ہے اور الذین اور لم یظہروا جمع ہے۔لیکن یہاں بھی الطفل میں الف لام جنسی مراد ہے۔امام قرطبی فرماتے ہیں۔الملک سے ملائکہ مراد ہیں۔(تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۵۴)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والملک ای جنس الملک فیشتمل جمع ملائکۃ السموات والارض (روح المعانی ج 30 ص 128)۔الملک سے زمین وآسمان کے سب فرشتے مراد ہیں۔

تعارض: 216 سورۃ الشمس

آیت 8

فالھمھا فجورھا وتقواھا۔پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اس کو القاء کیا۔

اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں تقویٰ اور فجور اللہ ڈالتے ہیں۔کسی نفس کا اس میں اختیار نہیں۔لیکن فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ۔سو انہوں نے گمراہی کو بمقابلہ ہدایت کے پسند کیا۔(سورۃ حٰم السجدۃ آیت 17) اس کے منافی ہے کیونکہ اس میں یہ بیان ہے کہ گمراہی خود آدمی اختیار کر سکتا ہے یعنی فجور اور تقویٰ بندہ کے اختیار میں ہے۔

تطبیق: امام فراء فرماتے ہیں۔عرفھا سبیل الخیر وسبیل الشر وھو مثل قولہ وھدیناہ النجدین۔(معانی القرآن ج 3 ص 266) خیر اور شر کے راستے انسان کو بتادئے۔جیسا کہ ھدیناہ النجدین میں ہے۔یعنی انسان کو خیر اور شر کی گھاٹیاں دکھلادیں۔تاکہ برے راستے سے بچے اور اچھے راستے پر چلے

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ الھمھما فجورھا وتقواھا بینھمالھا۔(روح المعانی ج 30 ص 143)۔خیر اور شر اس کے لئے واضح کر دیا۔

تعارض: 217 سورہ اللیل

آیت 12

ان علینا للھدیٰ۔

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اس آیت نے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دیں گے۔حالانکہ بعض کو ہدایت نہیں دیتے۔جیسے ایک جگہ ارشاد باری ہے واللہ لایھدی القوم الفاسقین۔اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں

http://mujahid.xtgem.com

کرتا.(سورۃ التوبہ آیت 12)

تطبیق: عام ہدایت یعنی راہ دکھانا اس کا اثبات ہے اللہ تعالیٰ نے سب کو اس قسم کی ہدایت کی ہے. اناھدیناہ السبیل اماشاکراو اماکفوراً. ہم نے اس کو راستہ بتلایا تو وہ شکر گزار ہوگیا یا ناشکر ہوگیا.(سورۃ الدھر آیت 3)

نفی خاص ہدایت کی ہے جس کو توفیق کہتے ہیں. اللہ تعالیٰ ظالم اور فاسق کو توفیق والی ہدایت نہیں دیتے. ظالم اور فاسق سے مراد کافر ہے. امافراء فرماتے ہیں. من سلک الھدیٰ فعلی اللہ سبیلہ. جو ہدایت کے راستے پر چلے گا تو اللہ اس کو اس راستے پر چلائیں گے. ومثلہ قولہ وعلی اللہ قصدالسبیل من ارادالله فھو علی سبیل القاصد. جو اللہ کو مقصد بنالے وہ صحیح راستہ پر ہے.(معانی القرآن ج3 ص271)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں. ان الارشادالی الحق واجب علینابنصب الدلائل وبیان الشرائع.(الکشاف ج4 ص763)

شریعت اور دلائل کے ساتھ حق کی طرف راستہ دکھلانا مجھ پر لازم ہے یعنی عام ہدایت مراد ہے. علامہ آلوسی فرماتے ہیں. وقیل المراد ان الھدیٰ موکول علینا لاعلی غیرنا (روح المعانی ج30 ص150) ہدایت دینا صرف میرا کام ہے کسی اور کا نہیں وہی خاص ہدایت مراد ہوگی یعنی توفیق جیسے فرمایا انک لاتھدی من احببت.

امام قرطبی فرماتے ہیں. ان علینا ثواب ھداہ الذی ھدیناہ.(قرطبی ج20 ص86) میں نے جو ہدایت دی ہے اس کا ثواب میں ہی دوں گا.

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں. ان الطریق الذی یدل علینا وعلی طاعتنا ھو الھدیٰ لاالضلال. مجھ تک پہنچنے کا راستہ ہدایت ہے نہ گمراہی. من سلک

طریق الھدیٰ وصل الی اللہ. جو ہدایت کے راستے پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچے گا.(اضواء البیان ج10 ص333)

اب معنی ہوگا کہ مجھ تک آنا چاہتے ہو تو میں نے جو ہدایت دی ہے اس پر چلو جس کو ہدایت کہتے ہیں تو مجھ تک پہنچ جاؤ گے. یہ مطلب نہیں کہ میں کسی کو ہدایت نہیں دیتا لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظالم اور فاسق سے ہدایت کی نفی کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں ہدایت کا اثبات ہے تو وہاں راہ دکھلانا مراد ہے جہاں ہدایت کی نفی ہے وہاں توفیق مراد ہے جب انسان عام ہدایت پر نہیں چلتا تو اللہ اس کو خاص ہدایت کی توفیق نہیں دیتے.

تعارض: 218 سورۃ الضحیٰ

آیت 7

ووجدک ضالاً فھدیٰ.

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا. اس آیت سے ظاہراً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حضور ﷺ عیاذاً باللہ نبوت سے قبل گمراہ تھے. حالانکہ انبیاء کرام معصوم بھی ہوتے ہیں اور حضور ﷺ ابتداء سے دین حنیف پر قائم تھے. غار حرا میں عبادت کرتے تھے ارشاد باری ہے. فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا. تو تم یکسو ہوکر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے.(سورۃ الروم آیت 3) معلوم ہوا کہ حضورؐ ابتداء سے صحیح دین حنیف پر قائم تھے جس میں گمراہی کا امکان نہیں تھا.

تطبیق: ضالاً کا معنی یہ ہے کہ آپ موجودہ شریعت سے ناواقف تھے جو

http://mujahid.xtgem.com

فطرت اور عقل سے معلوم نہیں ہوتی ۔یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے بے راہ تھے پھر راہ راست پر آ گئے اسی لئے اللہ کا فرمان ہے ۔ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ۔آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے۔(سورۃ الشوریٰ آیت 52)

ایمان سے مراد شرائع دین ہیں ایک اور مقام پر فرمایا ۔وان کنت من قبلہ لمن الغافلین ۔اور اس کے قبل آپ محض بے خبر تھے۔(سورۃ یوسف 3)

اسی طرح ارشاد ہے ۔وعلمک مالم تکن تعلم ۔اور آپ کو وہ باتیں بتلائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے۔(سورۃ النساء آیت 113)۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں ضالا معناہ الضلال عن العلم الشرائع وماطریقہ السمع کقولہ ماکنت تدری ماالکتاب (الکشاف ج4 ص 768) شرائع کے علم سے بے خبر تھے ۔فرماتے ہیں ۔ضلال معناہ الذھاب عن العلم علم سے بے خبر یہ معنی قرآن مجید میں مستعمل ہے ۔ان تضل احداھما ۔تا کہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے ۔(سورۃ البقرۃ آیت 282)

لایضل ربی ولا ینسی ۔میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔(طٰہٰ 52)۔

ضالا کے تین اور معنی بیان کئے ہیں

(۱) بچپن میں مکہ کی کسی وادی میں کھو گئے تھے ۔ابو جہل ان کو عبد المطلب کے پاس لے گئے۔

(۲) جب بی بی حلیمہ دودھ چھڑانے کے بعد ان کو لائی تو باب مکہ کے پاس ان سے کھو گئے پھر بی بی حلیمہ ان کو عبد المطلب کے پاس لے آئی۔

(۳) ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں راستہ بھول گئے تھے اللہ نے ہدایت فرمائی۔

امام قرطبی نے ضلال بمعنی غفلت لیا ہے ای غافلا عما یراد بک من امر النبوۃ فھداک ۔

آپ نبوت سے غافل تھے اللہ نے آپ کو نبی بنا دیا ۔امام قرطبی نے کئی معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) قال قوم ووجدک ضالا ای فی قوم ضلال فھداھم بک ۔تجھے بے راہ قوم میں پایا آپ کی وجہ سے اس گمراہ قوم کو ہدایت دی۔

(۲) ووجدک ضالا عن الھجرۃ فھداک الیھا ۔تجھے ہجرت سے بے خبر پایا پھر اس کی طرف راہنمائی کی۔

(۳) ووجدک طالبا للقبلۃ فھداک الیھا ۔تجھے قبلہ کا طالب پایا اور بتا دیا ۔ضلال بمعنی طلب آتا ہے اس لئے ضال بھی طالب ہوتا ہے۔

(۴) ووجدک متحیرا عن بیان ما نزل علیک فھداک الیھا ۔تیری طرف جو نازل ہوا اس کے بارے میں آپ متحیر تھے ۔پس اللہ تعالیٰ نے وہ حیرانی ' راہنمائی کر کے ختم کر دی ۔ضال بھی متحیر ہوتا ہے۔

(۵) ووجدک محبا للہدایۃ فھداک الیھا ۔تجھے ہدایت کا چاہنے والا پایا پس وہ ہدایت آپ کو نصیب کر دی ۔ضلال محبت کے معنی میں آیا ہے ارشاد ہے ۔قالوا تاللہ انک لفی ضلالک القدیم ۔ای فی محبتک ۔وہ کہنے لگے بخدا آپ اس پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں ۔(سورۃ یوسف آیت 95)

(۶) ووجدک ضالا لیلۃ المعراج حین انصرف عنک جبرئیل وانت لاتعرف الطریق فھداک الی ساق العرش ۔معراج کی رات جب جبرئیل آپ سے واپس ہوئے تو آپ کو راستہ معلوم نہ تھا پس آپ کو عرش کی ساق کا راستہ بتا دیا۔

http://mujahid.xtgem.com

(۷) وقال بسام بن عبداللہ ووجدک ضالا بنفسک لاتدری من انت فعرفک بنفسک وحالک. بسام فرماتے ہیں کہ آپ اپنے مقام کو نہیں پہچانتے تھے اللہ تعالی نے بتایا کہ آپ کا کیا مقام کیا ہے۔

(۸) وقال الجنیدی ووجدک متحیرا فی بیان الکتاب فعلمک البیان لتبین للناس مانزل الیھم. تجھے کتاب کی تفہیم کے بارے میں حیران پایا پس آپ کو مانزل الیھم کے بیان کا طریقہ بتادیا۔

(۹) وقال بعض المتکلمین اذاوجدت العرب شجرۃ منفردۃ فی فلاۃ من الارض لاشجر معہا سموھا ضالا فیھتدی بھاالی الطریق فقال اللہ ووجدک ضالا ای لااحد علی دینک وانت وحیدلیس معک احد فھدیت بک الخلق الی. بعض متکلمین کہتے ہیں کہ عرب جب کسی بیابان میں صرف ایک درخت پاتے ہیں تو اس کو ضال کیساتھ موسوم کرتے ہیں اس درخت کو نشان بنا کر اس کے ذریعے راستہ معلوم کرتے ہیں تو آیت کا معنی یہ ہوا آپ کے دین پر آپ کے سوا کوئی قائم نہ تھا آپ اکیلے تھے اللہ تعالی نے آپ کی وجہ سے تمام مخلوق کی اپنی طرف راہنمائی فرمائی. امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ تمام توجیہات اچھی ہیں بعض حسی ہیں بعض معنوی لیکن یہ آخری توجیہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے. کیونکہ اس میں تمام معنوی توجیہات کا استقصاء ہے. والقول الاخیر اعجب الی لانہ یجمع الاقوال المعنویۃ. (قرطبی ج 2 ص 97 '98' 99).

امام رازی نے بھی بہت سے جوابات ذکر کئے ہیں. فرماتے ہیں. ضل الماء فی اللبن اذا صار مغمورا فمعنی الآیۃ کنت مغمورا بین الکفار بمکۃ فقواک اللہ تعالیٰ حتی اظہرت دینہ. پانی جب دودھ میں بالکل غائب

ہوجائے آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار اتنے زیادہ تھے کہ آپ ان کے مابین بالکل غائب تھے. اللہ نے آپ کو قوت دی یہاں تک کہ آپ نے اپنا دین ظاہر کردیا یعنی نمایاں ہوکر سامنے آگئے.

ایک اور توجیہ ذکر کی ہے. ووجدک ضائعا فی قومک کانوا یؤذونک ولا یرضون بک رعیتہ فقوی امرک وھداک الی ان صرت والیا علیھم. آپ کو ایسی حالت میں پایا کہ آپ عن قریب ان کی ایذاؤں کی وجہ سے ضائع ہونے والے تھے. اور وہ آپ کی رعایا بننا پسند نہیں کرتے ہیں اللہ نے آپ کو قوت دی اور آپ ان کے والی بن گئے. (کبیر ج 32 ص 217).

ابن الجوزی فرماتے ہیں ووجدک خاملا لاتذکر ولا تعرف فھدالناس الیک حتی عرفوک قالہ عبدالعزیز بن یحییٰ ومحمد بن علی الترمذی (زادالمسیر ج 9 ص 159)

آپ کو گوشہ گمنامی میں پایا آپ کو کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا اللہ تعالی نے تمام لوگوں میں آپ کو متعارف کرایا.

تعارض: 219 سورۃ القدر

آیت 1

انا انزلنہ فی لیلۃ القدر.

ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں انزال کے معنی ہیں یکدم نازل ہونا اس آیت کا یہ مطلب نکلا کہ قرآن مجید دفعتا نازل ہوا لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول تدریجی ہے تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے ارشاد باری ہے تنزیل من الرحمن الرحیم. یہ کلام رحمان رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے. (سورۃ حم

http://mujahid.xtgem.com

السجدۃ آیت 2)

تنزیل تدریجی نزول کو کہتے ہیں نزول دفعی اور نزول تدریجی میں تضاد ہے۔

تطبیق: قرآن مجید کے نزول کے بارے میں خود قرآن مجید کے اندر دو قسم کے صیغے ہیں ایک انزال کا اور دوسرا تنزیل کا انزال دفعی نزول کو کہتے ہیں اور تنزیل تدریجی نزول کو دونوں میں کوئی تعارض نہیں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف شب قدر میں دفعتا اور یکدم نازل ہوا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ انا انزلنه فی لیلة القدر۔

امام قرطبی فرماتے ہیں انزل الله القرآن کله فی لیلة القدر من ام الکتاب الی بیت العزة فی سماء الدنیا ثم انزل الله علی نبیه ﷺ فی اللیالی والایام فی ثلاث وعشرین سنة۔ (قرطبی ج16 ص 126)

اللہ تعالی نے پورے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزۃ کی طرف شب قدر میں نازل کیا۔ پھر حضورؐ پر تئیس سال کے عرصہ تک دن رات نازل ہوتا رہا اس لئے دونوں نزول صحیح ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں انه نزل فیه جملة الی السماء الدنیا ثم نزل منجما الی الارض فی ثلاث وعشرین سنة۔ (روح المعانی ج 2 ص 61)

شب قدر میں آسمان دنیا کی طرف یکدم نازل ہوا اور زمین پر تئیس سال کے عرصہ میں۔

تعارض: 220 سورۃ الزلزال

آیت 7'8

فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره۔

سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسکو دیکھ لیگا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عامل خواہ کافر ہو یا مسلمان اپنے خیر اور شر کا بدلہ پائے گا لیکن دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا عمل تو ضائع ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے وقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا۔ اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے ہیں متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔ (سورۃ الفرقان آیت 23)

ایک اور جگہ ارشاد ہے والذین کفروا اعمالهم کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماء حتی اذا جاءه لم یجده شیئا۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا۔ (سورۃ النور آیت 39)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار کے اعمال بے کار محض ہیں اجر تو دور کی بات ہے۔

تطبیق: علامہ شنقیطی فرماتے ہیں یہ آیت عام مخصوص البعض ہے اپنے نیک عمل کا بدلہ پائے گا۔ بشرطیکہ نیک عمل کو کفر نے ختم نہ کیا ہو۔

(۲) آیت اپنے عموم پر ہے کافر اپنی نیکی کا بدلہ دنیا میں پاتا ہے۔ دلیل یہ ہے نوف الیهم اعمالهم فیها۔ ہم ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں پورا پورا دیں گے (سورۃ ہود آیت 15)

http://mujahid.xtgem.com

(۳) آیت عموم پر ہے مؤمن آخرت میں اپنا خیر اور شر دیکھ لے گا. اللہ اس کے شر کو معاف کر دے گا. اور خیر پر ثواب عطا فرمائے گا. کافر بھی اپنا خیر اور شر دیکھ لے گا. خیر ضائع ہو جائے گا. اور شر کی سزا بھگتے گا. (اضواء البیان ج10 ص 342).

امام رازیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں اشکال ہے کہ کافر کی نیکیوں کو اس کا کفر کھا جاتا ہے. تو اجر کا کیا مطلب. جواب دیتے ہیں کافر اپنی نیکی کا بدلہ دنیا میں پالیتا ہے اور آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا.

دوسرا جواب یہ ہے کہ مؤمن اور کافر دونوں کو اللہ اپنا اپنا خیر اور شر دکھلائیں گے مؤمن کے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی پر اجر عطاء فرمائیں گے. اور کافر کو اپنی نیکی لوٹا دی جاتی ہے اور گناہ پر عذاب دیں گے. یا آیت میں تخصیص ہے سعدا (نیک بخت لوگ) خیر پائیں گے. اور اشقیاء (بدبخت) شر دیکھ لیں گے (کبیر ج 32 ص 61).

تعارض: 221 سورۃ العادیات

آیت 6' 7

ان الانسان لربہ لکنود وانہ علی ذلک لشہید. بے شک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے. اور وہ آدمی اس کام کو سامنے دیکھتا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی ناشکری پر گواہ ہے اور سمجھتا ہے کہ ناشکر ہوں لیکن بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اعمال کو نیک اور اچھا سمجھتا ہے ارشاد ہے. وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا. اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں. (سورۃ الکھف آیت 104)

ایک اور ارشاد ہے یحسبون انھم مھتدون. اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ

راہ پر ہیں (سورۃ الزخرف آیت 37)

تطبیق: وانہ علی ذلک لشھید' میں ضمیر رب کی طرف راجع ہے علامہ زمخشری فرماتے ہیں. وقیل ان اللہ علی کنودہ لشاھد علی سبیل الوعید. اللہ تعالیٰ ان کی ناشکری پر گواہ ہے اور یہ گواہ ہونا بطور وعید کے ہے. (الکشاف ج4 ص 288)

یعنی گناہوں سے باز آجا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تیرے سب گناہوں کو دیکھ رہا ہے.

امام فراء فرماتے ہیں وان اللہ علی ذلک لشھید. (معانی القرآن ج3 ص 283)

اللہ تعالیٰ اس ناشکری پر گواہ ہے لیکن رب کی طرف ضمیر لوٹانا نظم قرآن کے مناسب نہیں کیونکہ اس سورت میں تمام ضمیریں انسان کی طرف راجع ہیں.

تطبیق (۲) انسان کی گواہی اپنی ناشکری پر حال کی گواہی ہے زبان سے اگرچہ اقرار نہیں کرتا. حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ای بلسان حالہ ای ظاھر علیہ فی اقوالہ وافعالہ کما قال ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر. زبان حال کی گواہی ہے جو ان کے اقوال وافعال سے معلوم ہوتی ہے جیسے اللہ کا فرمان ہے مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کر رہے ہیں. (ابن کثیر ج7 ص 355)

تطبیق: (۳) علامہ شنقیطی فرماتے ہیں ان شھادتہ علی نفسہ بذلک یوم القیامۃ. انسان کی یہ گواہی قیامت کے دن ہے جیسے فرمان باری ہے. وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین. اور وہ لوگ مقر ہوں گے کہ وہ کافر تھے. (سورۃ الانعام آیت 130)

http://mujahid.xtgem.com

ایک اور ارشاد ہے فاعترفوا بذنبهم فسحقاً لاصحاب السعير. غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہل دوزخ پر لعنت ہے.(سورۃ الملک آیت 11. اضواء البیان ج10 ص342)

ناشکری کی گواہی قیامت کے دن ہوگی اور خود دنیا کو میں نیک اور اچھا سمجھ رہا ہے.

تعارض: 222 سورۃ العصر

آیت 2

ان الانسان لفی خسر. انسان بڑے خسارے میں ہے.

اس آیت میں ایک انسان کا ذکر ہے لیکن اس سورت میں الا الذین آمنوا مگر جو لوگ ایمان لائے. (آیت 3) سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک نہیں ورنہ استثناء کا کیا مطلب.

تطبیق: الانسان میں الف لام استغراق کے لئے ہے. یعنی کل انسان ہر انسان مراد ہے. علامہ زمخشری فرماتے ہیں والانسان للجنس. الف لام جنسی ہے.

والمعنى ان الناس في خسران من تجارتهم الا الصالحين وحدهم. (الكشاف ج4 ص 794)

تمام انسان اپنے اعمال کی تجارت کے وجہ سے گھاٹے میں ہیں لیکن صرف نیک لوگ نہیں.

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں فاستثنى من جنس الانسان عن الخسران الذين آمنوا بقلوبهم وعملوا الصالحات بجوارحهم. (ابن كثير ج 7 ص 366)

جنس انسان سے مراد ہے جس دلی ایمان والے اور جوارح کے ساتھ اعمال والے

مستثنیٰ ہیں.

امام رازی فرماتے ہیں الف لام جنسی ہے یا انسان سے شخص معین مراد ہے جیسے روایات میں آتا ہے اس انسان کا مقصداق ولید بن مغیرہ عاص بن وائل اور اسود بن عبد المطلب ہے مقاتل کہتا ہے ابولھب ہے ایک مرفوع خبر میں ابوجھل کا ذکر ہے کیونکہ ان سب نے کہا تھا محمد خسارے میں ہے امام رازی فرماتے ہیں ان حملنا الانسان على الكافر كان المراد كونه في الضلالة والكفر الامن آمن من هؤلاء. (تفسير كبير ج32 ص 86)

اگر انسان سے خاص کافر مراد لیا جائے تو معنی ہوگا. کافر کفر اور گمراہی میں ہے ہاں اگر ان میں سے کوئی ایمان لے آئے تو گھاٹے سے نفع کی طرف لوٹ آئے گا.

تعارض: 223 سورۃ الکافرون

آیت 3

ولا انتم عابدون ما اعبد. اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو.

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے مخاطب کفار کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار ایمان لائے ہیں اور ظاہر ہے جب ایمان لے آئیں تو عبادت بھی کریں گے ارشاد ہے. ومنهم من يؤمن به. اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آویں گے.

(سورۃ یونس آیت 40)

ایک اور ارشاد ہے ومن هؤلاء من يؤمن به. اور ان لوگوں میں بعض ایسے ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں. (سورۃ العنکبوت آیت 47).

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com

تطبیق: ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں. ھذہ الآیۃ وان کانت خاصۃ فی بعض الکفار دون بعض لان کثیر منھم قد اسلموا (احکام القرآن للجصاص ج3 ص 476).

سب کافر مراد نہیں بلکہ بعض مراد ہیں. کیونکہ ان میں بہت سے ایمان لے آئے تھے.

امام رازی فرماتے ہیں. ولا یجوز ایضا ان یکون قولہ ولا انتم عابدون ما اعبد خطابا مع الکل لان فی الکفار من آمن وصار بحیث یعبد اللہ. یہ خطاب سب کفار سے نہیں تھا. کیونکہ ان میں کچھ ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرنے والے بن گئے فرماتے ہیں کہ یہ خطاب کفار کی ان مخصوص اقوام کی طرف تھا جنہوں نے کہا تھا کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے معبود کی عبادت کریں. (تفسیر کبیر ج 32 ص 144).

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں قل یآیھا الکفران یشمل کل کافر علی وجہ الارض ولکن المواجھون بھذا الخطاب ھم کفار قریش.

یآیھا الکفرون تو روئے زمین کے سب کفار کو شامل ہے لیکن خطاب کے لحاظ سے صرف قریش کے کفار مراد ہیں. (ابن کثیر ج 7 ص 392).

علامہ شنقیطی فرماتے ہیں. انہ خطاب لجنس الکفار وان اسلموا فیما بعد فھو خطاب لھم ماداموا کفارا فاذا اسلموا لم یتناولھم ذلک لانھم حینئذ مؤمنون لا کافرون. (اضواء البیان ج10 ص 349).

یہ خطاب تمام کفار سے ہے اگر چہ وہ بعد میں ایمان لے آئیں یہ خطاب ان کو اس وقت تک ہوگا جب تک وہ کافر ہیں جب وہ ایمان لے آئے تو اب یہ خطاب ان سے نہ ہوگا کیونکہ اس وقت وہ کافر نہ رہے بلکہ ایمان لے آئے.

ان کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یہ خطاب تمام کفار سے ہے لیکن اس وقت تک

جب تک کافر ہیں جب کفر سے توبہ کی ایمان لے آئے تو اب اس خطاب کے تحت داخل نہیں کیونکہ اب تو مومن ہیں اللہ تعالی نے بالکل درست فرمایا کہ عبادت نہیں کریں گے کیونکہ کافر عبادت نہیں کیا کرتے.

تعارض: 224 سورۃ الناس.

من شر الوسواس الخناس. آیت 4

وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے. وسواس اور خناس میں تنافی ہے کیونکہ وسواس کا معنی ہے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے وسوسہ ڈالنے والا اور خناس کا معنی ہے لوگوں کو گمراہ کرنے سے خوب پیچھے ہٹنے والا.

تطبیق: وسواس خناس دونوں شیطان کی صفات ہیں. ایک وقت میں وسواس اور خناس نہیں بلکہ ایک وقت میں وسواس ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں خناس شیطان جب انسان کے دل کو اللہ کے ذکر سے غافل پاتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے جب اس کو ذاکر پاتا ہے تو فورا پیچھے ہٹ جاتا ہے. امام فراء فرماتے ہیں. یوسوس فی صدر الانسان فاذا ذکر اللہ عزوجل خنس. (معانی القرآن ج3 ص 287).

انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے امام رازی اور علامہ زمخشری سعید بن جبیر کی روایت ذکر کرتے ہیں. اذا ذکر الانسان ربہ خنس الشیطان وولی فاذا غفل وسوس الیہ. (الکشاف ج4 ص 824). کبیر ج 32 ص 198.

جب انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جب انسان کو غافل پاتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے.

http://mujahid.xtgem.com

علامہ آلوسی نے حضرت انسؓ کی روایت ذکر کی ہے فاذا غفل ابن آدم وضع ذلک المنقار فی اذن القلب یوسوس فان ذکر اللہ تعالیٰ نکص وخنس فلذلک سم الوسواس الخناس. جب ابن آدم کو غافل پاتا ہے تو اپنی چونچ وسوسہ کے لئے اس کے دل پر رکھتا ہے جب ابن آدم اللہ کو یاد کرتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اسی لئے شیطان کو وسواس اور خناس کہا گیا۔ (روح المعانی ج 30 ص 287).

حافظ ابن کثیر ابن عباس کی روایت ذکر کرتے ہیں۔ الوسواس فان ھو الشیطان یأمر فاذا اطیع خنس. (تفسیر ابن کثیر ج 7 ص 423).

وسوسہ ڈالنے کے بعد خود بخود پیچھے ہٹ جاتا ہے کیونکہ اس کی بات مان لی گئی جیسے ایک آدمی جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد خود بخود واپس ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

وللہ الحمد ومنہ السداد والرشاد

http://mujahid.xtgem.com

مصنف کی مطبوعہ تصانیف

۱۔ تطبیق الایات

۲۔ وجوہ التکرار فی القرآن

مصنف کی زیر طبع تصانیف

۱۔ جدید معاشی مقالات

۲۔ جدید سیاسی مقالات

۳۔ جدید طبی مسائل اور ان کا فقہی حل

٤۔ اسلامی و قانونی مقالات

۵۔ الجواب الشافی

٦۔ شرعی حقائق امثال کی روشنی میں

۷۔ الاحکام المستنبطة (من القرآن)

۸۔ نکات القرآن

۹۔ شرح العقیدة الطحاویة (اُردو)

دار التصنیف

جامعہ عثمانیہ پشاور پوسٹ کوڈ:1209

http://mujahid.xtgem.com

http://mujahid.xtgem.com